ازدواجی زندگی سے متعلق اہم مسائل پر مشتمل

کتاب الزواج

المعروف

خاندانی نظام

www.KitaboSunnat.com

تالیف فضیلۃ الشیخ سید محمد سابق | ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن

تحقیق علامہ ناصر الدین البانی | نظر ثانی شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد

مکتبہ اسلامیہ
MAKTABA ISLAMIA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

کتاب الزّواج

المعروف

خاندانی نظام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازدواجی زندگی کے متعلق اہم مسائل پر مشتمل

کتاب الزواج

المعروف

خاندانی نظام

تالیف فضیلۃ الشیخ سید محمد سابق
ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن
تحقیق علامہ ناصر الدین البانی
نظر ثانی شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد

مکتبہ اسلامیہ
MAKTABA ISLAMIA

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب الزواج

المعروف

خاندانی نظام

سید محمد سابق

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2015ء

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

0300-8661763
/maktabaislamia1
www.maktabaislamiapk.com
maktabaislamiapk@gmail.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ
اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

(الروم: 21)

"اور اس کی نشانیوں میں (یہ بھی) ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب

www.KitaboSunnat.com

فہرست

عرض ناشر 22

◇ ازدواجی زندگی کے مسائل 24

❖ زمانۂ جاہلیت کے وہ نکاح جن کا اسلام نے ابطال کر دیا 25

❖ شادی کرنے کی ترغیب 26

❖ شادی کی حکمت 31

❖ شادی کی شرعی حیثیت 34

❖ مستحب شادی 35

❖ حرام شادی 36

❖ مکروہ شادی 37

❖ مباح شادی 37

❖ شادی کی حج پر تقدیم 38

❖ شادی کرنے سے اِعراض اور اس کا سبب 38

❖ کس طرح کی خاتون سے شادی کی جائے 39

❖ شادی کے مقاصد 42

❖ شوہر کیسا ہو؟ 44

❖ خِطبہ (یعنی منگنی / پیغامِ نکاح دینا) 44

❖ عدت والی خاتون کو شادی کا پیغام بھیجنا 45

❖ پیغام کے اوپر پیغام 47

❖ مخطوبہ کو دیکھنا 48

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ کن اعضاء پر نظر ڈالے؟ 49

❖ خاتون کا مرد کو دیکھنا 50

❖ خوب سیرتی معلوم کرنا 50

❖ مخطوبہ سے یہ ملاقات خلوت میں نہ ہو 50

❖ خلوت کے نقصانات 51

❖ منگنی توڑنا اور اس کے اثرات 52

❖ فقہاء کی آراء 53

❖ عقدِ نکاح 55

❖ ایجاب وقبول کی شروط 55

❖ عقدِ نکاح کے انعقاد کے الفاظ 57

❖ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں نکاح پڑھا دینا 59

❖ گونگے کی شادی 60

❖ غائبانہ نکاح 60

❖ صیغۂ عقد کی شروط 60

❖ عقد میں تنجیز (ایسے صیغے استعمال کرنا مثلاً ماضی کے، جو عقد تام ہونے پر دلالت کرتے ہوں) کی شرط 61

❖ ① کسی شرط پر معلق صیغہ 62

❖ ② زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف صیغہ 62

❖ ③ عقد کی کسی معین وقت کی توقیت کے ساتھ مقترن صیغہ 63

❖ نکاحِ متعہ 63

❖ امام شوکانی رحمہ اللہ کی تحقیق 66

❖ کسی سے نکاح کرنا جبکہ نیت میں ہو کہ (اتنے دن بعد) طلاق دے دوں گا 67

❖ نکاحِ حلالہ 68

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ نکاحِ حلالہ کا حکم 70

❖ مطلقہ خاتون طلاق دینے والے شوہر کے لیے کیسے حلال ہوگی؟ 71

❖ اس کی حکمت 73

❖ اس عقدِ نکاح کی عبارت جو کسی شرط کے ساتھ مقرون ہو 73

❖ ① وہ شروط جن کا پورا کرنا ضروری ہے 74

❖ ② وہ شروط جنہیں پورا کرنا واجب نہیں 74

❖ ③ وہ شروط جن میں عورت کا فائدہ ہو 75

❖ ④ وہ شروط جن سے شارع نے منع کیا 77

◇ وٹہ سٹہ کی شادی 79

❖ علماء کی اس بارے آراء 79

❖ وٹہ سٹہ کی شادی کی علتِ نہی 80

❖ صحتِ شادی کی شروط 80

❖ ① شادی پر گواہ بنانے کا حکم 81

❖ اگر نکاح تو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، مگر اسے پوشیدہ رکھا اور گواہوں کو بھی یہی کہا؟ 82

❖ ② گواہی کی شروط 82

❖ ③ عورت کی گواہی 83

❖ گواہ کے آزاد ہونے کی شرط 84

❖ مسلمان ہونے کی شرط 84

❖ عقد شکلی نکاح ہے 84

❖ عقدِ نکاح کے نفاذ کی شرائط 85

❖ عقدِ نکاح کے لازم ہوجانے کی شروط 85

❖ عقد غیر لازم کب ہوگا؟ 86

❖ عیب کی وجہ سے فسخِ نکاح کے بارے میں فقہاء کی آراء 86

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ اس قضیہ کی تحقیق 88

❖ اس ضمن میں موجودہ عدالتی فیصلے 92

◇ محرم خواتین کا بیان 93

❖ ① نسبی محرمات 94

❖ ② مصاہرت کے رشتہ کے سبب ہونے والی محرمات 94

❖ ③ رضائی محرمات 98

❖ کتنی مقدار کی رضاعت سے یہ حرمت ثابت ہوگی؟ 98

❖ مرضعہ کا دودھ مطلقاً ہی محرم بنا دیتا ہے 100

❖ مخلوط دودھ 101

❖ مرضعہ کی صفت 101

❖ رضاعت کی عمر 101

❖ بڑی عمر والے کو دودھ پلانا 103

❖ رضاعت پر گواہی 105

❖ رضائی والدہ کے شوہر کی رضیع کے لیے حیثیت 106

❖ رضاعت کے معاملے میں تساہل 107

❖ حرمت کی حکمت 107

❖ رضاعت کے ساتھ تحریم کی حکمت 112

❖ مصاہرت کے ساتھ تحریم کی حکمت 112

❖ عارضی محرم 114

❖ ① دو محرم عورتوں سے ایک شخص کا نکاح کرنا 114

❖ ②، ③ اس کے غیر کی زوجہ یا عدت گزار رہی خاتون 116

❖ ④ تین طلاقیں دی گئی خاتون 117

❖ ⑤ حالتِ احرام میں عقدِ نکاح 117

❖ ⑥ لونڈی سے شادی جبکہ آزاد عورت سے شادی کی قدرت بھی ہو! 118

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ ⑦ زانیہ سے شادی 119

❖ زنا اور شادی 121

❖ زانی سے تحریم نکاح میں اسلام کی غرض و غایت 122

❖ زانیوں اور مشرکوں کے مابین وجہِ مشابہت 122

❖ توبہ تمام گزشتہ گناہوں کو مٹا ڈالتی ہے 123

❖ زانیہ کی عدت 125

❖ ابتدائی حالت کا حالتِ بقاء سے اختلاف 127

❖ ⑧ لعان شدہ اپنی سابقہ بیوی سے نکاح 127

❖ ⑨ مشرکہ سے نکاح 128

❖ اہلِ کتاب خواتین سے شادی 129

❖ ان سے شادی کرنے کی کراہت 131

❖ ان سے شادی کی اباحت کی حکمت 131

❖ مشرکہ اور کتابیہ کے درمیان فرق 132

❖ صابئہ سے شادی 133

❖ مجوسیہ سے شادی 133

❖ یہود و نصاریٰ کے علاوہ کسی ایسی قوم کی خاتون سے شادی کرنا، جس کے لیے کوئی (آسمانی) کتاب تھی 134

❖ مسلمان خاتون کی غیر مسلم مرد سے شادی 134

❖ ⑩ بیک وقت چار سے زائد شادیاں کرنا 135

❖ چار پر اقتصار کی حکمت 137

❖ بیویوں کے درمیان عدل کرنے کا وجوب 139

◇ تعددِ ازواج کی حکمت 145

❖ تعدّد کی تقیید 151

❖ تعدّدِ ازواج کا تاریخی پسِ منظر 152

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◇ ولایتِ زواج 155

❖ ولایت کا معنی 155

❖ ولی کی شروط 155

❖ عادل (صوم وصلاۃ وغیرہ کا پابند) ہونے کی عدم اشتراط 155

❖ شادی کے ضمن میں عورت کی اپنے آپ کے لیے ولایت کا اعتبار ... 156

❖ شادی سے قبل عورت سے اجازت لینے کا وجوب 161

❖ کم سن خاتون کی شادی 162

❖ ولایتِ اجبار 163

❖ ولی کون بن سکتے ہیں؟ 164

❖ کسی کا اپنی زیرِ ولایت خاتون سے خود شادی کرنے کا جواز 166

❖ ولی کا موقع سے غائب ہونا 167

❖ قیدی ولیِ قریب بعید کی مثل ہے 168

❖ ایک خاتون کا دو اشخاص کی طرف سے بطورِ ولی دو جگہ نکاح منعقد کرانا .. 169

❖ جس خاتون کا کوئی ولی نہیں اور قاضی سے رجوع کرنے کی اس میں
استطاعت نہیں 169

❖ ولی کا رکاوٹ بننا 170

❖ یتیمہ کی شادی 171

❖ دونوں طرف سے عقدِ نکاح کا ایک ہی ولی ہونا 172

❖ قاضی بطورِ ولی 172

❖ شادی میں وکالت (کسی کو اپنا نمائندہ بنالینا) 173

❖ شرعاً کس کس کی وکالت صحیح ہے؟ 174

❖ مطلق اور مقید توکیل 175

❖ شادی میں وکیل سفیر اور معبر ہے (اس کے ارادے سے تعبیر کرنے
اور آگاہ کرنے والا) 176

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◇ شادی میں کفو 177
❖ کفو کی تعریف 177
❖ کفو کا حکم 177
❖ جمہور فقہاء کا مذہب 181
❖ ① حسب ونسب 181
❖ ② حریت 184
❖ ③ اسلام 184
❖ ④ پیشہ 184
❖ ⑤ مال 185
❖ ⑥ عیوب سے سالم ہونا 186
❖ کفویت کس میں مدِنظر رکھی جائے گی؟ 187
❖ کفویت عورت اور ولی کا حق ہے 187
❖ کفویت کب معتبر ہوگی؟ 188
❖ حقوقِ زوجیت 188
❖ میاں بیوی کے مشترکہ حقوق 188
❖ شوہر کے ذمہ بیوی کے واجب الادا حقوق 189
◇ مہر 190
❖ مہر کی مقدار 191
❖ بیش قیمت مہور مقرر کرنے کی کراہت 194
❖ مہرِ معجّل اور مؤجل 195
❖ کل مقررہ مہر کب شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا 197
❖ فاسد نکاح میں دخول کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا وجوب 198
❖ مہر کے ذکر کیے بغیر نکاح کر لینا 199
❖ مہرِ مثل 200

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ نابالغ خاتون کا مہر مثل سے کم مہر پر نکاح کرنا 200

❖ نصف مہر کی ادائیگی 201

❖ کچھ متاع (ساز وسامان) دینے کا وجوب 201

❖ مہر کا ساقط ہونا 202

❖ عقد کے بعد مقررہ مہر میں اضافہ 202

❖ خفیہ اور علانیہ مہر 203

❖ مہر کو قبضہ میں لینا 203

◇ جہیز 204

❖ گھریلو اخراجات 205

❖ وجوبِ نفقہ کا سبب 206

❖ اگر بیوی مسلمان ہوگئی اور شوہر ابھی کافر ہے 209

❖ نفقہ کی مقدار اور اس کی اساس 209

❖ نفقہ کی مقدار کے بارے احناف کی رائے 211

❖ نفقہ کی مقدار کے بارے میں شافعیہ کی رائے 212

❖ دوران عدت میں خاتون کا نفقہ 214

❖ غیر مادی حقوق 215

❖ ① حسنِ معاشرت 216

❖ ② زوجہ کی حفاظت 218

❖ بیوی سے مباشرت 220

❖ جماع کے وقت مکمل ستر پوشی 223

❖ جماع کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا 224

❖ اثنائے مباشرت اسی کے بارے میں گفتگو کرنے کی حرمت 225

❖ دبر میں جماع کرنا 226

❖ عزل اور خاندانی منصوبہ بندی کے دیگر طریقے 227

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ اسقاطِ حمل کا حکم 230

◇ ایلاء 231

❖ ایلاء کی تعریف 231

❖ مدتِ ایلاء 231

❖ حکمِ ایلاء 232

❖ اس طلاق کا حکم جو ایلاء کے ساتھ واقع ہوگی 233

❖ ایلاء کے نتیجہ میں علیحدہ ہونے والی زوجہ کی عدت 233

❖ بیوی پر شوہر کے حقوق 233

❖ بیوی کا شوہر کے کام کرنا 236

❖ گھریلو زندگی میں بوقتِ ضرورت کچھ کذب بیانی کر لینے کا جواز 238

❖ عورت شمعِ محفل نہیں بلکہ چراغِ خانہ ہے 239

❖ میاں بیوی کا (والدین سے) الگ گھر میں رہنا 240

❖ بیوی کو اس کے (آبائی) گھر سے نہ نکالنے کی شرط پر عقدِ نکاح 241

❖ بیوی کو ملازمت سے روک دینا 241

❖ طلبِ علم کے لیے بیوی کا گھر سے نکلنا 242

❖ نافرمانی پر بیوی کی گوشمالی 242

❖ بیوی کا شوہر کے لیے زینت و آرائش کرنا 243

❖ تبرُّج 243

❖ اس کا دین اور مدنیت کے منافی ہونا 244

❖ دورِ حاضر کی بے راہ روی کا بڑا سبب 248

❖ اس کے نتائج 249

❖ اس صورتحال کا علاج اور تدارک 250

❖ ایک شبہ کا ازالہ 251

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ شوہر کا بیوی کے لیے تزین 252
❖ حدیث ام زرع 253
❖ عقدِ نکاح کا آغاز خطبہ مسنونہ سے کرنا 256
❖ اس کی حکمت 257
❖ عقدِ نکاح کے بعد کی دعا 258
❖ شادی کا اعلان وتشہیر 259
❖ شادیوں میں گیت کی اباحت 260
❖ دمِ رخصتی دلہن کو وصیتیں کرنا 261
❖ ایک والدہ کی اپنی بیٹی کو دمِ رخصتی وصیت 262
◇ ولیمہ 264
❖ ولیمہ کی تعریف 264
❖ ولیمہ کا حکم 264
❖ ولیمہ کا وقت 265
❖ دعوت قبول کرنا 265
❖ دعوت قبول کرنے کے وجوب کی شروط 266
❖ فقراء کو چھوڑ کر صرف اغنیاء کو دعوت دینا 267
❖ غیر مسلموں کی شادیاں 267
❖ اگر میاں بیوی میں سے ایک اسلام لے آئے 268
◇ طلاق کے احکام ومسائل 271
❖ طلاق کی تعریف 271
❖ طلاق کی کراہت 271
❖ طلاق کا حکم 272
❖ طلاق کی حکمت 274

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ یہودیوں کے ہاں طلاق کا تصور 275

❖ مسیحی مذاہب میں طلاق 276

❖ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں طلاق کا تصور 276

❖ طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے 277

❖ طلاق دینے کی اہلیت 278

❖ ① بالجبر طلاق دلوانا 279

❖ ② نشے کی حالت میں طلاق دینا 280

❖ ③ مغلوب الغضب کی طلاق 281

❖ ④ ہنسی مذاق کے طور پر یا غلطی سے منہ سے طلاق کا لفظ نکل جانا .. 282

❖ ⑤ حالتِ غفلت و سہو میں دی گئی طلاق 283

❖ ⑥ مدہوش کی طلاق 283

❖ کس عورت پر طلاق واقع ہوگی؟ 283

❖ کس عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی؟ 284

❖ اگر کسی نے اپنی (حقیقۃً یا حکماً) غیر مدخول (جس سے ابھی جماع نہیں کیا) بیوی سے کہا 285

❖ شادی سے قبل طلاق 286

❖ طلاق کس لفظ کے ساتھ واقع ہوگی؟ 287

❖ لفظ کے ساتھ طلاق 287

❖ کنایہ 287

❖ کیا بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی؟ . 289

❖ اہلِ اسلام کا قسمیہ الفاظ کے ساتھ حلف اٹھانا 290

❖ تحریری طلاق 290

❖ گونگے کا اشارہ 291

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ ایلچی کے ذریعے سے 291

❖ طلاق پر گواہ بنانا 291

❖ طلاق پر گواہ بنانے کا وجوب اور اس کے بغیر طلاق کا عدم وقوع 292

❖ مطلقاً اور معلقاً طلاق 294

❖ تعلیق کی دو اقسام ہیں 294

❖ زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف صیغہ 296

❖ سنی اور بدعی طلاق 296

❖ طلاق سنی 297

❖ طلاقِ بدعی 298

❖ حاملہ بیوی کو طلاق دینا 300

❖ آیسہ (جسے اب حیض آنے کی کوئی امید نہیں)، نابالغہ اور منقطع حیض والی کو طلاق 301

❖ طلاقوں کی تعداد 301

❖ طلاقِ البتہ 307

❖ طلاقِ رجعی اور طلاقِ بائنہ 308

❖ طلاقِ رجعی 308

❖ طلاقِ رجعی کا حکم 310

❖ شوہر رجعی مطلقہ پر کس حد تک مطلع ہو سکتا ہے؟ 312

❖ طلاقِ بائنہ 313

❖ اس کی اقسام 313

❖ صغری جدائی والی طلاق کا حکم 314

❖ بینونتِ کبری والی طلاق کا حکم 314

❖ مسئلۂ ہدم 314

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ مرض الموت میں مبتلا کی طلاق 315

❖ طلاق بذریعہ وکیل ونمائندہ 318

❖ طلاق میں شوہر کی نیت معتبر ہوگی یا بیوی کی؟ 321

❖ کیا بیوی کے ہاتھ میں اس طرح کا اختیار دینا اسی مجلس تک محدود ہے یا یہ دائمی طور پر اسے حاصل ہوا؟ 322

❖ شوہر کی جانب سے بیوی کو دیا یہ حق واختیار واپس لے لینا 323

❖ توکیل: (طلاق کے لیے کسی کو وکیل بنالینا) 324

❖ ان صیغوں میں تعمیم اور تقیید 324

❖ وہ حالات جن کے پیدا ہونے کی صورت میں عدالت طلاق دلوائے گی. 326

❖ خرچہ نہ دینے کی وجہ سے 326

❖ بدسلوکی اور مارنے پیٹنے کے سبب 328

❖ شوہر کے (گھر کے) غائب ہونے کی صورت میں طلاق کا عدالتی فیصلہ. 330

❖ شوہر کے قید ہونے پر بیوی کا عدالت سے رجوع کرنا 331

◇ خلع 332

❖ خلع کی تعریف 334

❖ خلع کے الفاظ 334

❖ خلع میں عوض 335

❖ خلع کا مطالبہ کرتے ہوئے شوہر کے دیے مال سے زیادہ کی طلب یا وعدہ 337

❖ بغیر کسی معقول وجہ کے خلع کا مطالبہ 338

❖ بیوی سے بدسلوکی کرنے کی حرمت تاکہ وہ خلع پر مجبور ہو جائے 339

❖ حالتِ طہر اور حیض، دونوں میں خلع کا جواز 340

❖ شوہر اور اجنبی مرد کے مابین خلع کا معاملہ ہونا 341

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ خلع سے عورت کا معاملہ خود اس کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے 342
❖ خلع کے بعد دوبارہ نکاح 342
❖ سمجھ دار نابالغ بیوی کا خلع 342
❖ نابالغ غیر سمجھ دار کا خلع 343
❖ مجور علیہا (جس کے حقِ تصرف پر عدالتی پابندی ہے) کا خلع 343
❖ نابالغہ کے ولی (یعنی سرپرست) اور اس کے شوہر کے مابین خلع پر اتفاق 343
❖ بیمار کا خلع 344
❖ کیا خلع طلاق ہے یا نکاح کا فسخ؟ 345
❖ کیا خلع لینے والی کو طلاق لاحق ہوگی؟ 346
❖ خلع لینے والی کی عدت 347
❖ شوہر کی نفرت اور اعراض 348
❖ میاں بیوی کی باہمی نااتفاقی 349
◇ ظہار 350
❖ ظہار کی تعریف 350
❖ کیا ظہار میں صرف والدہ کے نام کا حوالہ دینا ہی خاص ہے؟ 352
❖ ظہار کس سے واقع ہوگا؟ 353
❖ عارضی ظہار 353
❖ ظہار کا اثر 353
❖ کفارہ ادا کرنے سے قبل چھونا (جماع کرنا) 354
❖ کفارہ کیا ہے؟ 354
◇ فسخ 356
❖ عدالتی فیصلے کی رو سے فسخِ نکاح 357

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◇ لعان 358

❖ لعان کی تعریف 358

❖ لعان کی حقیقت 358

❖ لعان کی مشروعیت 359

❖ لعان کب ہوگا؟ 361

❖ گواہ پیش کرنے کے بعد لعان 361

❖ کیا لعان یمین (قسم) ہے یا گواہی؟ 362

❖ اندھے اور گونگے کا لعان 364

❖ لعان کا آغاز کس سے ہو؟ 364

❖ لعان سے پیچھے ہٹ جانا 365

❖ لعان کرنے والے میاں بیوی کے مابین علیحدگی 366

❖ علیحدگی کب عمل میں آئے گی؟ 367

❖ کیا علیحدگی طلاق ہے یا فسخِ نکاح؟ 367

❖ بچے کا والدہ سے الحاق 368

◇ عدت 369

❖ عدت کی تعریف 369

❖ عدت کی مشروعیت کی حکمت 369

❖ عدت کی انواع 370

❖ مدخول بہا کی عدت 371

❖ حیض کو عدت شمار کرتے ہوئے ممکنہ کم از کم عدت 373

❖ غیر حائضہ کی عدت 373

❖ حائضہ عورت کے بارے حکم جو حیض نہ دیکھے 374

❖ عورت کس عمر میں آیسہ ہوتی ہے؟ 375

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❖ حاملہ کی عدت 375

❖ اس خاتون کی عدت جس کا شوہر فوت ہوا 376

❖ مستحاضہ کی عدت 376

❖ نکاحِ صحیح میں بھی وجوبِ عدت 376

❖ حیض والی عدت کا مہینوں والی عدت میں بدل جانا 377

❖ فارّ کی طلاق 377

❖ عدت پوری ہونا 379

❖ عدت والی خاتون شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی 379

❖ دورانِ عدت عورت کا (شوہر کے) گھر سے نکلنا اور اس کے جواز میں فقہاء کی آراء 381

❖ بیوہ کا سوگ منانا 383

❖ دورانِ عدت خاتون کا نفقہ 383

◇ حضانت (نگہداشت) 385

❖ حضانت (والدین کا) مشترکہ حق ہے 385

❖ والدہ بنسبت والد کے اولاد کی زیادہ حقدار ہے 386

❖ حضانت کے ضمن میں اصحابِ حقوق کی ترتیب 387

❖ حضانت کی شروط 389

❖ حضانت کی اجرت 392

❖ تبرعاً (فی سبیل اللہ، بغیر کوئی معاوضہ لیے) حضانت کی پیشکش 394

❖ حضانت کب تک ہو؟ 394

❖ حضانت ختم ہونے پر بچے یا بچی کو اختیار دینا کہ وہ والدین میں سے جس کے پاس چاہیں رہنا پسند کرلیں 395

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرض ناشر

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ السلام علیٰ رسولہ الأمین،

أما بعد:

خاندانی نظام کے سلسلے میں جو اصول شریعتِ اسلامیہ نے متعارف کرائے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر ایک کامیاب زندگی گزاری جا سکتی ہے کیونکہ ان کی اساس حقوق کی ادائیگی اور احساسِ ذمہ داری ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں سے متعلق پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل وعیال کا نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے اور وہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہے۔ خادم اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں سے متعلق پوچھا جائے گا۔''①

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ﴾ (التحریم: ٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچا لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

دینِ اسلام میں اس نظام کو مربوط و مضبوط نکاح کے ذریعے سے کیا گیا ہے، چنانچہ

① صحیح البخاری: ٥١٨٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ))① ''آپس میں محبت رکھنے والوں کے لیے نکاح جیسی (بہتر) کوئی چیز نہیں دیکھی۔'' اور نکاح کی ترغیب میں فرمایا: ''نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کرنے کی طاقت رکھے اسے نکاح کر لینا چاہیے، کیونکہ اس (نکاح) سے نظر نیچی رہتی ہے اور شرم گاہ (گناہ سے) محفوظ رہتی ہے......''②

زیر نظر تالیف ''کتاب الزواج'' خاندانی نظام سے متعلق بہترین معلومات اور اسلامی تعلیمات کا انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں نکاح کی اہمیت وفضیلت، تعددِ ازواج کی حکمت، حسنِ معاشرت اور ازدواجی زندگی کے مسائل سمیت طلاق کے اہم مباحث بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب الشیخ سید محمد سابق کی مشہور معروف تصنیف ''فقہ السنہ'' سے ماخوذ ہے اور اپنی افادیت کے پیش نظر کئی دینی مدارس کے ساتھ ساتھ وفاق المدارس السّلفیہ کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ اب ہم اس اہم کتاب کو طلبا کی آسانی اور اردو خواں طبقہ کے لیے شائع کر رہے ہیں، چنانچہ ادارہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن حفظہ اللہ کا شکر گزار ہے جنہوں نے بڑی محنت سے اسے اردو قالب میں ڈھالا۔ ادارے کے رفیق قاری عمر فاروق راشد صاحب نے اسے بڑی باریک بینی سے پڑھا اور تصحیح و تنقیح کی، ابو احمد عمر دراز صاحب نے مختصر مگر جامع تخریج کی، نیز علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے ہر روایت پر صحت وسقم کے اعتبار سے حکم بھی لگائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں استاذ محترم حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ کا ذکر نہ کروں جنہوں نے نظر ثانی کی درخواست کو بڑی محبت سے قبول کیا۔

کمپوزنگ محمد ذیشان مشتاق صاحب نے بڑی محنت سے کی ہے، جبکہ خوبصورت ٹائٹل عبدالواسع صاحب نے کمال مہارت سے بنایا ہے۔ جزاھم اللّٰہ خیراً

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب نہ صرف طلبا کے لیے مفید ہوگی بلکہ اساتذہ کے لیے بھی رہنما ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

محمد سرور عاصم

مدیر مکتبہ اسلامیہ

لاہور، فیصل آباد

① صحیح البخاری: ۱۹۰۵؛ صحیح مسلم: ۱۴۰۰۔ ② صحیح، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازدواجی زندگی کے مسائل

شادی اللہ تعالیٰ کا خلقی اور تکوینی ضابطہ ہے اور یہ ایسا کلی ضابطہ ہے جو عالمِ انسان، عالمِ حیوان اور عالمِ نبات سب پر لاگو ہوتا ہے، قرآن میں ہے:

﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ (الذاریات:۴۹)

''اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کیے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (یٰسٓ: ۳۶)

''پاک ہے وہ جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے ان چیزوں سے جنھیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جنھیں وہ نہیں جانتے۔''

یہ وہ طریقہ و اسلوب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے توالد (یعنی نسل چلنے) تکاثر (یعنی کثرتِ تعداد) اور زندگی کے تسلسل کی غرض سے جاری فرمایا اور اس کے لیے (ہر چیز کا) جوڑا تیار کیا اور ان میں مطلوبہ استعداد پیدا کی، ارشاد ہوا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:١)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''

''اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت نہ ہوئی کہ انسان دیگر عوالم کی طرح ہو اور اس کی قدرتی صلاحیتیں بلا سوچے سمجھے ہوں اور اس کے نر و مادہ کا باہمی اتصال بغیر کسی ضابطہ و نظام کے ہو، لہٰذا اس کے لیے مناسب نظام اور قواعد عطا کیے جن کا انسانی شرف کی حفاظت اور بقا میں بڑا کردار ہے، تو اس اتصال کو ایک کریمانہ شان اور رتبہ عطا کیا اور یہ دونوں کی رضامندی اور سر عام ایجاب و قبول پر مبنی ہے، جو اس رضامندی کا مظہر اور مشعر ہے، اور اس امر کی شہادت دیتا اور غمازی کرتا ہے کہ اب دونوں ایک ہو گئے ہیں، تو یوں جنسی تسکین کے لیے ایک مامون و محفوظ راستہ دیا اور نسلِ انسانی کو ضیاع اور عورت کو عام چراگاہ ہونے سے بچایا اور اس طرح ایک خاندان کی بنیاد رکھی، جسے ماں کی ممتا اور باپ کی پدرانہ شفقت میسر ہو، جس کے نتیجہ میں اس کی نشوونما ہو اور وہ ثمر آور بنے تو یہ وہ عائلی نظام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پسند کیا اور دین کے ذریعے ہماری رہنمائی کی اور اس کے ماسوا کو ہدم کر دیا۔

زمانۂ جاہلیت کے وہ نکاح جن کا اسلام نے ابطال کر دیا

① نکاحِ خِدن: عربوں کا جاہلیت میں اعتقاد تھا کہ جو (باہمی جنسی تعلق) چھپا رہے اس میں حرج نہیں، لیکن جو ظاہر ہوا وہ قابلِ مذمت ہے، اسی کا قرآن کی اس آیت میں ذکر ہوا: ﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ (النساء:٢٥) ''اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے والی ہوں۔''

② نکاحِ بدل: وہ یہ کہ آدمی کسی اور سے کہے: تم اپنی بیوی سے مجھے مستفید ہونے دو اور میں تمھیں اپنی بیوی سے مستفید ہونے کا موقع دیتا ہوں، اسے دارقطنی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سخت ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں جاہلیت کے چار قسم کے نکاحوں کا ذکر ہے۔[1] ان میں اسے ایک جو اسلام نے جاری رکھا کہ آدمی کسی آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی نگہداشت میں پلنے والی کسی خاتون سے شادی کرنے کے لیے پیغامِ نکاح دے اور وہ اگر مان لے تو اس کا نکاح کرادے، دوم کہ آدمی اپنی بیوی سے کہتا: تم اپنی حالتِ طہر میں (مجھ سے ملاپ سے قبل) فلاں سے ہمبستری کرلو اور اس سے حمل ظاہر ہونے تک وہ اس کے قریب نہ جاتا، یہ وہ اولاد کی نجابت کی غرض سے کرتا، اسے وہ نکاحِ استبضاع کا نام دیتے تھے، تیسرا طریقہ یہ تھا کہ دس سے کم افراد ایک عورت سے جماع کرتے، اگر وہ حاملہ ہو جاتی اور پھر بچہ جنتی، تو کچھ دن گزرنے پر وہ ان سب کو جمع کرتی، کوئی آنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا، پھر کسی ایک کو کہہ دیتی کہ یہ تیرے نطفہ سے ہے، تو جو چاہو اس کا نام رکھو، تو یوں اسے اس کے خاندان سے ملحق کر دیا جاتا اور وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا، چوتھا طریقہ طوائفوں کا تھا جو اپنے دروازوں پر (علامتی) جھنڈے گاڑے رکھتیں، اوباش ان کے پاس جاتے، حمل ہونے اور پھر وضعِ حمل کے بعد لوگ اس کے ہاں جمع ہوتے اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا، جو اپنی قیافہ شناسی کی صلاحیت استعمال کر کے اس نومولود کا کسی کے ساتھ الحاق کرتے اور وہ اس کا بیٹا یا بیٹی پکارا جاتا اور اس کے ساتھ اس کا نسب ثابت ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سوائے (حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں مذکور) اول کے یہ سب طریقے ختم کر دیے گئے اور اس کے لیے (ایجاب و قبول اور گواہوں کی موجودگی پر مشتمل) ایک نظام وضع کیا، جسے اگر شریعت کے اصول کے مطابق بروئے کار لایا جائے تو ازدواجی حقوق اور فرائض ایک دوسرے پر عائد ہوں گے۔

شادی کرنے کی ترغیب

اسلام نے شادی کرنے اور کرانے کی کئی طریقوں سے ترغیب دلائی، کبھی یہ

---

[1] صحيح البخاري: ٥١٢٧۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر کر کے کہ یہ انبیاء کا شیوہ وسنت ہے اور وہ بنی نوعِ انسان کے چونکہ رہنما ہیں، لہٰذا لوگوں کو اس میں بھی ان کی پیروی کرنی چاہیے، قرآن نے کہا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً﴾

''ہم نے آپ سے قبل بھی رسول بھیجے اور ان کی بیویاں اور اولادیں بھی تھیں (یعنی سب بشر تھے۔)'' (الرعد: ۳۸)

ترمذی کی سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں مرسلین کی سنت ہیں: حناء (یعنی مہندی لگانا، بعض رواۃ نے حیاء نقل کیا) خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور شادی کرنا۔''①

کبھی معرضِ امتنان میں (یعنی اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے) اس کا ذکر کیا، فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (النحل: ۷۲)

''اور اللہ نے تمہارے لیے خود تم میں سے بیویاں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔''

کبھی اُسے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (الروم: ۲۱)

انسان کبھی یہ سوچ کر شادی سے بھاگتا ہے کہ یوں اس پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوں گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اخراجات پورے نہ کر سکے، تو اسلام نے اس کا حوصلہ

---

① سنن ترمذی: ۱۰۸۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مذکور ہے کہ یہ سیدنا ابوبکر، علی اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم تھے) ان میں سے ایک نے عہد کیا کہ میں ہمیشہ قیامِ شب کروں گا، دوسرے نے کہا: میں روزانہ روزہ رکھا کروں گا، تیسرے نے کہا: میں کبھی بیوی سے قربت نہ کروں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس معاملے کی آگاہی پر ان کو طلب کیا اور فرمایا: ''آپ حضرات نے یہ یہ باتیں کہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کی خشیت وتقویٰ کا حامل ہوں، مگر اس کے باوصف میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور کئی کئی دن نہیں بھی رکھتا اور قیامِ شب کرتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، خواتین سے شادیاں بھی کی ہیں، تو جس نے میرے طریقہ وسنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔''① نیک بیوی کا وجود ایک فیضانِ سعادت ہے۔ جو گھر کی فضا کو مسرت ومحبت سے بھر دیتا ہے، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے تقویٰ کے بعد مومن کی بہترین متاع نیک بیوی ہے، جو شوہر کی طاعت گزار ہو، اسے خوشیاں دینے والی اور مشکلات کی ساتھی ہو اور اس کی غیر موجودگی میں (بھی) گھر بار کی حفاظت کرتی ہو۔''② اسے ابن ماجہ نے نقل کیا، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کی خوش بختی تین امور اور بدبختی بھی تین امور ہیں، خوش بختی کے امور: نیک بیوی، مناسب گھر اور مناسب سواری ہے جبکہ بدبختی کے امور: بری بیوی، برا گھر اور بری سواری ہے۔''③ اسے احمد نے بسند صحیح نقل کیا، اسی طرح طبرانی، بزار اور حاکم نے بھی اور صحیح قرار دیا، اس کی تفسیر حاکم کی نقل کردہ ایک روایت میں یہ بیان ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سعادت تین اشیاء میں ہے، نیک بیوی کہ اگر اسے دیکھو تو خوشی دے، گھر سے غائب ہو تو اپنی عصمت اور تمہارے مال کی حفاظت کرے اور دوسری چیز مطیع اور تیز رفتار سواری جو تجھے ساتھیوں سے ملائے رکھے اور تیسری چیز گھر جو کھلا اور کثیر ساز وسامان والا ہو، جبکہ تین بدبختی والی اشیاء: بری بیوی کہ جب اسے دیکھو تو طبیعت کو خوشی نہ ملے، جو زبان چلاتی ہو، گھر سے غائب ہو

---

① صحيح البخاري: ٥٠٦٣؛ صحيح مسلم: ١٤٠١۔
② ضعیف، ابن ماجه: ١٨٥٧۔ ③ صحیح، مسند أحمد: ١/ ١٦٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اپنی عصمت اور تمہارے مال کی حفاظت نہ کرتی ہو اور سواری کا سست جانور کہ اگر مار مار کر اسے بھگاتے ہو تو تھک جاؤ اور اگر ایسا نہ کرو تو پیچھے رہ جاؤ اور تنگ وتاریک گھر۔'' ①

شادی کرنا ایک عبادت ہے، جس کے ساتھ انسان اپنا نصف دین مکمل کرتا ہے اور اللہ سے پاکیزگی کے لحاظ سے احسن حال میں ملتا ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جسے اللہ نے نیک بیوی عطا کی ہو تو اس کے آدھے دین پر اسے اللہ کی طرف سے مدد مل گئی، تو باقی آدھے کو وہ تقوی اختیار کر کے مکمل کر لے۔'' ② اسے طبرانی اور حاکم نے نقل کیا اور کہا: صحیح الاسناد ہے، انہی سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چاہتا ہے کہ اللہ سے پاک صاف ملے، وہ حرائر (آزاد خواتین یعنی جو لونڈیاں نہیں) سے شادی کرے۔'' ③ اسے ابن ماجہ نے نقل کیا اور اس میں ضعف ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اگر میری عمر کے دس دن باقی ہوں اور مجھے اس کا علم بھی ہو اور مجھ میں شادی کرنے کی استعداد ہے، تو بھی میں فتنے میں پڑ جانے کے ڈر سے شادی کروں گا، اسے ہیثمی نے کتاب النکاح میں نقل کیا اور لکھا: اسے طبرانی نے نقل کیا اور اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ مسعودی ہے، جو ثقہ ہے، لیکن حافظہ خراب ہو گیا تھا، بقیہ راوی صحیح کے رجال ہیں۔

شادی کی حکمت

اسلام نے شادی کرنے کی ترغیب اس وجہ سے دلائی کہ اس کے نافع اثرات ہیں، جو فرد اور معاشرہ دونوں سے متعلق ہیں اور بنی نوعِ انسان کے لیے بالعموم مفید ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جنسی شہوت پیدا کی ہے، جو نہایت قوی اور ناقابلِ برداشت غریزہ (یعنی انسانی طبیعت کا لازمی حصہ) ہے، جو ہمیشہ پورا کیے جانے کی راہ کی طلب میں ہوتا ہے، جب ایسی راہ نہ پائے تو انسان اکثر قلق و

---

① حسن، مسند البزار: ١٤٢١؛ المستدرك للحاكم: ٢/ ١٦٢۔

② حسن، المستدرك للحاكم: ٢/ ١٦١؛ مجمع الزوائد: ٤/ ٢٧٢۔

③ ضعیف، ابن ماجہ: ١٨٦٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضطراب کا شکار بن جاتا ہے اور کسی شر اور برائی پر یہ امر منتج ہوتا ہے تو اس کا بہترین اور فطری حل شادی کا بندھن ہے، تاکہ اس غریزہ کی تسکین ہو، تو انسانی بدن پرسکون اور کشمکش سے محفوظ رہے اور حرام طریقے سے جنسی تسکین حاصل کرنے سے بچاؤ ہے اور حلال پر مطمئن اور قانع ہو، اسی طرف اس آیتِ کریمہ نے توجہ مبذول کرائی:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْہَا﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمھی سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کی طرف (جاکر) آرام پاؤ۔'' (الروم:۲۱)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی اور اوجھل ہوتی ہے، جب تمہارا کوئی کسی (اجنبی) عورت میں ایسی بات دیکھے، جس سے اس کی شہوت بڑھک اٹھے، تو فوراً اپنی بیوی کے پاس جائے، اس سے اس کا فاسد خیال دور ہو جائے گا۔''[1]

پھر شادی صاحبِ اولاد ہونے اور تکثیرِ نسل اور انساب کی محافظت کے ساتھ ساتھ حیات کے تسلسل کا بہترین وسیلہ ہے جس پر اسلام نے بہت توجہ دلائی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[2]

''یعنی محبت کرنے والیوں اور بچے جننے والیوں سے شادی کرو، میں قیامت کے روز انبیاء کے سامنے اپنی امت کی کثرت پر ناز کروں گا۔''

افرادی قوت کی تکثیر (حسبِ ضرورت) ہر دور میں ایک اہم معاملہ رہا ہے اور ابھی تک یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے، ایک قدیم قول ہے: إِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْكَاثِرِ ''عزت تو کثیر افرادی قوت والوں کے لیے ہے۔'' احنف بن قیس رحمہ اللہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس وقت ان کا بیٹا یزید ان کے سامنے موجود تھا اور وہ بڑی دلچسپی اور شوق سے اس کی

---

[1] صحیح مسلم: ۱۴۰۳؛ سنن أبی داود: ۲۱۵۱؛ سنن ترمذی: ۱۱۵۸۔

[2] صحیح، سنن أبی داود: ۲۰۵۰؛ سنن نسائی: ۶/۵۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرکات ملاحظہ کر رہے تھے، تو ان سے مخاطب ہوئے اور کہا: اے ابو بحر! اولاد کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ کہا: اے امیر المومنین! وہ ہماری ریڑھ کی ہڈی، ہمارے دلوں کا ثمر اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، انہی کے ساتھ ہم اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور وہ ہمارے جانشین ہیں تو ان کے ساتھ والدین کا برتاؤ یہ ہونا چاہیے کہ ان کے لیے ہموار زمین اور سایہ کرنے والا آسمان ہوں، اگر مانگیں تو عطا کریں، اگر رضا کے طالب ہوں تو رضا عطا کریں، ان سے اپنی مہربانیاں ختم نہ کریں، تاکہ وہ ان کے قرب سے اکتا نہ جائیں اور ان کی موت کی تمنا اور دعا کرنے لگیں، اس پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے، اے ابو بحر! واقعی وہ ایسے ہی ہیں۔[1]

پھر ابوّت اور امومت (یعنی پدری اور مادری) غریزہ کی تسکین اور اس کا نمو و تکامل طفولیت کے سائے میں ہے، اولاد کی تربیت سے انسان کے اندر شفقت و محبت اور لطف و مہربانی کے احساسات اور جذبات کی نشوونما اور تربیت ہوتی ہے اور یہ ایسے فضائل ہیں کہ انسانیت ان کے بغیر نامکمل ہے، آدمی امورِ خانہ داری میں پڑ کر اور مسلسل اس کی جدوجہد کے لیے کوشاں ہو کر سستی اور کسلمندی سے محفوظ رہتا ہے، انہیں خوشیاں اور آسانیاں پہنچانے کی خاطر محنت کرتا ہے، جس سے اس کی ذاتی اور سماج کی بھی مالی حالت اچھی ہو جاتی ہے، جو اللہ کی راہ میں خیرات کا سبب بھی بنتی ہے اور اپنوں کے ساتھ ساتھ اوروں کا بھی اس میں بھلا ہوتا ہے۔

اس جہت سے بھی اس کی حکمت ظاہر ہے کہ شادی کے بندھن سے انسان کی زندگی منظم ہوتی ہے اور اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کو اسے کسی کا ساتھ میسر آجاتا ہے اور زندگی ایک لگے بندھے طریق سے منظم اور سہل انداز سے گزرتی ہے، اس کی بیوی اندرونِ خانہ کام کاج سنبھال کر اس کی جملہ توجہ اور سعی کو باہر کے کاموں تک محدود کراتی ہے، جس سے اسے استراحت اور سکون ملتا اور اس کی مشقت کم ہو جاتی ہے اور اس منظم محنت کا صلہ اسے ذاتی خوش بختی کے ساتھ ساتھ سماج کی خوش بختی کی صورت ملتا ہے، جس

---

[1] البداية والنهاية: ٨/ ٢٥٠؛ المجالسة وجواهر العلم: ١٠٩٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اللہ بھی خوش اور لوگ بھی خوش ہوتے ہیں، پھر ایک اور زاویے سے تامل کریں تو شادی کا بندھن گھرانوں اور خاندانوں کو باہم ملانے کا ذریعہ اور تعلقات قائم رکھنے کا ایک اہم وسیلہ ہے، اس سے سماجی تعلقات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور معاشرتی برکات کا حصول ہوتا ہے اور یوں لوگ ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے ہیں، تو ایک مربوط اور باہمی مودت والا معاشرہ ہی سعید و قوی معاشرہ ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں جسے شعب نامی میگزین نے ٦/٦/٥٩ کو شائع کیا، مذکور ہے کہ شادی شدگان غیر شادی شدہ کی نسبت طویل عمر پاتے ہیں، چاہے وہ غیر شادی شدہ بیوائیں ہوں یا رنڈوے یا مطلقہ یا کنوارے اور کنواریاں، رپورٹ میں ہے کہ تمام اطرافِ عالم میں لوگ کم عمری میں ہی شادی کرنا شروع ہو گئے ہیں اس رپورٹ کی اساس وہ سروے ہیں جو دنیا بھر میں ۱۹۵۸ء میں کیے گئے، ان نتائج کی بنا پر رپورٹ کہتی ہے کہ ہر خطے کی اوسط عمر کے لحاظ سے شادی شدگان بنسبت غیر شادی شدہ افراد سے لمبی عمر پاتے ہیں، آگے جا کر لکھا، اس طرح یہ کہا جانا ممکن ہے کہ شادی کرنا آدمی اور عورت دونوں کے لیے صحت کے لحاظ سے یکساں مفید ہے، بالخصوص ان طبی سہولیات کے تناظر میں جو آجکل میسر ہیں، وضعِ حمل کا معاملہ بالکل بھی خطرات کا حامل نہیں رہا، رپورٹ میں یہ بھی مندرج ہے کہ تمام دنیا میں سنِ زواج کی اوسط عمر عورت کی نسبت چوبیس برس اور مرد کی نسبت ستائیس برس ہے۔

شادی کی شرعی حیثیت

شادی کرنا شرعی طور پر ہر اس کے لیے واجب ہے، جو اس پر قادر ہے اور اس میں اس کی صلاحیت ہے اور جس کے شادی نہ کرنے کے سبب حرام کاری میں پڑ جانے کا خدشہ ہے، کیونکہ نفس کو حرام سے بچانا واجب ہے اور اگر یہ شادی کے بغیر نہیں ہو سکتا تو وہ واجب ہو گی، علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہر وہ شخص شادی کے ضمن میں صاحبِ استطاعت ہے، جو بوجہ کنوار پن اپنے دین اور نفس کو ضرر لاحق ہونے سے ڈرتا ہے اور جس کا یہ ڈر سوائے شادی کرنے کے رفع نہیں ہو سکتا، تو ایسوں پر وجوبِ زواج متفق علیہ مسئلہ ہے،

www.KitaboSunnat.com

اگر شادی کی جسمانی صلاحیت تو موجود ہے، مگر بیوی کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾

''جس کے پاس شادی کے اخراجات پورے کرنے کی ابھی سکت نہیں وہ گناہ کی دلدل سے بچتے رہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مال دار بنا دے۔'' (النور:۳۳)

اور یہ حضرات کثرت سے روزے رکھیں، چنانچہ جماعت نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوانو کی جماعت! جو تم میں سے طاقت رکھتا ہے، وہ ضرور شادی کرے کہ اس طرح اس کی نظر اور شرمگاہ کی حفاظت ہو گی اور جو یہ طاقت نہیں پاتا وہ روزے رکھے اور یہ اس کے لیے قاطعِ شہوت بنیں گے۔''[1]

مستحب شادی

جس شخص میں شادی کی جسمانی طاقت اور قدرت ہے، لیکن حرام کاری سے بچ سکنے پر بھی وہ قادر ہے تو اس کے لیے شادی کرنا مستحب ہے اور یہ اس کے لیے عبادت و طاعت کی خاطر کنوارا رہنے سے اولیٰ ہے، کیونکہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں، طبرانی نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بدلے ہمیں حنیفیت اور سمح (آسانیوں والا) دین عطا فرمایا ہے۔''[2] بیہقی نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شادی کرو کہ میں تمہارے ساتھ کثرتِ تعداد میں دیگر امم سے فخر کروں گا اور عیسائیوں کی طرح رہبانیت نہ اختیار کرو۔''[3] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو الزوائد سے کہا تھا: شادی کرنے سے تمہارے لیے مانع یا تو عجز ہے یا پھر فسق و فجور، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عبادت گزار کی عبادت تام نہیں ہوتی، جب تک وہ شادی نہ کرے۔

---

[1] صحيح البخاري: ٥٠٦٦؛ صحيح مسلم: ١٤٠٠۔ [2] ضعيف، كشف الخفاء: ٣١٥٤۔ [3] حسن، السنن الكبرى للبيهقي: ٧/٧٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اللہ بھی خوش اور لوگ بھی خوش ہوتے ہیں، پھر ایک اور زاویے سے تامل کریں تو شادی کا بندھن گھرانوں اور خاندانوں کو باہم ملانے کا ذریعہ اور تعلقات قائم رکھنے کا ایک اہم وسیلہ ہے، اس سے سماجی تعلقات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور معاشرتی برکات کا حصول ہوتا ہے اور یوں لوگ ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے ہیں، تو ایک مربوط اور باہمی مودت والا معاشرہ ہی سعید و قوی معاشرہ ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں جسے شعب نامی میگزین نے ۶/۶/۵۹ کو شائع کیا، مذکور ہے کہ شادی شدگان غیر شادی شدہ کی نسبت طویل عمر پاتے ہیں، چاہے وہ غیر شادی شدہ بیوائیں ہوں یا رنڈوے یا مطلقہ یا کنوارے اور کنواریاں، رپورٹ میں ہے کہ تمام اطراف عالم میں لوگ کم عمری میں ہی شادی کرنا شروع ہو گئے ہیں اس رپورٹ کی اساس وہ سروے ہیں جو دنیا بھر میں ۱۹۵۸ء میں کیے گئے، ان نتائج کی بنا پر رپورٹ کہتی ہے کہ ہر خطے کی اوسط عمر کے لحاظ سے شادی شدگان بنسبت غیر شادی شدہ افراد سے لمبی عمر پاتے ہیں، آگے جا کر لکھا، اس طرح یہ کہا جانا ممکن ہے کہ شادی کرنا آدمی اور عورت دونوں کے لیے صحت کے لحاظ سے یکساں مفید ہے، بالخصوص ان طبی سہولیات کے تناظر میں جو آجکل میسر ہیں، وضعِ حمل کا معاملہ بالکل بھی خطرات کا حامل نہیں رہا، رپورٹ میں یہ بھی مندرج ہے کہ تمام دنیا میں سنِ زواج کی اوسط عمر عورت کی نسبت چوبیس برس اور مرد کی نسبت ستائیس برس ہے۔

شادی کی شرعی حیثیت

شادی کرنا شرعی طور پر ہر اس کے لیے واجب ہے، جو اس پر قادر ہے اور اس میں اس کی صلاحیت ہے اور جس کے شادی نہ کرنے کے سبب حرام کاری میں پڑ جانے کا خدشہ ہے، کیونکہ نفس کو حرام سے بچانا واجب ہے اور اگر یہ شادی کے بغیر نہیں ہوسکتا تو وہ واجب ہوگی، علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہر وہ شخص شادی کے ضمن میں صاحب استطاعت ہے، جو بوجہ کنوارپن اپنے دین اور نفس کو ضرر لاحق ہونے سے ڈرتا ہے اور جس کا یہ ڈر سوائے شادی کرنے کے رفع نہیں ہوسکتا، تو ایسوں پر وجوبِ زواج متفق علیہ مسئلہ ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر شادی کی جسمانی صلاحیت تو موجود ہے، مگر بیوی کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾

''جس کے پاس شادی کے اخراجات پورے کرنے کی ابھی سکت نہیں وہ گناہ کی دلدل سے بچتے رہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مال دار بنا دے۔'' (النور:۳۳)

اور یہ حضرات کثرت سے روزے رکھیں، چنانچہ جماعت نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے جوانو کی جماعت! جو تم میں سے طاقت رکھتا ہے، وہ ضرور شادی کرے کہ اس طرح اس کی نظر اور شرمگاہ کی حفاظت ہو گی اور جو یہ طاقت نہیں پاتا وہ روزے رکھے اور یہ اس کے لیے قاطعِ شہوت بنیں گے۔'' ①

مستحب شادی

جس شخص میں شادی کی جسمانی طاقت اور قدرت ہے، لیکن حرام کاری سے بچ سکنے پر بھی وہ قادر ہے تو اس کے لیے شادی کرنا مستحب ہے اور یہ اس کے لیے عبادت و طاعت کی خاطر کنوارا رہنے سے اولیٰ ہے، کیونکہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں، طبرانی نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بدلے ہمیں حنیفیت اور سمح (آسانیوں والا) دین عطا فرمایا ہے۔'' ② بیہقی نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شادی کرو کہ میں تمہارے ساتھ کثرتِ تعداد میں دیگر امم سے فخر کروں گا اور عیسائیوں کی طرح رہبانیت نہ اختیار کرو۔'' ③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو الزوائد سے کہا تھا: شادی کرنے سے تمہارے لیے مانع یا تو عجز ہے یا پھر فسق و فجور، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عبادت گزار کی عبادت تام نہیں ہوتی، جب تک وہ شادی نہ کرے۔

---

① صحیح البخاری: ۵۰۶۶؛ صحیح مسلم: ۱۴۰۰۔ ② ضعیف، کشف الخفاء: ۳۱۵۴۔ ③ حسن، السنن الکبری للبیہقی: ۷/۷۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرام شادی

یہ اس کے حق میں جو نامرد ہے، مگر اسے چھپالیا اور شادی کر لی اور قریب بھی ہوا مگر جماع کرنے سے عاجز رہا، اسی طرح جو شخص نان و نفقہ کا بوجھ اٹھانے پر قادر نہیں (مگر جھوٹ بول کر شادی کر لی) علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کسی کے لیے حلال نہیں کہ جسمانی یا مالی طور پر قادر نہ ہوتے ہوئے بھی شادی کرے، ہاں اگر صراحت سے یہ بات ذکر کر دے اور عورت اس کے باوجود اس کے ساتھ شادی پر تیار ہو جائے، تب جائز ہے، یہی بات دیگر اوصاف کی بابت ہے تو ذات برادری وغیرہ کے باب میں بھی جھوٹ سے کام نہیں لینا چاہیے، عورتوں پر بھی یہی واجب ہے کہ اگر شوہر کے حقوق ادا کرنے سے وہ عاجز ہیں یا کوئی ایسی علت ہے، جو ان کے ساتھ استمتاع سے مانع ہے، مثلاً: جنون، برص، کوڑھ پن یا شرمگاہ میں کوئی خرابی وغیرہ تو اسے بیان کیے بغیر شادی کرنا روا نہیں اور اگر بغیر بیان کیے دھوکا دہی سے شادی کر لی، تو شوہر کو حق حاصل ہے کہ نکاح رد کر دے اور وہ اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی بیاضہ کی ایک خاتون سے نکاح کیا، بعد میں واضح ہوا کہ اس کے پہلو میں برص ہے تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا: ((دَلَّسْتُمْ عَلَيَّ)) "تم نے مجھ سے غلط بیانی کی۔"[1] امام مالک رحمہ اللہ سے عنین (جو جماع سے عاجز ہے) کی بیوی میں مختلف اقوال منقول ہیں، ایک یہ ہے کہ اگر رخصتی اور قربت ہو گئی، پھر اس وجہ سے دونوں کے مابین علیحدگی عمل میں آئی، تو بیوی پورے حق مہر کی حقدار ہے، ایک قول میں کہا: نصف کی، یہ دراصل ان کے قول کہ مہر کی کس وجہ سے حقدار ہو گی؟ دخول کے ساتھ یا تسلیم کے ساتھ (یعنی اپنا آپ اس کے حوالے کر دینا (یا دوسرے الفاظ میں خلوت میں ہونا) کے باہم مختلف ہونے پر مبنی ہے، کیونکہ دونوں طرح ان سے نقل ہوا۔

[1] ضعیف، تسمیة أزواج النبي: ٦٩؛ أنساب الأشراف: ١/ ٤٥٦ اس میں جمیل نامی راوی ضعیف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکروہ شادی

یہ اس شخص کے حق میں جس کے پاس جماع اور اخراجات اٹھانے کی سکت نہیں، لیکن عورت کی نسبت کوئی ضرر واقع نہ ہو، بایں طور کہ وہ بذات خود مالدار ہو اور جماع میں اسے کوئی خاص رغبت نہ ہو (یعنی خود ہی ساتھ رہنے پر راضی ہے) اور اگر اس وجہ سے مرد عبادات یا علم کے ساتھ اشتغال سے منقطع ہو جائے، تب کراہت شدید ہو جاتی ہے۔

مباح شادی

جب اس کے دواعی اور اسباب فراہم اور موانع نہ ہوں۔

شادی پر قادر کے لیے تبتّل (یعنی کنوارپن) سے نہی:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کنوارپن کی مشقت کی شکایت کرتے ہوئے کہا، کیا میں خصی نہ ہو جاؤں (تاکہ حرام کاری سے محفوظ رہوں) فرمایا: ''جس نے خصی کیا یا جو خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں۔''[1] اسے طبرانی نے نقل کیا، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے کنوارا رہنے کی خواہش کو رد فرمایا اور اگر آپ اذن دے دیتے تو ہم سب نے خصی ہو جانا تھا۔[2] (یہ صحابہ کرام کا شوقِ عبادت تھا کہ چاہتے تھے شادی کے بکھیڑوں سے دور رہ کر جتنا ہو سکے اللہ کی عبادت کریں) اسے بخاری نے نقل کیا، مراد یہ کہ اگر آپ انہیں کنوارا رہنے کی اجازت دیتے تو ہم کنوارا رہنے میں مبالغہ کرتے حتی کہ یہ معاملہ آخر کار خصی ہو جانے پر منتج ہوتا، امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس تبتل کا سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا تھا، وہ عورتوں سے دوری اور خوشبو کے استعمال کا ترک تھا اور ہر اس شے سے جس کے ساتھ لذت حاصل کی جاتی ہے۔ انہی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۴۔ (اس میں معلّٰی بن ہلال ہے جو متروک ہے)

[2] صحیح البخاری: ۵۰۷۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں، انہیں تم حرام مت کرو۔'' (المائدة: ۸۷)

شادی کی حج پر تقدیم

اگر انسان شادی کرنے کا محتاج ہے اور اس کے ترک سے حرام کاری میں پڑ جانے کا ڈر ہے، تو اسے وہ واجب حج کی ادائیگی پر مقدم کرے، ہاں اگر ایسا خوف نہیں تب (چاہے تو) پہلے حج کر لے، اسی طرح دیگر سب فروضِ کفایہ مثلاً تحصیلِ علم اور جہاد تو انہیں بھی شادی پر مقدم رکھا جائے، اگر حرام کاری کا خطرہ نہیں۔

شادی کرنے سے اعراض اور اس کا سبب

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوا کہ شادی کرنا ایسی ضرورت ہے جس سے مفر نہیں، اور اس سے مانع یا تو عجز ہے یا پھر فسق و فجور کی زندگی گزارنے کا خوگر ہونا، جیسا کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ نے کہا تھا اور یہ کہ رہبانیت کے تصور کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور شادی نہ کرنے سے انسان کثیر منافع اور مزایا سے محروم ہوسکتا ہے اور شادی کا بندھن ایسا مبارک عمل ہے، جو امتِ مسلمہ کے تحرّک، نشاط اور تیسیرِ وسائل کا باعث بنتا ہے اور برابری کی سطح پر اس کے ساتھ مرد و عورت کو سعادت حاصل ہوتی ہے، لیکن کثیر گھرانے اسلام کی تعلیمات سے دوری اختیار کیے ہوئے ہیں، چنانچہ ان کے ہاں عالمِ انسانیت کی سعادت اور خوش بختی کے اس معاملے میں اور اس کے حصول کی راہ میں مشکلات کھڑی کی گئی ہیں اور اسے ایسا کٹھن اور مشکل بنا دیا ہے کہ کثیر مرد و خواتین کو مجبوراً کنوارگی کے دکھ سہنے پڑتے ہیں، جس کی وجہ سے معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہے، بالخصوص شہری زندگی میں جہاں کے لوگ الا ماشاء اللہ بے جا نمود و نمائش کے عادی ہو چکے، دیہات میں شادی بیاہ ابھی اتنا مشکل امر نہیں، اس کا بڑا سبب حقِ مہر زیادہ ہونا اور کثرتِ اخراجات اور پھر لڑکے والوں کی طرف سے بھاری جہیز کا تقاضہ ہے، پھر دوسری جانب عورتوں کا ضرورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زائد آرائش و زیبائش کا خوگر ہونے نے بے شمار نوجوانوں کو از حد محتاط بنادیا ہے اور وہ شریکہِ حیات کے اختیار میں سخت تحفظات کا شکار بن چکے ہیں، کیونکہ ان کی نظر میں ایسی خواتین گھریلو ذمہ داری سنبھالنے کی صلاحیتوں سے تہی دامن ہیں اور یہ مظہر شادی کرنے سے ان کے احتراز کا سبب بنا ہوا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی سادگی اور سہولت پسندی کو اختیار کیا جائے اور اس ضمن میں اس کی تعلیمات کو مدِ نظر رکھا جائے۔

کس طرح کی خاتون سے شادی کی جائے

بیوی شوہر کی کھیتی، اس کے گھر کو سنبھالنے والی، اس کی شریکِ حیات، اس کی اولاد کی ماں، اس کے دل کا چین اور اس کے رازوں کی امین ہے اور یہ خاندان کی سب سے اہم رکن ہے، کیونکہ اولاد زیادہ تر اسی کے ہاتھوں تربیت کے مراحل طے کرتی ہے، لہٰذا بچوں کے بگڑنے اور سنورنے میں اس کا سب سے اہم کردار ہے، اسی کی گود میں ان کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور ان کے قدرتی جذبے نمو پاتے ہیں، تو ان سب چیزوں کے مدنظر اسلام نے نیک محبت اور کرنے والی بیوی کو بہت اہمیت دی اور اسے بہترین متاع قرار دیا ہے اور صالحیت سے اس کی مراد دین کی محافظت، بہترین عادات سے آراستہ ہونا، شوہر کے حقوق کی مراعات اور اولاد پر شفقت و محبت ہے، اس کے ماسوا امور دنیا کے مظاہر ہیں، جن کا کوئی اخروی اور دنیوی فائدہ نہیں، لہٰذا اسلام نے ان سے دور رہنے کی تلقین کی اور اسے خیر، فضل اور صلاح کے معانی سے مجرد قرار دیا ہے، اکثر لوگ مال و متاع کی طمع لگالیتے ہیں یا پھر چاند سی دلہن کی طلب و جستجو میں پڑ جاتے ہیں یا اعلیٰ خاندان ڈھونڈتے ہیں اور وہ ذاتی عمدہ اوصاف اور حسنِ تربیت کو خاص اہمیت نہیں دیتے جس کی پاداش میں شادی کا ثمرہ کڑوا اور اس کے نتائج نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اسی کے مدنظر اس طرح کی شادی سے تحذیر فرمائی، ایک روایت میں فرمایا: ((إِيَّاكُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ)) قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا خَضْرَاءُ الدِّمَنِ؟ قَالَ ((اَلْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ فِيْ مَنْبَتِ السُّوْءِ)) ''خضراء الدمن (کوڑے کے سبزے) سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچو۔" کہا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ فرمایا: "بری تربیت والی حسینہ۔"① آپ نے ایک حدیث میں فرمایا: "عورتوں سے (فقط) ان کی خوبصورتی کی وجہ سے شادی نہ کرو کہ عین ممکن ہے ان کا حسن انہیں تباہ کر دے اور نہ محض مالداری کی وجہ سے کہ قریب ہے ان کی مالداری انہیں سرکش بنا دے، لیکن دین کو مدِ نظر رکھو، کان اور ناک کٹی لیکن دیندار لونڈی بھی مل جائے تو ایسیوں سے وہ افضل ہے۔"② ایک حدیث میں آپ نے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ جو شادی کے اصل مقصود سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کسی مالی منفعت وغیرہ کو پیشِ نظر رکھ کر ایسا کرے، تو اس کے ساتھ اس کے مقصود کے برعکس معاملہ ہوگا، فرمایا: "جس نے کسی عورت سے اس کے مال کے باعث شادی کی، اللہ اس کے فقر میں اضافہ ہی کرے گا اور جس نے حسب ونسب کو (دین پر) ترجیح دی، اسے ذلت و پستی نصیب ہوگی اور جس نے نیک مقاصد کو پیشِ نظر رکھا کہ نظر اور شرمگاہ کی حفاظت ہو یا صلہ رحمی کرنے کے لیے تو اللہ دونوں کو ایک دوسرے کے لیے باعثِ برکت بنائے گا۔"③ اسے ابن حبان نے الضعفاء میں ذکر کیا۔④ اس تحذیر کا مقصد یہ تھا کہ شادی کا اولین اور اصل مقصد یہ مذکورہ امور نہیں ہونے چاہئیں جو دنیوی اہداف اور غایات ہیں کہ اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اور نہ اس کی شان اور ساکھ میں اضافہ ہوگا، بلکہ واجب یہ ہے کہ دینداری کو ترجیح دے، کیونکہ دین عقل اور ضمیر کے لیے ہدایت ہے، اس کے بعد باقی صفات دیکھے، جن میں انسان طبعی طور پر راغب ہوتا ہے اور اس کا نفس اس کی طرف مائل ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "چار امور کو (عموماً شادی کرنے میں) مدِ نظر رکھا جاتا ہے: ① مالداری ② حسب ونسب ③ خوبصورتی ④ دینداری، پس دینداری کو سر فہرست رکھنا اصل ظفر مندی ہے، وگرنہ ذلت و رسوائی ہے۔"⑤ اسے بخاری اور مسلم نے

---

① ضعیف جدا، الرامهرمزی فی الأمثال: ٨٤؛ مسند الشهاب للقضاعی: ٦٢٢) اسے دارقطنی نے افراد میں ابوسعید خدری ؓ سے نقل کیا اور کہا: واقدی اس کے ساتھ متفرد ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔
② ضعیف جداً، ابن ماجه: ١٨٥٩۔
③ موضوع، کنز العمال: ١٦/٣٥١۔
④ بقول محشی سیدنا ابن عمرو ؓ کی حدیث اس کے لیے شاہد ہے، جسے عبد بن حمید نے نقل کیا۔
⑤ صحیح البخاری: ٥٠٩٠؛ صحیح مسلم: ١٤٦٦۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تخریج کیا، ایسا نہیں کہ اسلام نے دینداری کے علاوہ باقی محاسن اور امتیازات کو اہمیت نہیں دی، البتہ زور اس امر پر دیا ہے کہ دینداری کی صفت کو سرِ فہرست رکھا جائے۔

آپ نے نیک عورت کے لیے خوبصورت، صالحہ، فرمانبردار اور امانت دار جیسے اوصاف متعین کرتے ہوئے، ایک جگہ فرمایا: ''بہترین بیوی وہ جسے دیکھو تو خوشی ہو، حکم دو تو اطاعت کرے، قسم دو تو پوری کرے اور شوہر اس سے غائب ہو تو گھر بار اور عصمت کی حفاظت کرے۔''① اسے نسائی وغیرہ نے صحیح سند سے نقل کیا، جن صفات اور محاسن کا عورت میں ہونا مناسب ہے، ان میں اس کا شریف گھرانے والی ہونا، معتدل اور متحمل مزاج ہونا اور نفسی کجرویوں سے دور ہونا، ایسی صفات کی حامل خاتون اولاد پر شفقت کرنے والی اور شوہر کے حقوق کی نگہداشت کرنے والی ہوگی، نبی کریم ﷺ نے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہن) ام ہانی کو اپنے ساتھ شادی کرنے کا پیغام دیا، مگر انہوں نے یہ عذر بیان کرتے ہوئے انکار کیا کہ وہ صاحبِ اولاد ہیں اور نہیں چاہتیں کہ آپ کی زندگی بے سکونی کا شکار ہو، آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: ''بہترین عورتیں خاندان قریش کی خواتین ہیں جو اپنی اولاد کے لیے از حد پُر شفقت ہیں اور شوہر کے حقوق کی بہت مراعات کرنے والی ہوتی ہیں۔''② ایک حدیث میں ہے، فرمایا: ''لوگ بھی سونے چاندی کی کانوں کی مانند ہیں، جو جاہلیت میں عمدہ و اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے، وہ اسلام کی فقہ و فہم پا کر مزید بہتر ہوئے۔''③

وهل ينتج الخطيَّ الا وشيجه ويغرس إلّا في منابته النّخل

''عمدہ شے اپنی ہی شاخوں پر اگتی ہے اور کھجور کے درخت اپنے اگنے کی جگہ پر ہی لگائے جاتے ہیں۔''

ایک آدمی نے ایسی خاتون کو پیغامِ نکاح دیا، جو عزت و شرف میں اس سے کہیں

---

① صحيح، المعجم الكبير للطبراني: ١٣/ ١٥٩، ح: ٣٨٦؛ صحيح الجامع: ٣٢٩٩۔
② صحيح البخاري: ٣٤٣٤؛ صحيح مسلم: ٢٥٢٧۔
③ صحيح مسلم: ٢٦٣٨؛ مسند أحمد: ٢/ ٢٩٥؛ سنن أبي داود: ٤٨٣٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھ کر تھی تو اس عورت نے شعر میں یوں جواب دیا۔

بكى الحسن الزاكى بعين غزيرة　　من الحسب المنقوص أن يجمعا معا

''بلند حسب نگاہِ خواہش پر اس لیے رو پڑا کہ کم تر حسب والے نے ان دونوں کو برابر کر دیا۔''

شادی کے مقاصد

اولاد کا حصول:

ایسی خاتون بطور بیوی ہو جو اولاد جننے کی صلاحیت کی مالک ہو، اس کا علم، اس کی جسمانی حالت اور اس کے خاندان و گھرانے کی دیگر خواتین کے احوال کو مدنظر رکھ کر ہو جائے گا، ایک شخص نے ایک بانجھ عورت کو پیغامِ نکاح دیا، تو رسول کریم ﷺ سے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں نے ایک حسین ومعزز خاندان کی خاتون کو شادی کا پیغام دیا ہے، البتہ وہ بانجھ ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اسے منع کر دیا اور فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ①

''خوب محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی سے نکاح کرو، بلاشبہ میں روزِ قیامت تمہاری کثرت کے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

ودود وہ عورت جو شوہر سے پیار کرے اور اپنی طاقت اور صلاحیتیں اسے راضی اور خوش رکھنے میں صرف کرے، انسان جبلی طور پر حسن و جمال کو پسند کرتا ہے اور اگر خوبصورت چیز اس کی دسترس سے دور ہو تو ایک قسم کی محرومی کا احساس لیے رہتا ہے اور اگر اسے حاصل کر لے، تو پرسکون ہو جاتا اور خوشی و مسرت محسوس کرتا ہے، لہٰذا اسلام نے بیوی پسند کرتے وقت حسن و جمال کی صفت کا اسقاط نہیں کیا، صحیح حدیث میں ہے۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔'' ② سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون

① صحیح، سنن أبی داود: ٢٠٥٠؛ مسند أحمد: ١٢٦١٣۔

② صحیح مسلم: ٩١؛ سنن أبی داود: ٤٠٩١؛ سنن ترمذی: ١٩٩٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو شادی کا پیغام دیا، نبی کریم ﷺ کو خبر دی تو آپ نے ہدایت دی: ''جاؤ! اسے ایک نظر دیکھ لو، کیونکہ اس طرح تمہارا تعلق مضبوط ہوگا (یعنی اگر دیکھ لینے سے وہ پسند آجاتی ہے تو)''① ایک آدمی نے ایک انصاری خاتون کو شادی کا پیغام دیا، تو نبی کریم ﷺ نے اسے نصیحت کی: ''پہلے ایک نظر ڈال لو، کیونکہ انصاری خواتین کی آنکھوں میں کچھ ہے۔''② سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ چھپ کر اس خاتون کو دیکھا، جس سے وہ شادی کے خواہاں تھے، نبی کریم ﷺ خواتین کی ڈیوٹی لگاتے کہ وہ ان خواتین کو ملیں اور اچھی طرح پرکھ لیں، جن سے آپ شادی کے خواہاں ہوئے، ایک کو ہدایت دی کہ اس کا جا کر منہ سونگھو، بغل سونگھو اور اس کی ایڑیاں دیکھنا۔③

مستحسن ہے کہ کنواری ہو، کیونکہ کنواریوں کے اتنے زیادہ چونچلے نہیں ہوتے، کیونکہ مردوں سے ان کا واسطہ نہیں پڑا ہوتا اور ان کی شوہر سے محبت بڑی مضبوط اور گہری ہوگی، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جب ایک بیوہ سے شادی کی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا: ''کنواری سے کیوں نہ کی؟ کہ وہ تم سے خوش فعلیاں کرتی اور تم اس سے۔''④ انہوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ ان کے والد فوت ہو گئے اور گھر میں ان کی کم سن بہنیں ہیں، جنہیں ایسی عورت کی ضرورت تھی، جو ان کی دیکھ بھال کر سکے نہ کہ جو انہی جیسی ہو۔ اس معاملے میں عمروں کا اور تعلیم و ثقافت اور مالی حالت کا تقریباً ایک جیسا ہونا بھی ملحوظ رکھنا مناسب ہو گا کہ اس سے تعلق قوی اور مضبوط ہوتا ہے اور یہ بقائے الفت پر معاون ثابت ہوتا ہے، سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے شادی کا پیغام دیا تھا، مگر آپ نے یہ کہہ کر ٹال دیا: ''وہ چھوٹی عمر والی ہے۔'' لیکن جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا پیغام دیا، تو آپ نے مان لیا اور ان سے شادی کر دی، تو یہ عائلی زندگی سے متعلق بعض ہدایات ہیں، جن کی طرف اسلام نے رہنمائی کی تاکہ شادی کے خواہاں افراد اسے اپنے لیے منارہِ

---

① صحیح، سنن ترمذی: ۱۰۸۷؛ سنن نسائی: ۶/۶۹، ۷۰؛ سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۵۔

② صحیح مسلم: ۱۴۲۴۔ ③ منکر، مسند أحمد: ۳/۲۳۱؛ المستدرك للحاكم: ۲/ ۱۶۶۔ ④ صحیح البخاری: ۵۰۷۹؛ صحیح مسلم: ۷۱۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہدایت بنائیں، اگر اس باب میں انہیں مدنظر رکھا جائے تو ہم اپنے گھر کو جنت بنا سکتے ہیں، جس میں ہر ایک کو خوشگوار ماحول میسر ہو اور سبھی خوش و سعید ہوں اور اولاد کو نیک اور عمدہ تربیت مل سکے اور یوں زندگی اور اچھے طریقے سے گزر سکے۔

شوہر کیسا ہو؟

سرپرست کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کے لیے دیندار، صاحب خلق، معزز اور اچھے اطوار والا نوجوان ڈھونڈے، جو حسنِ معاشرت سے متصف ہو، امام غزالی رحمہ اللہ احیاء میں رقمطراز ہیں: لڑکی کی نسبت لڑکے کے ضمن میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دین نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، تو جس نے ظالم، فاسق، بدعتی، شرابی یا دیگر کسی خرابی میں ملوث شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی، اس نے دین خطرے میں ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے متعرض ہوا، کیونکہ اس میں قطع رحمی اور سوئے اختیار ہے، ایک شخص نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: میری ایک بیٹی ہے، میں اس کے لیے کس قسم کا شوہر تلاش کروں؟ کہا: جو اللہ سے ڈرنے والا ہو، جو اگر اس سے محبت کرے تو اسے عزت دے اور اگر پسند نہ آئے تو ظلم نہ کرے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقولہ ہے: نکاح رِق (یعنی ایک نوع کی غلامی میں دینا) ہے تو ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ کہاں وہ اپنی عزیز از جان کو رکھ رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے: "جس نے اپنی معزز بیٹی کی شادی کسی فاسق سے کرا دی اس نے قطع رحمی کی۔" ① اسے ابن حبان نے الضعفاء میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اور الثقات میں بسند صحیح شعبی کی کلام کے بطور نقل کیا، بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ جو اپنے فسوق پر مصر ہو اس سے شادی نہیں کرانی چاہیے۔

خِطبہ (یعنی منگنی/ پیغامِ نکاح دینا)

خِطبہ فِعلہ کے وزن پر ہے جیسے قِعدہ اور جِلسہ، کہا جاتا ہے: خَطَبَ الْمَرْأَةَ يَخْطُبُهَا خَطْبًا وخِطْبَةً أَيْ طَلَبَ مِنْهَا الزواجَ بِالْوَسِيْلَةِ الْمَعْرُوْفَةِ

---

① موضوع، کتاب المجروحین لابن حبان: ۱/ ۲۳۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَیْنَ النَّاس (رائج طریقہ اور عرفِ عام کے مطابق شادی کے لیے پیغام نکاح دینا، ایسا کرنے والے کو خاطب، خطیب اور خطب کہیں گے۔ جبکہ عورت جسے پیغام دیا گیا، خطیبہ اور خطب کہلائے گی) خطبہ شادی کے مقدمات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے عقدِ زواج کے ساتھ باہم مل جانے سے قبل اس لیے اسے مشروع کیا، تاکہ دونوں فریق اچھی طرح ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں اور اگلا اقدام بصیرت اور رضامندی سے ہو، پیغامِ نکاح بھیجنے کے لیے دو شروط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

① خاتون ان شرعی موانع سے خالی ہو، جو فوری طور پر اس کے ساتھ شادی کرنے سے رکاوٹ ہیں۔

② اس سے قبل کسی اور نے شرعی پیغام نہ بھیج رکھا ہو (جس کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے) تو اگر کوئی شرعی موانع ہیں کہ مثلاً وہ خاتون اس کے لیے ابدی طور پر • یا عارضی طور پر کسی سبب سے حرام ہے یا اس سے قبل کسی اور نے پیغام بھیج رکھا ہے، تب اس کے لیے پیغام بھیجنا مباح نہ ہوگا۔

عدت والی خاتون کو شادی کا پیغام بھیجنا

یہ حرام ہے، چاہے یہ عدتِ وفات ہو یا عدتِ طلاق اور چاہے طلاق رجعی ہو یا بائن ہو (جس کے بعد رجوع کا حق نہیں) تو اگر وہ رجعی طلاق کی عدت میں ہے، تب اس کے لیے پیغام بھیجنا حرام ہے، کیونکہ ابھی تک وہ شوہر کے حبالۂ عقد میں ہے اور وہ جس وقت چاہے رجوع کر سکتا ہے اور اگر طلاقِ بائنہ کی وجہ سے عدت گزار رہی ہے، تب صراحت کے ساتھ پیغام دینا حرام ہے، کیونکہ حقِ زواج ابھی ختم نہیں ہوا اور عقدِ جدید کے ساتھ اس کے لیے اعادہ کا حق موجود ہے، تو اس دوران میں کسی اور کا اس طرح کے پیغام کا اقدام اس پر زیادتی ہے، علماء نے اشارۃً پیغام دینے کے بارے میں باہم اختلاف کیا، تو صحیح اس کا جواز ہے اور اگر شوہر کی وفات کی عدت میں ہے، تب صراحت کے بغیر اشارۃً اسے پیغامِ نکاح دیا جا سکتا ہے، کیونکہ وفات کے سبب ازدواجی تعلق تو اب ختم ہوا تو شوہر کا اب کوئی حق باقی نہیں رہا، البتہ بیوی کے حزن و غم کی کیفیت کے مدنظر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صراحت سے پیغام نکاح دینا حرام ہے پھر چونکہ اس کا سوگ ابھی جاری ہے اسی طرح مرحوم کے ورثاء کا پاسِ خاطر بھی مقصود ہے، البتہ اشارہ وکنایہ سے باور کرا دینا جائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۳۵)

"یعنی کوئی حرج نہیں کہ عدت کے دوران میں اشارۃً شادی کا پیام دے دو یا مثلاً اپنے دل میں یہ ٹھان لو۔"

آیت میں نساء سے مراد وہ خواتین جو اپنے شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہیں کیونکہ یہی سیاق وسباق ہے، تعریض یہ ہے کہ متکلم کوئی ایسی چیز ذکر کرے جو اس چیز پر دال ہو، مثلاً کہے، میرا شادی کا ارادہ ہے اور خواہش ہے کہ کوئی نیک بیوی مل جائے یا اس سے مخاطب ہو کر کہ امید ہے اللہ تعالیٰ تمہاری طرف کوئی خیر لانے والا ہے، عدت گزار رہی کو کوئی تحفہ دینا جائز ہے، یہ بھی تعریض کے وسائل میں سے ہے اور جائز ہے کہ تعریضاً اس مقصد کی خاطر اپنے محاسن واوصاف کا ذکر کرے، ابوجعفر محمد بن علی بن حسین (بن علی بن ابو طالب) نے یہی کیا تھا، سکینہ بنت حنظلہ سے مروی ہے کہ میں اپنے شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی تھی کہ محمد بن علی نے میرے ہاں آنے کی اجازت طلب کی اور آ کر اثنائے گفتگو کہا: تم رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے میری قرابتداری سے واقف ہو اور جو عربوں میں میرا مقام ہے، میں نے کہا: اللہ معاف کرے، اے ابوجعفر! آپ تو لوگوں کا مرجع ہیں، آپ عدت میں مجھے پیغامِ نکاح دے رہے ہیں؟ کہنے لگے: میں نے تو تمہیں فقط رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنی رشتہ داری سے آگاہ کیا ہے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب بیوہ ہوئیں اور عدت میں تھیں، تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا: "تم جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول اور اس کا پسندیدہ ہوں اور میری قوم میں میرا بلند مرتبہ و مقام ہے۔"[1] تو یہی آپ کی طرف سے تعریضاً پیغامِ نکاح تھا، اسے دارقطنی نے نقل کیا۔

[1] ضعیف، سنن الدار قطنی: ۳۴۸۸؛ علامہ مجدی بن منصور فرماتے ہیں: اس کی سند منقطع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاصہِ آراء یہ ہے کہ ہر نوع کی عدت گزارنے والی خاتون کو تصریحاً پیغامِ نکاح دینا حرام ہے، جبکہ بائنہ اور وفات کی عدت گزارنے والی کو تعریضاً پیغام دینا مباح ہے، طلاق رجعی کی عدتِ میں بھی حرام ہے، اگر عدت میں صراحت سے نکاح کا پیغام دیا لیکن عقد عدت پوری ہونے کے بعد کیا، تو اس بارے بھی اختلافِ آراء ہے، امام مالک رحمہ اللہ قائل ہیں کہ دخول کیا ہو یا نہیں ان کی علیحدگی کرادی جائے! امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے میں عقد صحیح ہے اگرچہ وہ صریح نہی کا مرتکب ہوا، اس امر پر سب متفق ہیں کہ اثنائے عدت اگر عقد کیا اور دخول بھی کرلیا۔ تو علیحدگی کرادی جائے، کیا بعد ازاں وہ اس کے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟ امام مالک، لیث اور اوزاعی رحمہم اللہ نے کہا: وہ اب اس کے لیے حلال نہیں، مگر جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہونے کے بعد وہ جب چاہے اس سے پھر نکاح کر سکتا ہے۔

پیغام کے اوپر پیغام

حرام ہے کہ کوئی کسی کے دیے پیغام پر اپنا پیغام (بھی) بھیج دے، کیونکہ اس میں اول کی حق کی تلفی اور اس کے ساتھ زیادتی ہے اور اس سے امن عامہ خراب ہوسکتا اور دشمنی کا بیج نمو پاسکتا ہے، سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن مومن کا بھائی ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ اس کے سودے پر اپنا سودا طے کرے اور نہ یہ کہ اس کے بھیجے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغام بھیج دے حتی کہ وہ خود چھوڑ دے۔''[1] اسے احمد اور مسلم نے نقل کیا، محلِ تحریم تب اگر مخطوبہ نے صراحت کے ساتھ اس پیغام کو قبول کرلیا تھا اور اس کے ولیِ امر نے بھی اذن دے دی تھی، اس طور پر کہ اس کی اذن معتبر ہو، ہاں اگر صراحت سے وہ پیغام رد کردیا گیا، یا خاتون کی طرف سے اشارتاً ہاں ہوئی کہ مثلاً کہا: تم سے بے رغبتی نہیں کی جاسکتی، تب پیغام دینا جائز ہے، اس صورت میں بھی جواز ہے کہ اگر اسے کسی اور کے خطبہ کا علم نہ تھا یا وہ نامنظور کردیا گیا

[1] صحیح مسلم: ١٤١٤؛ مسند أحمد: ٢/ ٣١١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو یا اول خاطب نے اسے پیغام بھیجنے کی اجازت دی ہو، امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے حدیث کے معنی میں نقل کیا کہ یہ تحریم اس صورت میں ہوگی کہ اگر کسی نے کسی خاتون کو شادی کا پیغام دیا اور اس نے قبول کر لیا ہو اور اس کے ساتھ شادی پر تیار ہو، تو اب کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ اسے اپنے ساتھ شادی کا پیغام دے، لیکن اگر وہ اس کی رضامندی اور میلان سے واقف نہ تھا تب حرج نہیں، اگر کسی نے رضا کے بعد پیغام دیا اور اپنی طرف مائل کر کے شادی کر لی، تو وہ گناہگار تو ہوا گا مگر عقد صحیح ہے، کیونکہ یہ نہی صحتِ نکاح میں شرط نہیں اور اس صورت میں غیر صحیح طریقے پر واقع منگنی کے سبب منعقد نکاح فسخ نہ ہوگا، البتہ امام داود (ظاہری رحمہ اللہ) کی رائے میں ایسا نکاح فسخ کرنا ہوگا، چاہے دخول بھی ہو چکا ہو۔

مخطوبہ کو دیکھنا

یہ جائز ہے، کیونکہ اس سے ان کی آئندہ زندگی پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ نکاح کے بعد وہ اسے پسند نہ آئے، جس کی وجہ سے وہ تلخی کا شکار بنے، لہٰذا بہتر ہے کہ باقاعدہ بات پکی کرنے سے قبل ایک نظر اس پر ڈال لے اور ملاقات کر لے، یہی دانائی کا تقاضہ ہے، عاقل کبھی کسی مسئلہ میں نہیں پڑتا، جب تک وہ اس کے خیر و شر کو جان نہ لے، اعمش رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہر شادی جو بغیر دیکھے بھالے منعقد ہو اس کا انجام غم اور پریشانی ہے، لہٰذا شارع نے یہ نظر ڈالنا مشروع قرار دیا اور اس کی رغبت دلائی ہے، چنانچہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی خاتون کو پیغامِ نکاح دینا چاہے، تو اگر ہو سکے تو اس پر نظر ڈال لے، تاکہ اس کے ساتھ شادی کرنے کا داعیہ اور تحریک پیدا ہو۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں بنی سلمہ کی ایک خاتون سے شادی کا خواہاں تھا، تو چھپ کر اسے دیکھتا رہا، حتی کہ دل اس کے ساتھ شادی پر مطمئن ہوا۔[1] اسے ابوداود نے نقل کیا، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی

---

[1] حسن، سنن أبی داود: ۲۰۸۲؛ مسند أحمد: ۳/ ۳۶۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انہوں نے ایک خاتون کو شادی کا پیغام دیا، تو نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا: ''کیا اسے دیکھ لیا ہے؟'' عرض کی: نہیں، فرمایا: ''ایک نظر ڈال لو، اس سے تعلق مضبوط اور دائمی ہوگا۔''① اسے نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے حسن قرار دے کر بیان کیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے انصار کی ایک خاتون کو نکاح کا پیغام دیا، تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''کیا اس سے ملے ہو؟'' کہا: نہیں، فرمایا: ''جاؤ ایک نظر ڈالو، کیونکہ انصاری خواتین کی آنکھوں میں (کبھی) کوئی عیب ہوتا ہے۔''② (بعض نے کہا: اس سے مراد ان کی آنکھوں کا چھوٹا ہونا یا چندھا پن تھا)۔

کن اعضاء پر نظر ڈالے؟

جمہور علماء کی رائے میں صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھنے کی اجازت ہے، کیونکہ چہرے سے اس کے جمال کا اندازہ ہو جاتا ہے اور کفیں دیکھ کر بدن کی فربہی اور دل کشی یا اس کے عدم کا پتہ چل جائے گا، بقول امام داود رحمہ اللہ سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے، امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: گوشت کی جگہوں پر نظر ڈالے، احادیث نے محلِ نظر کی تعیین نہیں کی بلکہ مطلقاً نظر ڈال لینے کا کہا، بہر حال اصل مطلب مقصود کا حصول ہے کہ پتہ چل جائے وہ کس قدر حسین ہے اور آیا کوئی ظاہری نقص تو نہیں اور اس کی جسمانی عمومی صحت کا اندازہ ہو، اس کی دلیل عبد الرزاق اور سعید بن منصور کی نقل کردہ روایت کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے اپنے ساتھ شادی کا پیغام دیا، انہوں نے کہا: وہ ابھی کم سن ہے، لیکن میں اسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اگر وہ راضی ہوگئی تو مجھے اعتراض نہ ہوگا، وہ آئی تو سیدنا عمر نے اس کی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا کر دیکھا (تاکہ ان کی جسمانی صحت کا اندازہ کریں) وہ بولی: اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے، تو میں آپ کی آنکھیں پھوڑ دیتی۔③ اگر دیکھنے کے بعد کسی کو خاتون پسند نہ آئے، تو چپ رہے اور کچھ نہ کہے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو، کیونکہ ممکن ہے جو اسے پسند نہ آئے وہ کسی اور کو بھلی لگے۔

① صحیح، سنن ترمذی: ۱۰۸۷۔ ② صحیح مسلم: ۱۴۲۴؛ مسند أحمد: ۲/ ۲۹۹۔
③ ضعیف، مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۶۳؛ رقم: ۱۰۳۵۲؛ سلسلة الاحادیث الضعیفة: ۱/ ۱۵۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاتون کا مرد کو دیکھنا

شرع نے نظر ڈالنے کا حکم صرف مردوں تک محدود نہیں رکھا، بلکہ خواتین کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ شادی کے خواہاں حضرات کو دیکھ لیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنی (خوبصورت) بیٹیوں کو قبیح الشکل مردوں سے نہ بیاہو، کیونکہ ان کے ہاں بھی وہ جمالیاتی حس ہے، جو مردوں کے پاس ہے۔

خوب سیرتی معلوم کرنا

سابقہ بحث ظاہری حسن و جمال کے بارے میں تھی، جہاں تک خوب سیرتی کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اڑوس پڑوس والوں کی باتوں اور پوچھ پاچھ سے اور اہلِ خانہ کے پاس متعدد دفعہ آنے جانے سے ہوسکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ایک خاتون کی طرف جس سے آپ شادی کرنا چاہتے تھے بھیجا تھا اور انہیں ہدایت دی کہ اس کی ایڑیوں پر نظر ڈالیں اور گردن کے کناروں کو سونگھیں، ایک طریق میں عوارض کو سونگھنے کا ذکر ہے (عارض کی جمع، دانتوں کو کہتے ہیں، مراد منہ کی بو کا اندازہ کرنا) اسے احمد، حاکم، طبرانی اور بیہقی نے نقل کیا، امام غزالی رحمہ اللہ احیاء میں لکھتے ہیں: عورت (جس سے شادی کی خواہش ہو) کے اخلاق و جمال بارے اسی سے پوچھا جائے جو صادق اور بصیر اور اس کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہو، اس کی خاص سہیلی بھی نہ ہو، تا کہ مبالغہ نہ کرے اور نہ اس کی کوئی حاسد ہو جو کذب بیانی سے کام لے، کیونکہ عموماً شادی بیاہ کے معاملات میں افراط و تفریط ہوجاتی ہے، کم ہی ہیں جو اعتدال اور صدق سے کام لیں، دھوکا دہی اور مبالغہ آمیزی اغلب ہے۔

مخطوبہ سے یہ ملاقات خلوت میں نہ ہو

خلوت میں ملنا حرام ہے، کیونکہ ابھی وہ اس کے عقد میں نہیں آئی، لہٰذا یہ اس کے لیے حرام ہے، کیونکہ خلوت میں ملنا خطرے سے خالی نہیں ہوسکتا، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ ہو کہ ایسا اگر کیا، تو ان کا تیسرا شیطان ہوگا (جو بہکا سکتا ہے)''[1]

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسی خاتون کے ساتھ جو محرم نہیں خلوت میں نہ ہو کہ وہاں تیسرا شیطان ہوگا۔''[2] دونوں کو احمد نے نقل کیا۔

خلوت کے نقصانات

کثیر لوگ اس ضمن میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں، تو اپنی بیٹی یا عزیزہ کو اس کے منگیتر سے ملنے ملانے اور خلوت میں آنے جانے کی کھلی چھوٹ دے دیتے ہیں کہ جہاں چاہے اس کے ساتھ جائے (اور دورِ حاضر کا اہم آلۂ فساد موبائل کا رابطہ رکھنے اور روزانہ ڈھیروں میسج کرنے کی اجازت، جس سے کم از کم یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کی کشش ختم ہو جائے گی) اور اس کا نتیجہ کئی دفعہ بہت خراب نکل سکتا ہے اور اگر (خدانخواستہ) جسمانی تعلق قائم ہوا تو لڑکا یہ سوچ کر بدک سکتا اور شادی سے انکار کر سکتا ہے کہ جو میرے ساتھ اس حد تک چلی گئی وہ پتہ نہیں کتنوں کے ساتھ ملوث ہوگی، اس کے مقابلہ میں کئی لوگ ایسے بھی ہیں، جو نہایت جمود اور سختی سے کام لیتے ہیں اور بالکل بھی اجازت نہیں دیتے کہ شادی کا خواہاں لڑکا ان کی لڑکی پر ایک نظر بھی ڈالے اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا اسے پہلی مرتبہ شبِ زفاف ہی میں دیکھے، تو اس وقت ناگوار صورتحال پیدا ہو سکتی ہے، بعض لوگ صرف تصویر دکھلانے پر راضی ہوتے ہیں، یہ فی الواقع مقصود کے حصول میں ممد ثابت ہو سکتی اور نہ حقیقت کی دقیق تصویر کشی کرتی ہے۔ لہٰذا اسلام نے جو اجازت دی وہ مناسب ترین ہے اور اس میں دونوں فریق کے حق کی رعایت ہے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ لے (کیونکہ لڑکے کی مانند لڑکی کو بھی حق حاصل ہے کہ دیکھ کر منظور یا نامنظور کر دے) اور اس میں خلوت سے تجنب ہے، تاکہ عصمت پر کوئی حرف نہ آئے۔

[1] صحیح، مسند أحمد: ۳/۳۳۹۔ [2] صحیح، مسند أحمد: ۳/۴۴۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منگنی توڑنا اور اس کے اثرات

اکثر اوقات منگنی ہونے کے ساتھ ہی حق مہر سارا یا اس کا بعض دے دیا جاتا ہے اور کئی اور تحفے تحائف بھی تاکہ تعلقات مضبوط ہوں اور یہ نیا تعلق جو جڑنے جا رہا ہے پکا ہو جائے، کبھی ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سارے تردد کے بعد منگنی توڑنے کی صورت پیش آجاتی ہے، ایک کی طرف سے یا دونوں فریق کے اتفاق سے تو کیا ایسی صورتحال میں وہ سب کچھ واپس کرنا پڑے گا؟ منگنی دراصل مجرد ایک وعدہ ہے، ابھی لازم ہونے والا عقد منعقد نہیں ہوا اور اس وعدے سے پھر جانا دونوں کا حق ہے، شارع نے اس وعدہ سے پھر جانے کی صورت میں کوئی ہرجانہ مقرر نہیں کیا، اگرچہ ایسا کرنا ہر لحاظ سے ایک مذموم فعل ہے اور شرع میں وعدہ کی خلاف ورزی کو منافقین کی صفت کہا گیا ہے، لیکن بہر حال کئی دفعہ حالات اس نہج پر ہو جاتے ہیں کہ وعدہ ہذا کا ایفا ممکن نہیں رہتا، صحیح میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مذکور ہے: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (یعنی شروع ہی سے نیت خلاف ورزی کرنے کی ہو) اور امین بنایا جائے تو خیانت کا مرتکب ہو۔''①

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عین وفات کے وقت کہا: فلاں قریشی کو بلاؤ، دراصل میں نے اس کے ساتھ اپنی ایک بیٹی کی شادی کرنے کے لیے نیم حامی بھری تھی اور اب نہیں چاہتا کہ اللہ سے ثلث نفاق کے ساتھ ملوں اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔② خاطب نے جو کچھ مہر میں سے دیا تھا، اسے منگنی ٹوٹ جانے کی صورت میں واپس لینے کا حق حاصل ہے، کیونکہ مہر شادی کا مقابل اور اس کا عوض ہوتا ہے اور جب شادی ہوئی ہی نہیں تو مہر پر خاتون کا کوئی حق نہیں، جہاں تک دیگر تحائف تو ان کا حکم ہبہ کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ ہبہ شدہ چیز واپس نہیں لینی چاہیے، اگر وہ محض تبرُّع (یعنی تصدق) ہو نہ کہ کسی عوض کی خاطر کیونکہ موہوب نے جب ہبہ شدہ شے

① صحیح البخاری: ۳۳؛ صحیح مسلم: ۵۹۔ ② تذکرة الحفاظ: ۱/ ۲۰۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے قبضہ میں لی تو وہ اس کی مِلک ہوئی اور اس کے لیے اس میں تصرف جائز ہوا تو اب اس کی ملک کا اس کی رضا کے بغیر لینا ایک طرح کا غصب ہے اور یہ شرعاً اور عقلاً باطل ہے، اگر کسی نے اس نیت سے کوئی ہبہ کیا کہ اسے اس کا عوض ملے اور کوئی اس کا کام ہو، مگر موہوب لہ نے نہ کیا، تو اس ہبہ کا واپس کرالینا جائز ہے اور یہاں بھی، یہی صورتحال ہے، کیونکہ اس کا یہ لین دین اور تحفے تحائف ہونے والی شادی کی خاطر تھی یعنی بغرضِ معاوضت، تو جب شادی نہیں ہوئی تو اس کے لیے حقِ رجوع ہے اور اس ضمن میں اصل جو اصحابِ سنن نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے لیے حلال نہیں کہ کوئی عطیہ یا ہبہ کر کے واپس لے، مگر والد اپنی اولاد کو دیا گیا عطیہ یا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔''① انہی کی ان سے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہبہ کو واپس لینے والا ایسے ہے، جس نے قے کر کے دوبارہ منہ میں ڈال لی۔''② سالم اپنے باپ (سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ) سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے ہبہ کیا، وہی اس کا زیادہ حقدار ہے، جب تک اسے اس کا بدلہ نہ مل جائے۔''③ ان احادیث کے درمیان تطبیق جو اعلام الموقعین میں ذکر ہوئی کہ ایسا واہب جس کے لیے ہبہ واپس لینے کا حق نہیں، وہ ہے جس نے محض تبرعاً ہبہ کیا، نہ کہ کسی کام کرانے کے عوض میں اور جسے ہبہ واپس لینے کا حق ہے، وہ ہے جس نے کوئی کام کرانے یا تبادل لینے کی خاطر کیا، مگر موہوب لہ نے ایسا نہیں کیا۔ تمام احادیث پر عمل کرنے کی روش ہونی چاہیے نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض پر (اسی لیے محدثین اور شارحین نے جانفشانی کے ساتھ احادیث کے درمیان تطبیقات کی ہیں)۔

فقہاء کی آراء

البتہ جو (مصری) عدالتوں میں معمول بہ ہے، وہ مذہبِ حنفی کی تطبیق کے مطابق

① صحیح، سنن أبی داود: ۳۵۳۹؛ سنن ترمذی: ۲۱۳۲؛ سنن ابن ماجه: ۲۳۷۷۔

② صحیح، سنن أبی داود: ۳۵۳۸۔ ③ ضعیف، سنن الکبری للبیهقی: ۶/ ۱۸۱؛ المستدرك للحاکم: ۲/ ۵۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ منگنی ٹوٹ جانے کی شکل میں خاطب کی طرف سے دیئے گئے تمام تحائف واپس لینے کا اسے حق حاصل ہے، اگر وہ تحائف اپنی صورت و اصل پر قائم ہوں تو مثلاً: زیورات، گھڑیاں اور اس طرح کی اشیاء واپس کر دی جائیں، اگر کوئی اشیاء اپنی اصل پر قائم و موجود نہیں یا گم ہوگئیں یا فروخت کر دی گئیں یا مثلاً طعام کی شکل میں تھیں، لہٰذا استعمال کر لی گئیں یا تھان تھے جن کے ملبوسات سلوا لیے گئے تو ان کی نسبت خاطب کو حق نہیں کہ واپس لے یا ان کے بدل کا تقاضہ کرے، طنطا شہر کی عدالت نے مورخہ ۱۳/ جولائی ۱۹۳۳ء کو اس ضمن کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل نقاط طے کیے تھے:

① خاطب کی طرف سے جو کچھ مخطوبہ کو دیا جائے، ان اشیاء میں سے جو وردِ عقد کا محل نہ ہوں، وہ سب ہدیہ تصور ہوں گے۔

② ہدیہ حکماً اور معناً ہبہ کی مثل ہے۔

③ ہبہ عقدِ تملیک (مالک بنا دینے والا) ہے جو چیز کو اپنے قبضہ میں لینے سے تام ہوا اور موہوب لہ کو موہوب چیز میں حقِ تصرف حاصل ہے، لہٰذا وہ اسے بیچ سکتا ہے اور اس کا تصرف نافذ العمل ہوگا۔

④ موہوب چیز کا ضائع ہو جانا ہبہ واپس لینے سے مانع قرار پائے گا۔

⑤ واہب صرف اس موہوب چیز کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے جو اپنی اصل حالت میں موجود ہو۔

مالکیہ کے ہاں اس بابت یہ تفرقہ ہے کہ دیکھا جائے منگنی توڑنا مرد کی طرف سے ہے یا خاتون کی طرف سے؟ تو اگر مرد کی جانب سے ہے، تب اپنے دیئے تحائف واپس لینے کا اسے کوئی حق نہیں اور اگر لڑکی والوں کی طرف سے توڑی گئی، تب وہ اپنے تمام تحائف واپس کرنے کا تقاضا کر سکتا ہے، چاہے وہ اپنی اصل حالت پر باقی ہوں یا ضائع ہو چکے ہوں، اگر ضائع ہو چکے تو ان کا بدل مانگے، ہاں اگر عرف میں یہ نہیں یا واپس نہ کرنے کی شرط عائد کی تھی تب نہیں، شوافع کے نزدیک بہر صورت ہدیہ واپس کیا جائے گا چاہے باقی ہو یا نہ ہو، اگر باقی ہے تو وہی، وگرنہ اس کی قیمت لوٹا دی جائے! بقول مؤلف ہماری رائے میں یہ مؤقف مناسب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقدِ نکاح

شادی کا حقیقی اور اصل رکن طرفین کی رضا مندی اور اس کے انعقاد پر باہم یکسو ہونا ہے، جب رضا و ارادہ کا یہ توافق نفسی امور میں سے ہے، جن پر مطلع نہیں ہوا جا سکتا تو عملی جامہ پہنانے اور وجود میں لانے کے لیے کوئی تعبیری شکل اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ طرفین کے مابین جاری ہونے والی عبارات اور الفاظ کی صورت میں واقع ہوگی، تو جو طرفین میں سے ایک کی طرف سے اس ازدواجی تعلق کے قائم کرنے کا ارادہ ظاہر ہوا اسے ایجاب (یعنی پیشکش) کا نام دیا گیا ہے، جبکہ اس ایجاب کو دوسرے فریق کی جانب سے پذیرائی دینے اور موافقت کرنے پر دال عبارت قبول کہلاتی ہے، اسی سے فقہاء نے کہا: عقدِ نکاح کے ارکان: ایجاب اور قبول ہیں۔

ایجاب وقبول کی شروط

عقدِ نکاح قائم ہونے اور حقیقت میں آنے کی درج ذیل شروط ہیں:

① طرفین باشعور ہوں، اور اگر دونوں میں سے ایک (یا دونوں) مجنون ہوں یا کم عمر کہ تمیز اور شعور نہ ہو تو زواج منعقد نہ ہوگا۔

② ایجاب وقبول کی مجلس کا ایک ہونا، اس معنی میں کہ ایجاب اور قبول کے درمیان کسی غیر متعلقہ کلام (یا فعل) کے ساتھ فصل نہ ہو یا جو عرف میں اعراض اور غیر متعلق معاملہ کے ساتھ تشاغل شمار ہو، یہ شرط نہیں کہ (یہی) قبول ایجاب کے فوری بعد ہو، اگر مثلاً مجلسِ (نکاح) طویل ہوئی اور ایجاب سے قبول متاخر ہوا، لیکن دونوں کے مابین اس دوران میں کوئی اعراض یا عدم قبول کی صورت پیدا نہ ہوئی تو حرج نہیں، کیونکہ مجلس متحد ہے (یعنی کھانا وغیرہ کھلانے میں اگر کافی وقت حائل ہو جائے تو حرج نہیں) یہی احناف اور حنابلہ کی رائے ہے، المغنی میں ہے: اگر قبول ایجاب سے لیٹ ہوا تو جب تک مجلس متحد ہے صحیح ہے، اگر کسی اور (غیر متعلق) معاملے کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشاغل نہ ہو کیونکہ حکمِ مجلس حالتِ عقد کا حکم ہے۔ بدلیل قبضہ میں لینے کے ان امور میں جن میں یہ کرنا شرط ہو اور بدلیل معاوضات کے عقود میں ثبوتِ خیار کے، اگر قبول صادر ہونے سے قبل ہی فریقین علیحدہ ہو گئے تو ایجاب باطل ہوا، کیونکہ مقصود حاصل نہ ہوا، کیونکہ مجلس سے اٹھ جانا مرد کی نسبت کبھی اعراض باور کیا جا سکتا ہے، لہٰذا قبول کا حصول نہ ہوا، اسی طرح اگر دونوں فریق کسی اور معاملے میں مشغول ہوئے، کیونکہ یہ بھی اعراض کی ایک صورت سمجھی جا سکتی ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے منقول ہے، جس کے پاس کچھ لوگ گئے اور کہا: فلاں کی شادی کیجیے، اس نے کہا: اسے میں نے ایک ہزار (کے حق مہر) پر بیاہ دیا، وہ لوگ اس آدمی کے پاس آئے اور اسے اس کی خبر دی تو اس نے کہا: میں نے قبول کیا تو پوچھا گیا: کیا یہ نکاح ہوا؟ کہنے لگے: ہاں! اور شافعیہ نے فوریت کی شرط لگائی ہے، کہتے ہیں اگر ایجاب اور قبول کے درمیان خطبہ کے ساتھ فصل ہوا بایں طور پر کہ ولی نے کہا: میں نے تمھاری شادی کر دی اور اس نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ میں نے قبول کیا، تو اس میں دو اقوال ہیں: ایک اور یہ ابو حامد اسفرائنی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ عقد کے لیے خطبہ مسنونہ کا حکم ہے، لہٰذا یہ اس کی صحت کے لیے مانع نہیں، جیسے جمع کر کے دو نمازیں ادا کرنے کے مابین (بطورِ استحباب) تیمم ہے، دوم کہ اس طرح وہ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ یہ ایجاب اور قبول کے درمیان فصل ہو گیا، جیسے غیر خطبہ کسی امر کے ساتھ فصل ہو، تیمم کی مثال دینا درست نہیں کیونکہ اس کا تو دو نمازوں کے درمیان حکم ہے، جبکہ خطبے کا یہاں حکم عقد سے قبل ہے (شروع کرتے وقت) امام مالک رحمہ اللہ نے ایجاب اور قبول کے درمیان تھوڑی تاخیر ہو جانے کو جائز قرار دیا ہے، اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا فریقین کی جانب سے ایجاب اور قبول کا ایک ہی وقت میں اکٹھے ہونا انعقاد کی شرط ہے یا نہیں؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو اِلاّ یہ کہ مخالفت اس امر کی طرف ہو جو صاحب ایجاب کے لیے احسن ہو، تب یہ موافقت میں ابلغ ہوگی، اگر (مثلاً) موجب (یعنی نکاح کرانے والا) کہے: میں نے تمہاری اپنی فلاں بیٹی سے ایک سو ڈالرحق مہر کے عوض شادی کر دی اور قبول کرنے والا کہے: میں نے دو سو ڈالر کے حقِ مہر کے عوض یہ شادی قبول کی تو عقد صحیح ہوگا، کیونکہ قبول اصلح (یعنی زیادہ مناسب) پر مشتمل ہے (بھلا سرپرست کو اس اضافہ پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے)

④ فریقین ایک دوسرے کی آواز (یعنی ایجاب وقبول کے وقت) سنتے ہوں، کم از کم اس حد تک کہ سمجھ سکیں کہ نکاح پڑھایا جارہا ہے، اگرچہ ہر بات اور ہر لفظ کی سمجھ نہ بھی آئے۔

عقدِ نکاح کے انعقاد کے الفاظ

ہر ان الفاظ کے ساتھ عقدِ نکاح ہو جائے گا، جن سے یہ ادا ہو جائے (یعنی مقصود حاصل ہو) اس زبان میں جسے دونوں فریق سمجھتے ہوں، جب یہ الفاظ دونوں کی شادی کرانے کے مقصود سے ادا کیے جارہے ہوں، بغیر کسی ابہام کے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نکاح ہر ان الفاظ وعبارات کے ساتھ منعقد ہو جائے گا، جنہیں عرف میں نکاح پڑھانا سمجھا جاتا ہو، چاہے کوئی سی بھی زبان یا الفاظ ہوں، اسی کی مثل ہر عقد ہے! فقہاء نے اس پر قبول کی نسبت تو موافقت کی ہے تو اسے کسی خاص لفظ وکلمہ کے ساتھ خاص نہیں کیا: بلکہ جو بھی لفظ سے موافقت یا رضا پر دلالت کرتا ہو، مثلاً: میں نے قبول کیا، میں نے موافقت کی، ٹھیک ہے، میں نے نافذ کیا وغیرہ! جہاں تک ایجاب کی تو علماء متفق ہیں کہ یہ (صرف) نکاح یا تزویج (یعنی تمہاری اپنی فلانہ کے ساتھ نکاح / شادی کرائی) کے ساتھ ہی منعقد ہوگا اور جو الفاظ بھی ان دونوں مادوں سے مشتق ہوں کیونکہ یہی دونوں الفاظ مقصود پر صریحاً دلالت کرتے ہیں، ان دو الفاظ کے غیر کے استعمال کے بارے میں اختلاف کیا گیا مثلاً: ہبہ کر دی، اپنی بیٹی تمہیں دے دی، تمہاری ملک کر دی، تمہارے گھر روانہ کر دی، رخصت کر دی وغیرہ کے الفاظ میں سے کوئی استعمال کرے تو احناف، ثوری، ابوثور، ابوعبید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ابو داود رحمہ اللہ نے اسے جائز قرار دیا۔① کیونکہ یہ عقد ہے اور اس میں نیت کا اعتبار ہے اس کی صحت کے لیے کوئی خاص لفظ مشترط نہیں بلکہ ہر لفظ جو شرعی معنی سے متفق ہو یعنی جب اس کے اور شرعی معنی کے مابین مشارکت ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ساتھ کسی خاتون کی شادی کراتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیے تھے: ((قَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ))② ''میں نے تجھے اس کا مالک کر دیا بعوض اس قرآن کے جو تیرے ساتھ ہے۔'' (یعنی بجائے زَوَّجْتُهَا کے مَلَّكْتُهَا ہے) اسے بخاری نے نقل کیا اور اس لیے کہ (ایک دفعہ) ہبہ کے لفظ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی تھی، لہٰذا آپ کی امت کی شادیاں بھی اس کے ساتھ ہونا درست ہیں، قرآن میں ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ ...... وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ (الأحزاب: ٥٠) ''اے نبی! ہم نے آپ کے لیے حلال کیا ہے کہ مہر دے کر آپ شادی کریں۔'' آگے ان خواتین کا ذکر کیا جن سے شادی ممکن ہے پھر فرمایا: ''اور اگر مومنہ عورت نبی کو اپنا آپ ہبہ کر دے (کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں)'' (لیکن ساتھ ہی یہ بھی تو فرمایا: ﴿خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''یہ دیگر اہلِ ایمان کی بجائے صرف آپ کا خاصہ ہے'' اور اس لیے کہ اس کے مجاز کے ساتھ اسے درست قرار دینا ممکن ہے، لہٰذا خود اسی کے ساتھ بھی صحیح ہے جیسے طلاق کنایہ کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے! امام شافعی، امام احمد، سعید بن مسیب اور امام عطاء رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ عقدِ نکاح صرف تزویج یا نکاح کے لفظوں کے ساتھ ہی درست ہے اور جو ان دو سے مشتق ہوں کیونکہ ان کے ماسوا الفاظ مثلاً: تملیک اور ہبہ زواج کے معنی میں استعمال نہیں کیے جاتے اور اس لیے کہ ان کے ہاں شادی کے لیے شہادت شرط ہے، تو جب بلفظِ ہبہ عقد ہو تو یہ زواج پر واقع نہ ہوگا۔

---

① بقول محشی احناف کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ عقدِ زواج ہر اس لفظ کے ساتھ منعقد ہو جائے گا جو کسی شے کی فی الفور ذاتی صفت کے ساتھ تملیک کے لیے وضع کیا گیا ہو تو بلفظِ احلال یا اباحت (یعنی تمہارے لیے اسے حلال کر دیا یا مباح کر دیا) منعقد نہ ہوگا، کیونکہ ان دونوں کا حاصل عین کی صفت کی تملیک ہے (نہ کہ خود شے کی) اور نہ وصیت کے لفظ کے ساتھ کیونکہ یہ مرنے کے بعد تملیک کا فائدہ دیتا ہے۔

② صحيح البخاري: ٥٠٣٠؛ صحيح مسلم: ١٤٢٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں نکاح پڑھا دینا

فقہاء اس کے جواز پر متفق ہیں، جب دونوں فریق یا ان میں سے ایک عربی نہ جانتے ہوں، اگر جانتے ہوں تب اختلافِ آراء ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ المغنی میں لکھتے ہیں، جو نکاح (منعقد کرانے) کے الفاظ عربی میں ادا کرنے پر قادر ہے، تب دیگر میں ادا کرنا صحیح نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے دو میں سے ایک قول بھی یہی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہو جائے گا، کیونکہ اس نے (کسی زبان کا) نکاح پر دال لفظ ہی استعمال کیا ہے، لہٰذا کوئی حرج نہیں، ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس نے قدرت کے باوجود نکاح اور تزویج کے الفاظ سے عدول کیا ہے، لہٰذا یہ صحیح نہیں، جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں وہ اپنی زبان کا لفظ استعمال کر سکتا ہے، کیونکہ اب بوجہ عجز عربی کا استعمال اس سے ساقط ہے اور وہ اس امر کا پابند نہیں کہ عربی کے مطلوبہ الفاظ سیکھے، ابوخطاب کہتے ہیں ضروری ہے کہ سیکھ لے، کیونکہ جن امور میں عربی شرط ہے، تو اگر قدرت ہے تو ان میں استعمال ہونے والے الفاظ سیکھنا ضروری ہے، جیسے (نماز کی) تکبیر ہے (لیکن پہلے یہ تو ثابت ہو کہ نکاح میں عربی کے الفاظ استعمال کرنا شرط ہے)

اول کی توجیہہ یہ ہے کہ خطبۂ نکاح غیر واجب ہے، لہٰذا عربی میں اس کے ارکان کا تعلّم ضروری نہیں، جیسے بیع ہے بخلاف تکبیر کے، اگر دونوں میں سے ایک بخوبی عربی جانتا ہے تو وہ عربی میں جبکہ دوسرا اپنی زبان میں ادا کرے، اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتا تو لازم ہے کہ ان الفاظ کا پہلے تعلم کرے، جو وہ فریق نکاح منعقد کرتے وقت استعمال کرے گا اور ثقہ ذرائع سے تصدیق کرائے کہ ان کا یہی معنی ہے، بقول مؤلفِ کتاب ہمارے لیے ظاہر یہ ہے کہ عربی جاننے کی شرط لگانا تشدد ہے، جبکہ اللہ کا دین آسان ہے، ہم پہلے کہہ چکے کہ نکاح کا حقیقی رکن رضا مندی ہے اور ایجاب و قبول اس رضا کا فقط ایک مظہر اور اس کی دلیل ہیں۔ (اور وہ رضا پہلے سے ہی حاصل شدہ ہے) تو کسی بھی زبان میں جب ایجاب و قبول ہو جائے تو یہ کافی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نکاح اگرچہ قربت (اللہ کے تقرب کی نیت سے کی جانے والی نیکی) ہے، مگر یہ عتق اور صدقہ کی مانند ہے، جس کے لیے عربی یا کسی اور زبان کا کوئی لفظ استعمال کرنا ہی متعین و شرط نہیں، پھر اگر فوری طور سے عجمی شخص عربی کے مطلوبہ الفاظ سیکھ بھی لے تو لازم نہیں کہ ان کے مقصود سے بھی کما حقہ واقف ہو جائے گا، جیسے اپنی زبان کے ساتھ اس کا معاملہ ہے، ہاں! اگر کہا جائے کہ بغیر ضرورت غیر عربی میں عقود مکروہ ہیں، جیسے دیگر سب انواعِ خطاب بغیر ضرورت غیر عربی میں مکروہ ہیں، تب یہ کہنا بھی صحیح ہو، جیسا کہ مالک، احمد اور شافعی رحمہم اللہ سے کچھ ایسا منقول ہے کہ جو بغیر ضرورت غیرِ عربی میں مخاطبت کی کراہت پر دال ہے۔

گونگے کی شادی

اس کی شادی اس کے اشارہ سے ایجاب و قبول کے ساتھ ہو جائے گی، اگر یہ اشارہ قابلِ فہم ہو، جیسے ان کی طرف سے کیے گئے خرید و فروخت کے معاملے صحیح ہیں، اگر اشارہ قابلِ فہم نہ ہو تب عقدِ نکاح منعقد نہ ہوگا، کیونکہ عقد دو اشخاص کے درمیان ہے اور ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی بات سمجھ رہے ہوں۔

غائبانہ نکاح

اگر ایک فریق موقع پر موجود نہیں، لیکن وہ نکاح کا انعقاد چاہتا ہے تو یا تو مجلسِ نکاح میں اپنا نمائندہ بھیج دے یا خط لکھ دے، جس میں مقصود اور مدعا واضح طور سے لکھا ہو، اگر فریقِ ثانی اس پیشکش اور ایجاب کو قبول کرنا چاہے تو وہ گواہوں کو اکٹھا کرے اور ان پر یہ خط پڑھے اور با قاعدہ مجلس میں انہیں گواہ بنا کر اقرار کرے کہ اس نے قبول کیا، یہ قبول تبھی مقبول ہوگا، جب برسرِ مجلس (اور باقاعدہ گواہ نامزد کر کے) ہو۔

صیغۂ عقد کی شروط

فقہاء نے ایجاب و قبول کے صیغہ کے ضمن میں مشترط کیا ہے کہ وہ ان دو الفاظ کے ساتھ ہو جو ماضی کے لیے وضع شدہ ہیں یا (کم از کم) ایک ماضی اور دوسرا مستقبل کا ہو،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اول کی مثال کہ ایک فریق کہے: میں نے تم سے اپنی بیٹی بیاہ دی تو فریقِ ثانی کہے: میں نے قبول کیا، دوم کی مثال کہ اول کہے: میں تم سے اپنی بیٹی بیاہتا ہوں تو وہ کہے: میں نے قبول کیا، یہ اس لیے مشترط کیا ہے کیونکہ طرفین کی طرف سے رضامندی کا تحقق اور ان کے ارادے کا باہم توافق عقدِ زواج کا حقیقی رکن ہے اور (لفظی) ایجاب اور قبول اس رضامندی کا مظہر ہیں، جیسا کہ گزرا اور اس ضمن میں ضروری ہے کہ رضا مندی کے حصول اور اس کے تحقق پر فعلاً عقد کے وقت ان لفظوں کی دلالت قطعی ہو اور عقود کے انشاء کے لیے شارع نے جو صیغہ استعمال کیا ہے، وہ فعل ماضی کا ہے، کیونکہ طرفین کی رضامندی کے حصول پر اس کی دلالت قطعی ہے اور یہ کسی اور معنی کو محتمل نہیں ہوتا، بخلاف حال یا استقبال کے صیغوں کے کہ وہ قطعیت کے ساتھ وقتِ تکلم حصولِ رضا پر دال نہیں ہوتے! تو اگر (مثلاً) ایک کہے: میں تم سے اپنی بیٹی بیاہتا ہوں (یعنی مستقبل کا صیغہ استعمال کرے) اور دوسرا (بھی فعل مستقبل استعمال کرتے ہوئے) کہے: (أَقْبَلُ) (میں قبول کروں گا) تو ان دونوں صیغوں کے ساتھ (فی الحال) شادی منعقد نہ ہوئی کہ احتمال ہے کہ ان الفاظ سے مراد مجرد وعدہ ہو اور مستقبل میں زواج کا وعدہ حال میں اس کا انعقاد نہیں، اگر خاطب کہے: مجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دو، تو دوسرے نے کہا: میں نے بیاہ دی تو نکاح منعقد ہوا (یعنی دیگر شروط مثلاً گواہوں کی موجودگی اور حقِ مہر کے تعین کے ساتھ) کیونکہ (بیاہ دو) کا صیغہ معنائے توکیل پر دال ہے اور عقد صحیح ہو گا، جب طرفین میں سے ایک اس کا متولی بنے، تو اگر خاطب نے کہا: مجھ سے بیاہ دو اور فریقِ ثانی نے کہا: میں نے قبول کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اول نے ثانی کو وکیل بنایا ہے اور ثانی نے طرفین کی طرف سے اپنی عبارت کے ساتھ عقد کا انشاء کیا ہے۔

عقد میں تنجیز (ایسے صیغے استعمال کرنا مثلاً ماضی کے، جو عقد تام ہونے پر دلالت کرتے ہوں) کی شرط

فقہاء نے یہ امر بھی مشترط کیا کہ (صیغہِ نکاح) منجز ہو یعنی جس صیغہ کے ساتھ نکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا عقد ہو واجب ہے کہ وہ مطلق ہو اور کسی قید کے ساتھ مقید نہ ہو مثلاً کہ کوئی خاطب سے کہے: میں نے تم سے اپنی بیٹی بیاہ دی، تو خاطب کہے: میں نے قبول کیا، تو یہ عقد منجز ہے اور دیگر شروط کے پورا ہونے کی صورت میں یہ صحیح، لازم اور نافذ العمل ہوا، صیغۂ عقد کبھی کسی ایک یا زائد شرائط پر معلق یا مستقبل کے زمانہ کی طرف مضاف یا کسی معین وقت یا کسی شرط کے ساتھ ملا ہوتا ہے، تو ان احوال میں یہ (فوری طور پر) منعقد نہ ہوگا، ذیل میں ان سب کا الگ الگ بیان کیا جاتا ہے:

① کسی شرط پر معلق صیغہ

یہ جو اپنے مضمون ومفہوم کے تحقق کو کسی اور چیز کے تحقق اور وجود پر معلق کرے مثلاً کہ خاطب کہے: جب مجھے ملازمت مل گئی تو میں آپ کی بیٹی سے شادی کروں گا، تو والد کہے: مجھے قبول ہے تو اس صیغہ کے ساتھ فی الحال شادی منعقد نہیں ہوئی، کیونکہ عقد کے انشاء کو حصول ملازمت پر معلق کیا ہے، جو مستقبل میں ہوگا یا نہیں ہوگا، جبکہ عقدِ زواج زمانۂ حال میں استمتاع کی ملکیت ہے اور اس سے اس کا حکم متراخی نہ ہوگا، جبکہ شرط یعنی حصولِ ملازمت دمِ تکلم معدوم ہے اور معدوم پر معلق بھی معدوم ہوتا ہے، لہٰذا عقدِ زواج متحقق نہ ہوا، ہاں اگر تعلیق حال میں موجود کسی امر پر ہو، تب شادی ہو جائے گی، مثلاً کہ کہے: اگر آپ کی بیٹی کی عمر بیس برس ہے تو میں اس سے شادی کرنے کی پیشکش کرتا ہوں تو والد کہے: میں نے قبول کیا اور بالفعل اس کی عمر بیس سال ہو، اسی طرح اگر کسی لڑکی نے کہا: اگر میرا والد راضی ہوا تو میں تم سے شادی پر تیار ہوں تو خاطب نے کہا: مجھے منظور ہے۔ اور پھر والد نے برسرِ مجلس کہا: میں راضی ہوں، کیونکہ اس حال میں یہ تعلیق شکلی ہے اور صیغہ فی الواقع منجز ہے۔

② زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف صیغہ

مثلاً کہ خاطب کہے: میں کل آپ کی بیٹی سے شادی کروں گا یا کہے ایک ماہ بعد اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والد کہے: مجھے قبول ہے، تو اس صیغہ کے ساتھ شادی متحقق نہ ہوئی، نہ فی الحال اور نہ جب مذکورہ وقت آئے گا، کیونکہ مستقبل کی طرف اضافت عقدِ زواج کے منافی ہے، جو حال میں تملیکِ استمتاع کو موجب کرنا ہوتا ہے۔

③ عقد کی کسی معین وقت کی توقیت کے ساتھ مقترن صیغہ

کسی محدود وقت کے لیے شادی ہونے کو موجب اور مقتضی صیغہ کہے کہ میں ایک ماہ کے لیے شادی کرتا ہوں (اور وہ کہے مجھے قبول ہے) تو یہ شادی حلال نہ ہوگی (بلکہ یہ شیعہ کا متعہ ہوا جو اہلِ سنت کے ہاں حرام کاری ہے) کیونکہ شادی سے مقصود توالد یا نسل پر محافظت اور تربیتِ اولاد کی خاطر دوامِ معاشرت ہے، اسی لیے فقہاء نے متعہ والی (معروف) اور حلالہ والی شادی پر بطلان کا حکم لگایا ہے، کیونکہ اول کا مقصود وقتی استمتاع اور ثانی کے ساتھ مقصود خاتون کو اس کے پہلے شوہر کے لیے حلال کرنا ہے، اس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

نکاحِ متعہ

اسے وقتی شادی اور منقطع شادی بھی کہا جاتا ہے، وہ یہ کہ آدمی کسی عورت کے ساتھ ایک رات، ایک ہفتہ یا ماہ (یا کوئی بھی مدت ذکر کر کے) عقد کرے، اسے متعہ کہا گیا: کیونکہ آدمی متمتع اور مستفید ہوتا ہے اس وقت تک جس کا ذکر کیا، ائمہ مذاہب (یعنی اہلِ سنت کے تمام مسالک) اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں، ان کا اس فتوی پر استدلال درجِ ذیل امور سے ہے:

① قرآن میں شادی طلاق، عدت اور میراث کے ضمن میں جو احکام وارد ہوئے ہیں، وہ اس طرح کے وقتی عقد پر لاگو نہیں ہوتے، لہٰذا دیگر باطل نکاحوں کی طرح یہ بھی باطل نکاح ہے۔

② احادیث میں اس طرح کے نکاح کی تحریم صراحت کے ساتھ مذکور ہے، چنانچہ سیدنا سَبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فتحِ مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں آپ نے متعہ کی اجازت دی، پھر ابھی مکہ سے روانہ نہ ہوئے تھے کہ اسے حرام قرار دے دیا، ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے متعہ کے حرام ہونے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی، لیکن سن لو: اللہ نے اب قیامت تک اسے حرام کر دیا ہے۔''①

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی جنگ کے موقع پر متعہ سے نہی صادر کی۔②

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں برسرِ منبر متعہ کی حرمت کا اعلان کیا اور صحابہ کرام نے اس کا اقرار کیا، تو اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان غلط ہوتا تو صحابہ خاموش نہ رہتے۔

④ امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: متعہ کی تحریم پر تقریباً اجماع ہے، مگر بعض شیعہ اس کے بر خلاف رائے رکھتے ہیں اور یہ ان کے قاعدہ پر بھی صحیح رائے نہیں، جو یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرجع ہوں گے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت صحیح ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ان سے متعہ بارے سوال کیا گیا تو کہا: یہ بعینہٖ زنا ہے۔

⑤ کیونکہ نکاحِ متعہ کا مقصد شہوت پوری کرنا ہے، تناسل (یعنی نسل چلانے) اور اولاد کی محافظت اس سے مقصود نہیں ہوتی، جو شادی کے عقد کے مقاصدِ اصلیہ ہیں، لہٰذا یہ وقتی استمتاع کی جہت سے زنا کے مشابہ ہے، پھر یہ عورت کے لیے نقصان دہ ہے کہ وہ اس سامان کی مثل ہو جائے گی، جو ایک سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتا رہتا ہے اور اولاد کے لیے بھی جو اپنے لیے کوئی گھر اور کوئی سائبان نہ پائیں گے، جہاں ان کی تربیت اور نشوونما ہو سکے، بعض صحابہ و تابعین سے نقل کیا گیا کہ متعہ حلال ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مشہور ہے، تہذیب السنن میں مذکور ہے کہ

---

① صحیح مسلم: ۱۴۰۶/۱۹۔۲۱۔

② صحیح البخاری: ۵۱۱۵؛ صحیح مسلم: ۱۴۰۷/۲۹، ۳۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما حاجت اور ضرورت کے وقت متعہ کی اباحت کے مسلک پر چلے، مطلقاً اسے مباح نہیں کیا، جب انہیں بتلایا گیا کہ لوگوں نے اس کا اکثار کیا ہے، تو اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور وہ تحریم کو اس شخص پر محمول کرتے تھے، جو اس کا محتاج نہیں، امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سعید بن جبیر رحمہ اللہ ناقل ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کے اس فتوی کو لے کر لوگوں نے اِکثار کیا اور شعراء نے اس پر طبع آزمائی کی ہے، کہنے لگے شعراء نے کیا کہا؟ میں نے کسی کے یہ دو شعر سنائے:

قَدْ قُلْتُ لِلشَّيْخِ لَمَّا طَالَ مَحْبَسُهُ
يَا صَاحِ هَلْ لَكَ فِيْ فُتْيَا ابْنِ عَبَّاسِ
هَلْ لَكَ فِيْ رُخْصَةِ الأَطْرَافِ اٰنِسَةٌ
تَكُوْنُ مَثْوَاكَ حَتّٰى رَجْعَةِ النَّاسِ

”میں نے ایک حاجی سے جس کا قیام طویل ہو گیا، کہا کیا رائے ہے اگر ابن عباس کے فتوی پر عمل کر لو اور واپسی تک کے لیے کسی سے نکاحِ متعہ کر لو۔“

تو یہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا: اللہ کی قسم! میرا مقصد یہ نہ تھا اور نہ یہ فتوی دیا اور نہ یہ میری مراد تھی اور نہ میں نے اسے حلال کیا، مگر اسی قید و طرز پر جس کے مدِ نظر اللہ نے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حلال کیا ہے یعنی اضطراری حالت میں تو متعہ بھی (میری نظر میں) مردار، خون اور لحمِ خنزیر کی طرح ہے![1] شیعہ امامیہ اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کے ہاں اس کے مندرجہ ذیل ارکان ہیں:

1. صیغہ: یہ ان الفاظ سے منعقد ہوگا جیسے جتك، انكحتك، متعتك
2. زوجہ: شرط ہے کہ وہ مسلمان یا اہل کتاب ہو، پاک دامن مومنہ کو اختیار کرنا مستحب اور زانیہ کو اختیار کرنا مکروہ ہے۔

---

[1] الاعتبار للحازمی: ۱۷۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ مہر: اس کا ذکر کرنا شرط ہے، جس کی مناسب مقدار کا مشاہدہ ضروری ہے، جو باہم رضامندی سے خواہ ایک مٹھی برابر گندم جتنا ہی ہو مقرر ہو گا۔

④ مدت: یہ عقد میں شرط ہے، جو باہم رضامندی سے طے ہو گی، جیسے دن، سال اور مہینے کا تقرر اور اس کی تعین لازمی ہے۔

اور اس نکاح (متعہ) کے ان کے ہاں درج ذیل احکام ہیں۔

① مہر کے ذکر کے بغیر اگرچہ مدت کا ذکر ہو، عقد باطل ہے اور اگر مہر کا ذکر تو ہے مگر مدت کا ذکر نہ ہو تو بھی عقد باطل ہے۔

② بچہ والد کے ساتھ ہو گا۔

③ نکاح متعہ پر طلاق ولعان واقع نہیں ہوں گے۔

④ زوجین کے درمیان وراثت کا قانون نہیں چلے گا۔

⑤ مگر بچہ دونوں کا وارث ہو گا اور دونوں اس کے وارث ہوں گے۔

⑥ مدت پوری ہونے پر اگر حائضہ ہے تو عدت دو حیض سے مکمل ہو گی اور اگر حیض والی ہونے کے باوجود حیض نہ آیا تو پینتالیس ۴۵ دن عدت کے گزارے گی۔

(لیکن ہم اہل سنت سے ان کے تمام اصول مختلف ہیں، لہٰذا ان کی رائے و مؤقف کا ہمارے ہاں کوئی اعتبار نہیں)

امام شوکانی رحمہ اللہ کی تحقیق

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہم بہر صورت اسی حکم کو مانیں گے جو شارع علیہ السلام سے ہم تک پہنچا ہے اور آپ سے متعہ کی ابدی تحریم صحت کے ساتھ ثابت ہے، چند صحابہ کی طرف سے اس کے برخلاف رائے اس کی حجیت میں قادح نہیں، کیونکہ صحابہ کی اکثریت نے تحریم نبوی کو یاد رکھا اور اس کے عامل ہوئے اور ہمارے لیے اسے روایت کیا، حتی کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے بسندِ صحیح نقل کیا۔ کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی (یعنی جو کرنا چاہے) پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حرام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا، کہتے ہیں: مجھے اگر کسی شادی شدہ کا علم ہوا کہ اس نے متعہ کیا ہے، تو اسے پتھر مار مار کر رجم کر دوں گا۔ [1] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ متعہ کو طلاق، عدت اور میراث نے ہدم کر دیا۔ [2] اسے دارقطنی نے بیان کیا، حافظ نے حسن قرار دیا، روایت کی سند میں موئل بن اسماعیل کا ہونا، اس کے حسن ہونے میں مانع نہیں، کیونکہ اس اختلاف سے حدیث حسن کے درجے سے نہیں نکلتی، جبکہ ایسے شواہد بھی ساتھ ملے ہوں، جن سے یہ مزید قوی ہو جائے۔ جیسا کہ حسن لغیرہ کا معاملہ ہوتا ہے۔ جو یہ کہا جائے کہ متعہ کی حلت پر اجماع تھا اور مجمع علیہ امر قطعی ہوتا ہے، جبکہ اس کی تحریم مختلف علیہ امر ہے اور ہر مختلف علیہ ظنی امر ہوتا ہے اور ظنی قطعی کا ناسخ نہیں ہو سکتا، تو اس کے جواب میں اولاً یہ کہا جائے گا کہ یہ دعویٰ کرنا کہ ظنی قطعی کا نسخ نہیں کر سکتا، کی کیا دلیل ہے؟ صرف یہ کہنا کہ جمہور کا یہ قاعدہ ہے، اس شخص کے لیے مقنع نہ ہوگا، جو میدانِ مناظرہ میں مخالف فریق سے اہلِ اسلام کے اس پر اجماع کی کوئی عقلی و سمعی دلیل طلب کرے۔

دوم یہ کہ اس ظنی کے ساتھ نسخ دراصل حلت کے استمرار کے لیے ہے اور استمرار ظنی ہے نہ کہ قطعی، جہاں تک سیدنا ابن عباس، ابن مسعود، ابی بن کعب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کی اس آیت کی قراءت: "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى" تو تواتر کی شرط عائد کرنے والوں کے نزدیک یہ قرآن نہیں اور نہ سنت ہے، اس وجہ سے کہ قرآناً اسے روایت کیا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت آیت کی تفسیر کی سی ہے، لہٰذا یہ حجت نہیں، البتہ جس نے (قراءت قرآنی کے بطور قراءت ماننے کے ضمن میں) تواتر کو مشترط نہیں کیا تو ان کے ہاں ظنی قرآن کے ظنی سنت کے ساتھ نسخ میں کوئی مانع نہیں، جیسا کہ اصول میں یہ طے شدہ امر ہے۔

کسی سے نکاح کرنا جبکہ نیت میں ہو کہ (اتنے دن بعد) طلاق دے دوں گا

فقہاء متفق ہیں کہ جس نے توقیت کی شرط ذکر کیے بغیر کسی سے شادی کی اور اس کی

[1] صحیح، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۳؛ صحیح مسلم: ۱۴۰۶۔
[2] حسن، سنن دارقطنی: ۳/ ۲۵۹؛ مسند ابی یعلی: ۶۶۲۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیت ہے کہ اتنے عرصہ بعد اسے طلاق دیدے گا یا مثلاً جب تک اس شہر و علاقہ میں مقیم ہے، رکھے گا پھر طلاق دے گا، تو یہ شادی صحیح ہے (یعنی ذہن میں یہ ارادہ رکھا لیکن اگر اسے ظاہر کر دیا اور اس قید کے ساتھ مقید کر کے نکاح کیا تب یہ حرام نکاح ہوا) امام اوزاعی رحمہ اللہ نے مخالفت کی اور اسے بھی متعہ قرار دیا، علامہ رشید رضا ''المنار'' میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، سلف وخلف علماء کی متعہ کے بارے میں تشدید طلاق کی نیت وارادہ رکھے شخص کے نکاح کے منع کو مقتضی ہے، اگرچہ فقہاء کہتے ہیں کہ (ظاہرا) ایسا نکاح منعقد ہوا بشرطیکہ صیغہ عقد میں اسے ذکر اور مشترط نہ کیا ہو، لیکن اس کا اس ارادے کو ذہن میں چھپائے رکھنا دھوکا اور غش شمار ہوگا اور یہ نکاح گویا اس نکاح سے بھی بڑھ کر باطل قرار پانے کا حقدار ہے، جس میں فریقین کی باہمی رضامندی سے کوئی مدت خاص کی گئی ہو کیونکہ اس سے باہمی دشمنی اور بغض کا پیدا ہونا اور اعتماد کا خون ہے، حتی کہ سچے لوگوں کا اعتماد بھی مجروح ہو جائے گا، جو سچی نیت سے شادی کے خواہاں ہوں گے اور یہ شادی کے مقاصد کے منافی ہے، جو فریقین کا ایک دوسرے کے لیے اخلاص اور ایک صالح خاندان کی تاسیس ہے۔

نکاحِ حلالہ

وہ یہ کہ تین طلاقیں پانے والی خاتون سے اس کی عدت کے بعد کوئی شادی کرے اور جماع کے بعد اسے طلاق دیدے تا کہ اب وہ طلاق دینے والے شوہر کے لیے حلال ہو جائے، اس طرح کی (اور اس معاہدہ سے) شادی کرنا کبیرہ گناہوں اور فواحش میں سے ہے، اللہ نے اسے حرام کیا اور اس کے فاعل پر لعنت فرمائی ہے، چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، پر لعنت فرمائے'' اسے احمد نے بسند حسن نقل کیا۔ ①
سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلِّل اور محلَّل لہ پر لعنت فرمائی ② امام ترمذی نے اسے نقل کیا اور کہا: یہ حسن صحیح ہے، یہ کئی صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

① صحیح، مسند أحمد: ۲/ ۳۲۳۔

② صحیح، سنن ترمذی: ۱۱۲۰؛ سنن نسائی: ۶/ ۱۴۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کی ہے، ان میں سیدنا عمر، عثمان، ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم ہیں اور یہی فقہائے تابعین کا فتویٰ ہے، سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں ادھار پہ لیے سانڈ کی خبر نہ دوں؟'' عرض کی: کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ''یہ حلالہ (کی شادی) کرنے والا، اللہ نے محلل اور محلل لہ پر لعنت کی ہے۔''① اسے ابن ماجہ اور حاکم نے نقل کیا، ابوزرعہ نے اس کی سند کو معلول کہا اور ابو حاتم نے مرسل اور بخاری نے اسے منکر قرار دیا، اس میں یحییٰ بن عثمان ہے جو ضعیف ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلالے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو فرمایا: ''نکاح وہی معتبر ہے جو رغبت سے ہو، نہ کہ جو دلستہ ہو (یعنی فقط اس نیت سے کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے) اور نہ جس میں اللہ کی کتاب سے استہزاء ہو، جب تک وہ اس کا مزہ چکھ نہ لے۔''② اسے ابو اسحاق جوزجانی نے نقل کیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''اگر میرے پاس محلل اور محلل لہ کو لایا گیا تو میں انہیں رجم کر دوں گا۔'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کی بابت پوچھا گیا تو کہا: دونوں زانی ہیں۔③ اسے ابن منذر، ابن ابو شیبہ اور عبد الرزاق نے نقل کیا، ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ اس عورت کی بابت کیا کہیں گے، جس سے میں اس نیت سے شادی کروں کہ اسے اس کے سابقہ خاوند کے لیے حلال بنا دوں، لیکن اس نے مجھے یہ نہیں کہا اور نہ یہ اس کے علم میں ہے؟ تو کہنے لگے: نکاح وہی ہے جس میں (ساتھ رہنے کی) رغبت ہو کہ اگر اچھی لگے تو بسائے رکھو اور اگر تعلقات سازگار نہ ہوں تو طلاق دے دو، ہم تو عہدِ نبوی میں اس طرح کی شادی کو زنا شمار کیا کرتے تھے۔''④ نیز کہا (اس نیت سے اگر شادی کی تو) دونوں زانی ہوں گے، خواہ بیس سال بھی اکٹھے ہیں، اگر معلوم ہو کہ شادی کا مقصد اسے (سابقہ کے لیے) حلال کرنا تھا۔

---

① حسن، سنن ابن ماجه: ١٩٣٦؛ المستدرك للحاكم: ٢/ ١٩٩۔
② المعجم الكبير للطبراني: ١١/ ٢٢٦؛ ح: ١١٥٦٧؛ ابراہیم بن اسماعیل ضعیف ہے۔
③ مصنف عبدالرزاق: ٦/ ٢٦٥۔
④ صحيح، المستدرك للحاكم: ٢/ ١٩٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکاحِ حلالہ کا حکم

یہ مندرجہ بالا نصوص حلالہ کی شادی کے بطلان اور اس کی عدم صحت کے بارے میں صریح ہیں، کیونکہ شریعت میں لعنت غیر جائز امر پر ہی ہوئی ہے اور اس طریقے سے خاتون پہلے کے لیے حلال نہ ہوگی، اگرچہ عقد کرتے وقت حلالے کی شرط ذکر نہ بھی کی گئی ہو، اگر قصد وارادے میں حلالہ تھا، کیونکہ اعتبار مقصد اور نیت کا ہوتا ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل مدینہ، اہل الحدیث اور ان کے فقہاء کے نزدیک اس ضمن میں لفظی طور سے شرطِ مذکور لگانے اور دل میں قصد رکھنے کے مابین فرق نہیں کہ عقود میں ان کے ہاں مقصود معتبر ہوتا ہے اور تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور جو مقصد فریقین کے ہاں متفق علیہ ہو، وہ ایسے ہی ہے جیسے ملفوظ ہو، الفاظ کا ظاہر ہی مراد نہیں ہوتا، بلکہ جن معانی پر وہ دلالت کرتے ہوں وہ مراد و مقصود ہوتے ہیں، تو اگر معانی اور مقاصد ظاہر ہوں تب (ظاہری) الفاظ کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ فقط وسیلہِ تعبیر ہیں، جن کی غایت متحقق ہے، تو انہی پر احکام لاگو ہوں گے، تو جب کسی شادی میں دوامِ عشرت (کی نیت) نہیں بلکہ ایک عارضی مدت گزارنا مقصود ہو اور تناسل و توالد اور تربیتِ اولاد کا قصد نہ ہو جو فی الحقیقت شادی کے اصل اور شرعی مقاصد ہیں، تو کیونکر خاتون کو ایسی شادی کے ساتھ پہلے شوہر کے لیے حلال قرار دیا جائے؟ یہ شکلی طور پر تو شادی ہے مگر اس کی حقیقت جھوٹ اور دھوکا ہے، جسے اللہ نے دین میں مشروع نہیں کیا اور نہ کسی کے لیے اسے مباح کیا ہے اور اس میں جو اضرار اور مفاسد ہیں، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ کا دین اس امر سے پاکیزہ اور مطہر ہے کہ کسی شرمگاہ کو کسی کرایہ کے ٹٹو کے لیے حلال کیا جائے، جو اس نکاح میں راغب ہی نہیں اور نہ اس رشتہِ مصاہرت کو قائم کرنے پر اور نہ اس نکاح کو باقی رکھنے پر! یہ کھلم کھلا حرام کاری ہے، جیسا کہ صحابہ نے اسے یہ نام دیا، تو یہ حرام محلل کیونکر بن سکتا ہے یا خبیث مطیب اور نجس طاہر کیسے ہو؟ کسی ذی ہوش پر اس کا قبیح ہونا مخفی نہیں اور کسی عاقل کا ذہن اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول نہ کرے گا، چہ جائیکہ انبیاء کی شرائع؟ پھر بالخصوص افضل اوراشرف شریعت اور منہاج! یہ حق اور صائب مؤقف ہے امام مالک، احمد، ثوری رحمہم اللہ اور اہلِ ظاہراور دیگر فقہاء یہی مؤقف رکھتے ہیں، ان میں حسن بصری، نخعی، قتادہ، لیث اور ابن مبارک رحمہم اللہ ہیں، بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ عقد میں (لفظی طور پر) اسے شرط نہ بنایا جائے (یعنی اندرون خانہ اس کا شرط ہونا ان کے نزدیک جائز ہے) کیونکہ قضاء میں ظواہر کو مدنظر رکھا جاتا ہے، نہ کہ مقاصد اور نیات کو اور عقود میں نیات غیر معتبر ہوتی ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ ممنوع حلالہ وہ ہے جو اس مقصد سے نکاح کرے کہ تاکہ اسے پہلے کے لیے حلال کردے، لیکن جو عقد کرتے وقت اسے مشروط نہ کرے تو اس کا عقد صحیح ہے، ابو حنیفہ اور زفر قائل ہیں کہ اگر انشائے عقد کے وقت اس بات کی شرط لگا لی اور اس کی تصریح کی کہ یہ نکاح اس لیے کر رہا ہے تاکہ پہلے کے لیے اسے حلال کرے، تو حلال تو ہو جائے گی مگر یہ (دوسرا نکاح) مکروہ ہے، کیونکہ عقدِ نکاح باطل شروط لگانے سے باطل نہیں ہوتا، تو دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی، یا اس صورت میں کہ یہ فوت ہو جائے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں یہ عقد ہی باطل ہے کیونکہ عارضی مدت کے لیے منعقد ہوا، امام محمد رحمہ اللہ بھی صحتِ عقد کے قائل ہیں، لیکن خاتون (طلاق یا موت کی صورت میں) پہلے کے لیے حلال نہ ہوگی۔

مطلقہ خاتون طلاق دینے والے شوہر کے لیے کیسے حلال ہوگی؟

اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو اب اس کا حقِ رجوع ختم ہوا اور اب اس کے لیے حلال نہ ہوگی، حتی کہ اس کا کسی اور مرد کے ساتھ عقدِ صحیح ہو، جس میں روائتی حلالے کا قصد نہ ہو، بلکہ یہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ نکاح رغبت کرے (یعنی مستقل بسانے کی نیت سے) اور دخولِ حقیقی کرے اور بخوبی دونوں ایک دوسرے کا مزا چکھیں، پھر (کسی وجہ سے) طلاق یا شوہر کی موت کے باعث علیحدگی ہو، تو اب عدت پوری ہونے کے بعد اس کے لیے پہلے شوہر سے شادی کرنا حلال ہوا، امام شافعی، احمد، بخاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ رفاعہ قرظی کی زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: میں رفاعہ کے گھر والی تھی، اس نے مجھے طلاقِ بائنہ دے دی (یعنی جس کے بعد رجوع کا حق نہیں) پھر مجھ سے عبدالرحمن بن زبیر نے شادی کر لی اور اس کے پاس تو کپڑے کے کنارے کی مثل ہے، آپ مسکرائے اور فرمایا: ''تم رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہو، لیکن یہ نہیں ہوسکتا، حتی کہ تم اس کا اور وہ تمہارا ذائقہ چکھے۔''[1] یہ جماع سے کنایہ ہے اور اس میں دونوں شرمگاہوں کا ملاپ کافی ہے، جس سے حد (اگر حرام کاری کی) اور غسل واجب ہوتا ہے، اسی بارے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾

''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے، تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو (پہلے) دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں، اگر سمجھیں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھیں گے۔'' (البقرۃ:۲۳۰)

اس پر ایسی خاتون سابقہ شوہر کے لیے درجِ ذیل شروط کے ساتھ ہی حلال ہوگی:

① دوسرے شوہر کے ساتھ اس کا عقد صحیحاً منعقد ہوا ہو۔

② یہ نکاح ساتھ بسانے (نہ کہ فقط سابقہ کے لیے حلال کرنے کی نیت سے) کی غرض سے ہوا ہو۔

③ عقد کے بعد شوہر نے اس کے ساتھ حقیقی دخول کیا ہو اور دونوں ایک دوسرے کا ذائقہ چکھیں۔

---

[1] صحیح البخاری: ۵۲۶۰؛ صحیح مسلم: ۱۴۳۳/۱۱۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی حکمت

مفسرین اور علماء اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر سب اچھی طرح جان لیں کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں وہ اس کے لیے تبھی حلال ہوگی، جب کسی اور مرد کے ساتھ اس کی باقاعدہ شادی ہو اور دونوں ساتھ رہیں، تو مردوں کی فطری غیرت اور شہامت کے اقتضاء کے تحت وہ ایسے اقدام سے قبل سو بار سوچے گا، بالخصوص اگر اس نے کسی ایسے مرد سے شادی کرلی جو اس کا ہمدرد نہیں، مؤلف تفسیر المنار نے مزید لکھا: جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، پھر ضرورت محسوس کرتا اور رجوع کرلیتا ہے اور پھر کسی وقت دوسری طلاق دیتا اور پھر رجوع کرلیتا ہے، حتیٰ کہ معاملہ تیسری مرتبہ طلاق تک جا پہنچے تو اب واضح ہوا کہ اسے اس کی ضرورت نہیں (دراصل یہ بات اس تناظر میں کہی کہ عموماً تین طلاقیں اکٹھی نہ دی جاتی تھیں) تو جب تیسری مرتبہ پھر معاملہ طلاق تک جا پہنچا ہے تو گویا ان کا اکٹھے رہنا ناممکن ہے، تو اب وہ اس امر کا حقدار نہیں کہ عورت کو پھر اتنی آسانی سے اس کے لیے حلال قرار دے کر دوبارہ اس کے ہاتھ میں گیند کی مثل بنا دیا جائے کہ جیسے چاہے کھیلتا رہے، بلکہ اب حکمت یہی ہے کہ دونوں کی جدائی دائمی ہو اور وہ اس کے قبضے سے آزاد ہو، کیونکہ ثابت ہو گیا کہ دونوں کا نباہ مشکل ہے اور وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے، اگر اتفاق سے کسی اور مرد کے ساتھ باقاعدہ ساتھ رہنے کی رغبت (اور قصد) سے اس کی شادی ہوئی اور اتفاقاً اس نے بھی طلاق دیدی (یعنی اس دوسرے نکاح اور طلاق میں سابقہ شوہر کا عمل دخل نہ ہو) یا وہ فوت ہو گیا اور خاتون اپنی مرضی سے اس پہلے کے پاس جانے پر تیار ہے اور امید ہے کہ اب اللہ کی حدود کا خیال رکھا جائے گا، تو اس صورت میں دونوں کی پھر سے شادی ہونے میں حرج نہیں۔

اس عقدِ نکاح کی عبارت جو کسی شرط کے ساتھ مقرون ہو

اگر کسی عقدِ نکاح میں کوئی شرط ملحوظ رکھی گئی ہے تو یہ شرط یا تو عقد کے مقتضیات میں سے ہوگی یا پھر اس کے منافی یا ایسی جو خاتون کے مفاد میں ہے یا ایسی شرط ہوگی جس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شارع نے منع کیا ہے تو ان سب حالات میں سے ہر حالت کے لیے ایک خاص حکم ہے جس کا اجمالاً ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

① وہ شروط جن کا پورا کرنا ضروری ہے

وہ شروط جو عقد کے تقاضوں اور اس کے مقاصد میں سے ہوں اور ان سے اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر زد نہ پڑتی ہے، مثلاً یہ شرط لگانا کہ وہ حسنِ سلوک سے پیش آئے گا، اس کا خرچہ سنبھالے گا، اس کا کپڑا لتا، رہائش اور دیگر اخراجات اس کے ذمہ ہوں گے اور وہ اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے گا یا مثلاً کہ عورت اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے گی اور اس کے گھر میں اس کی اجازت سے ہی کسی کو آنے دے گی اور اس کے مال و متاع میں من مرضی نہ کرے گی، وغیرہ۔

② وہ شروط جنہیں پورا کرنا واجب نہیں

بعض ایسی شروط ہیں جنہیں عائد کرنے سے عقد تو صحیح ہوگا، مگر ان کا پورا کرنا ضروری نہیں، یا وہ جو اقتضائے عقد کے منافی ہیں، مثلاً یہ شرط لگانا کہ وہ اسے خرچہ نہ دے گا یا جماع نہ کرے گا یا یہ کہ مہر نہ دے گا یا اس سے عزل کرے گا، یا یہ کہ بیوی اس کے اخراجات اٹھائے گی یا اسے کچھ عطیہ دے گی یا کہ وہ ہفتہ میں صرف ایک رات اس کے ہاں گزارے گا یا صرف دن میں پاس رہے گا، رات کو نہیں، تو یہ سب شروط فی نفسہا باطل ہیں، کیونکہ یہ عقد کی روح اور حقیقت کے منافی ہیں اور اس لیے کہ یہ ان حقوق کے (قبل از انعقادِ عقد) اسقاط کو متضمن ہیں، جو عقد کے ساتھ واجب ہوتے ہیں، لہٰذا یہ صحیح نہیں! یہ جیسے کوئی فروخت کرنے سے قبل ہی حقِ شفعہ ساقط کرلے، البتہ عقد فی نفسہ ان کی موجودگی کے باوجود صحیحاً منعقد ہوجائے گا، کیونکہ ایسی سب شروط عقد میں ایک معنائے زائد کی طرف راجع ہیں، جن کا ذکر کرنا مشترط نہیں اور جن کا عدم ذکر ضار نہیں، لہٰذا عقد باطل نہ ہوگا، جیسے کوئی عقد میں محرم مہر کی شرط عائد کرلے اور اس لیے کہ نکاح جہل بالعوض کے باوجود صحیح ہوتا ہے، تو اسی طرح فاسد شرط کے ساتھ بھی اس کا انعقاد جائز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ وہ شروط جن میں عورت کا فائدہ ہو

مثلاً یہ کہ شوہر اسے گھر یا شہر سے نہ نکالے گا یا سفر میں اسے ساتھ نہ لے جائے گا یا اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا اور اس طرح کی باتیں، تو بعض علماء کی رائے میں ان شروط کے ساتھ شادی تو صحیح ہے، مگر یہ شروط غیر مؤثر ہیں اور شوہر پر لازم نہیں کہ انہیں پورا کرے، جبکہ بعض علماء اس قسم کی شروط کا پورا کرنا لازم قرار دیتے ہیں اور اگر ان کا ایفا نہ کیا تو نکاح فسخ ہو جائے گا، اول ابوحنیفہ، شافعی رحمہم اللہ اور کثیر اہل علم کا مذہب ہے، انہوں نے درجِ ذیل سے استدلال کیا:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا)) [1]

"یعنی مسلمانوں کو باہمی طے شدہ شروط کا خیال رکھنا ہوگا، مگر ایسی شرط جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرتی ہو۔"

تو یہ شروط بھی ایسی ہیں جو حلال کو حرام کریں، یعنی شادی، ہم بستری اور سفر کو، کیونکہ اس کے لیے یہ سب حلال ہیں۔

② آپ کی حدیث ہے کہ "ہر ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے، اگرچہ سو شروط عائد کی جائیں۔" [2] اور یہ مذکور شروط کتاب اللہ میں نہیں کیونکہ شرع اس کی مقتضی نہیں۔

③ یہ شروط عقد کی مصلحت اور اس کے مقتضا سے نہیں۔

دوسرا مذہب سیدنا عمر، سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم، عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی، اسحاق رحمہم اللہ اور حنابلہ کا ہے، درج ذیل سے استدلال کیا:

[1] صحيح، سنن أبي داود: ٣٥٩٤؛ سنن ترمذي: ١٣٥٢؛ سنن ابن ماجه: ٢٣٥٣۔

[2] صحيح، سنن ابن ماجه: ٢٥٢١؛ مسند أحمد: ٦/ ٢١٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① قرآن میں ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدة: ١)

''اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔''

② نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ))

③ بخاری اور مسلم وغیرہما نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَحَقُّ الشُّرُوْطِ أَنْ يُوْفٰى بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ))[1]

''یعنی پوری کی جانے کے قابل سب سے زیادہ حقدار وہ شروط ہیں جو شادی بیاہ کے ضمن میں باہم طے کی جائیں۔''

④ اثرم رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ ایک مرد نے کسی خاتون سے اسے اسی کے گھر میں رہنے دینے کی شرط پر شادی کی پھر اسے منتقل کرنا چاہا، مقدمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچا، تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ شرط کی پاسداری کی جائے اور کہا: حقوق کی ادائیگی شروط کی پاسداری پر متوقف ہے۔

⑤ اور اس لیے کہ یہ ایسی شروط ہیں، جن میں عورت کی فلاح و بہبود ہے، جو شادی کے مقصود سے مانع نہیں، تو ان کی پاسداری لازم ہے، جیسے اگر زیادتِ مہر کی شرط لگائی جائے، امام ابن قدامہ رحمہ اللہ اس مؤقف کو راجح قرار دیتے اور اول کی تضعیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جن صحابہ کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان کے ہم عصروں نے ان کی مخالفت نہیں کی تو گویا یہ اجماع کی حیثیت میں ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ((كُلُّ شَرْطٍ...)) الخ ''جو اللہ کے حکم اور اس کی شرع میں نہیں......'' اور یہ مشروع ہے اور اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے، پھر اختلاف کا تعلق اس کی مشروعیت سے ہے اور جو اس کی نفی کرے اس کے ذمہ دلیل ہے، ان کا قول کہ یہ حلال کو حرام کر دے گا، تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ ایسی کوئی بات نہیں کہ یہ دراصل بیوی کو

[1] صحیح البخاری: ٢٧٢١؛ صحیح مسلم: ١٤١٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیتا ہے، اگر شروط کی پاسداری نہ کی، اوران کا کہنا کہ یہ اس کی مصلحت میں نہیں تو ہم کہیں گے یہ بھی مسلّم نہیں، کیونکہ یہ عورت کی مصلحت میں سے ہے اور جس میں عاقد کی مصلحت ہے، وہ اس کے عقد کی مصلحت ہے، امام ابن رشد رحمہ اللہ (بدایۃ المجتہد میں) لکھتے ہیں: ان کے اختلاف کا سبب عموم کی خصوص کے لیے معارضت ہے، جہاں تک عموم تو یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اثنائے خطبہ فرمایا: ''ہر شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ عائد کرنا باطل ہے، اگرچہ سو شرطیں ہوں۔'' اور جہاں تک خصوص تو سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بڑھ کر پوری کی جانے کی حقدار وہ شروط ہیں، جو عقدِ نکاح میں طے کی جائیں۔'' یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں، انہیں بخاری اور مسلم نے بیان کیا ہے، البتہ اصولیوں کے ہاں مشہور مذہب یہ ہے کہ خصوص کے ساتھ عموم پر فیصلہ ہوتا ہے اور یہ لزومِ شرط ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (نظریۃ العقد میں) لکھتے ہیں: عقلاء کے عقود میں دخیل مقاصد کا تعلق اگر صلاح سے ہو جو کہ مقصودِ حقیقی ہے، تو وہ رائیگاں نہیں جاتے اور نہ انہیں محض باتیں خیال کیا جانا چاہیے، جیسے اعواض میں آجال (یعنی وقت مقرر کرنا) اور کسی خاص ملک کی کرنسی میں ادائیگی کرنے اور فروخت کی جانے والی اشیاء میں کوئی صفات اور شادی میں کسی فریق کا کوئی حرفت جاننے (یا برسرِ ملازمت ہونے) کی شرط عائد کرنا، کبھی شروط سے وہ افادہ ملتا ہے، جو اِطلاق سے نہیں ملتا، بلکہ جو اطلاق کے برخلاف ہوتا ہے۔

④ وہ شروط جن سے شارع نے منع کیا

مثلاً عورت کا نکاح کے لیے شرط لگانا کہ پہلی بیوی کو طلاق دے، چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: ''کسی کے پیغامِ نکاح (جسے ہاں ہو چکی ہو) پر اپنا پیغام بھجوا دیا جائے یا (طے شدہ) سودے پر اپنا سودا طے اور نہ اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوتن کی طلاق کا مطالبہ کرے کہ جو اس کے برتن میں ہے اسے اوندھا کر دے، کیونکہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔''① بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''عورت اپنی سوتن کو طلاق دینے کی شرط عائد نہ کرے۔''② سیدنا ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حلال نہیں کہ ایک عورت سے شادی کرنے کے لیے دوسری کو طلاق دی جائے۔''③ اسے احمد نے تخریج کیا، تو یہ نہی منہی عنہ کے فاسد الاعتبار ہونے کو مقتضی ہے، کیونکہ اس میں غیر کے حق کا ابطال ہے، جیسے کوئی (کسی سے کوئی معاملہ کرنے کے لیے) کسی اور سے کیا ہوا سودا فسخ کرنے کی شرط لگائے، اگر کہا جائے اس کے اور یہ شرط لگانے کہ دوسری شادی نہ کرے گا، کے مابین کیا فرق ہے کہ اسے تم صحیح گردانتے ہو اور سوتن کو طلاق دینے کی شرط کو باطل؟ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے جواب دیتے ہوئے کہا: کہا گیا کہ دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگانے میں اس کا نقصان، اس کے آباد گھر کو ویران کرنا اور اس کے دل کو شکستہ کرنا ہے، جو دوسری شادی نہ کرنے میں نہیں ہے اور نص نے دونوں کا تفرقہ کیا ہے، لہٰذا ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا فاسد ہے۔

www.KitaboSunnat.com

① صحيح البخاري: ٥١٤٢؛ صحيح مسلم: ١٤١٢۔ ② صحيح البخاري: ٥١٥٢؛ صحيح مسلم: ١٥١٥۔ ③ ضعيف، مسند أحمد: ٢/ ١٧٦۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وٹہ سٹہ کی شادی

غیر صحیح شرط کے ساتھ متصف و مقرون شادی کی صورتوں میں سے ایک وٹہ سٹہ کی شادی ہے، وہ یہ کہ آدمی اپنی زیرِ سرپرستی خاتون کی کسی کے ساتھ اس شرط پر شادی کرائے کہ وہ اس کی شادی اپنی زیرِ سرپرستی کسی خاتون کے ساتھ کرائے گا اور یہی دونوں کا حقِ مہر ہو، نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ((لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ)) [1] ''اسلام میں وٹہ سٹہ نہیں۔'' اسے مسلم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن ماجہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا، الزوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے لیے کئی صحیح شواہد ہیں، ترمذی نے اسے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور کہا حسن صحیح ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شغار سے منع کیا۔ [2] اور شغار یہ ہے کہ کوئی کسی سے کہے: میرے ساتھ اپنی بیٹی یا بہن کی شادی کر دو، اس شرط پر کہ میں (بدلے میں) اپنی بیٹی یا بہن سے تمہاری شادی کرادوں گا اور ان کے درمیان (اس کے سوا کوئی اور) حقِ مہر نہ ہو۔ [3] اسے ابن ماجہ نقل کیا۔

علماء کی اس بارے آراء

جمہور علماء نے ان دونوں حدیثوں سے استدلال کیا کہ وٹہ سٹہ کی شادی اصلاً ہی منعقد نہ ہوگی اور (اگر ہو گئی تو) یہ باطل ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ شادی تو ہو جائے گی، لیکن ہر دو کو مہر مثل (یعنی جو عرف عام میں اس جیسی کا چلتا ہے) دینا

[1] صحیح مسلم: ١٤١٥/ ٦٠۔ [2] صحیح البخاری: ٥١١٢؛ صحیح مسلم: ١٤١٥/ ٥٧۔ [3] صحیح، سنن ابن ماجہ: ١٨٨٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑے گا، کیونکہ انہوں نے باہمی طور سے جو امر بطورِ مہر مقرر کیا ہے، وہ مہر کہلانے کا حقدار نہیں، کیونکہ عورت بعوضِ عورت مال نہیں، لہٰذا اس کی خرابی مہر (مقرر نہ کرنے) کی جہت سے ہے اور یہ امر فسادِ عقد کا موجب نہیں بن سکتا (اور اس خرابی کا تدارک مہرِ مثل کرے گا) مثلاً کوئی شراب یا خنزیر (کے حقِ مہر) پر شادی کرے تو عقد اپنی جگہ صحیح اور منعقد ہے اور اس طرح کا حق مہر قابلِ تنفید نہیں، بلکہ اس میں بھی مہر مثل دینا ہوگا۔

وٹہ سٹہ کی شادی کی علتِ نہی

علماء نے علتِ نہی کے بارے میں باہم اختلاف کیا تو کہا گیا یہ تعلیق و توقیف ہے (یہ شادی مطلق نہیں، بلکہ ایک دوسری شادی پر متوقف اور معلق ہے) گویا کہا گیا: میری بیٹی کی شادی منعقد نہ ہوگی، حتی کہ تمہاری بیٹی کی (میرے یا مثلاً فلاں کے ساتھ) شادی منعقد نہ ہو، بعض نے کہا: علت بُضع (یعنی جسم) میں حصہ دار بنانا ہے کہ دو خواتین کے بضع کو ایک دوسری کے لیے مہر بنایا گیا ہے اور یہ (عورت کے لیے) قابلِ انتفاع نہیں تو گویا دونوں کو اس کا حق مہر نہ ملا (کیونکہ مہر بیوی کا حق ہے) بلکہ مہر (جو یہ طے کیا) ولی کی طرف آیا ہے اور وہ اسی کی مِلک بنا ہے اور یہ دونوں خواتین کے حق کا غصب اور ان کے نکاح کا بغیر مہر کے انعقاد ہے۔

صحتِ شادی کی شروط

یہ وہ شروط جن پر عقدِ نکاح کی صحت متوقف ہے، اس طور پر کہ اگر یہ پائی جائیں تو عقد شرعاً صحیح ہوگا اور اس کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے تمام احکام وحقوق اس کے لیے ثابت ہوں گے، وگرنہ نہیں، یہ دو شروط ہیں:

① خاتون کے ساتھ شادی کرنا مرد کے لیے حلال ہو، یعنی دونوں ایک دوسرے کے لیے محرم نہ ہوں (اسبابِ تحریم میں سے کسی عارضی یا مستقل سبب کی بنا پر) اس کی تفصیل محرم خواتین کی بحث میں آئے گی۔

② شادی گواہوں کی موجودگی میں ہو، یہ درج ذیل مباحث میں منحصر ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① گواہ بنانے کا حکم ② گواہی کی شروط
③ عورت کی گواہی

① شادی پر گواہ بنانے کا حکم

جمہور علماء قائل ہیں کہ نکاح اسی صورت میں منعقد ہوگا، جب وہ گواہوں کی موجودگی میں ہو، اگرچہ اس کا اعلان کسی اور وسیلہ کے ساتھ کیا ہو، اگر نکاح تو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، مگر فریقین نے انہیں اس کے کتمان کا کہا تو یہ عقد صحیح ہے، اس کے صحیح ہونے پر درج ذیل کے ساتھ استدلال کیا: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْبَغَایَا اَللَّاتِیْ یُنْکِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ)) [1] ''یعنی جو بغیر گواہوں کے خود ہی اپنی شادی کر لیتی ہیں، وہ زنا کار (طوائفیں) ہیں۔'' اسے ترمذی نے نقل کیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح نہیں مگر ولی (سرپرست) کے ذریعہ اور دو عادل گواہوں کی موجودگی میں۔'' [2] اسے دارقطنی نے نقل کیا اور اس نفی کا تعلق صحتِ نکاح سے ہے اور یہ مستلزم ہے کہ گواہ بنانا شرطِ نکاح ہے کیونکہ اس کا عدم اس کی عدم صحت کو مستلزم ہے اور جو امر ایسا ہو وہ شرط ہوتا ہے، اسی طرح ابوزبیر مکی سے منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نکاح کا معاملہ پیش ہوا، جس کے گواہ ایک مرد اور ایک خاتون تھی تو فرمایا: یہ خفیہ نکاح ہے، میں اسے نافذ نہ ہونے دوں گا اور اگر تم نے (مرد سے کہا) کوئی پیشقدمی کی تو تمہیں رجم کر دوں گا۔ [3] اسے مالک نے موطا میں نقل کیا۔

یہ احادیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، مگر ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ وتابعین کے اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے (کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں) اس سے متاخرین اہل علم کے ایک گروہ نے ہی اختلاف کیا ہے، نیز اس لیے کہ اس کے ساتھ دلہا دلہن کے غیر کا حق (بھی) متعلق ہے اور وہ ہے، اولاد!

① ضعیف، سنن ترمذی: ۱۱۰۳۔ ② صحیح موقوف، سنن الدار قطنی: ۲۲۶/۳۔
③ ضعیف، المؤطا امام مالک: ۵۳۵/۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کے بارے میں بھی گواہی مشترط ہے کہ تاکہ ایسا نہ ہو کہ والد (ناچاقی ہونے پر نکاح کا یا اس بچے کا) انکار ہی کر دے اور یوں اس کا نسب ضائع ہو جائے، بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح بھی صحیح ہے، سیدنا ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے بھی یہی کیا تھا، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ گواہوں کی موجودگی کے بغیر شادی کی پھر اس کا اعلان کیا، بقول امام ابن منذر رحمہ اللہ نکاح میں دو گواہ ہونے کے بارے کوئی حدیث ثابت نہیں، امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے کہا: اللہ نے بیع میں گواہ بنانے کا حکم تو دیا ہے نکاح میں نہیں، اصحابِ رائے نے نکاح کے لیے گواہی دلوانے کو شرط قرار دیا ہے بیع کے لیے نہیں۔

اگر نکاح تو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، مگر اسے پوشیدہ رکھا اور گواہوں کو بھی یہی کہا؟

تو یہ صحیح تو ہے، مگر مع الکراہت، کیونکہ اس میں نکاح کو مشتہر کرنے اور اس کا اعلان کرنے کے امرِ نبوی کی مخالفت ہے! یہی امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام ابن منذر رحمہم اللہ کی رائے ہے! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، عروہ، شعبی اور نافع رحمہم اللہ نے اسے مکروہ کہا، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح نکاح ہی فسخ ہو جائے گا، امام ابن وہب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے ایسے شخص بارے جو دو گواہوں کی موجودگی میں کسی سے شادی کرے، پھر انہیں اس کے کتمان کا حکم دے، کہا کہ طلاق دلوا کر دونوں کی علیحدگی کرا دی جائے، کیونکہ یہ نکاح جائز نہیں اور اگر دخول کر لیا ہو تو عورت کو مہر دیا جائے، البتہ گواہوں کو کوئی سزا نہ دی جائے۔

② گواہی کی شروط

کہ عاقل، بالغ اور نکاح ہوتا سن رہے ہوں اور سمجھ رہے ہوں کہ نکاح ہو رہا ہے، اگر گواہ نابالغ یا دیوانہ یا بہرا ہو یا نشہ میں مدہوش ہو تو یہ نکاح نہ ہوا، کیونکہ ان کا وجود عدم کی طرح ہے، جہاں تک گواہوں کے عادل (غیر فاسق و فاجر) ہونے کی شرط تو احناف کے ہاں یہ شرط نہیں، ان کے نزدیک فاسق گواہوں کے ساتھ بھی نکاح ہو جائے گا اور ہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا شخص جس کا نکاح میں ولی بننا درست ہے، اسے نکاح کا گواہ بنانا بھی درست ہے، پھر گواہی سے مقصود اعلان اور اظہار ہے، شافعیہ نے کہا: ضروری ہے کہ گواہ عادل ہوں، کیونکہ حدیث میں ہے: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ)) [1] ''ولی (سرپرست) اور دو غیر فاسق گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں۔'' ان کے نزدیک اگر مجہول الحال شخص کو گواہ بنا کر نکاح ہوا تو راجح یہ ہے کہ یہ صحیح ہوگا، کیونکہ عموماً دیہات وصحرا میں اور عام لوگوں کے شادی کی مجالس میں گواہوں کی حقیقتِ حال پردۂ اخفاء میں ہوتی ہے، تو ان کا عادل ہونا جاننا ایک دشوار امر ہے، لہٰذا ظاہری حال کے ساتھ اکتفاء کرنا ہوگا، کسی گواہ کا مستور الحال ہونا کہ اس کا فسق ظاہر نہیں اور اگر نکاح کے بعد پتہ چلے کہ وہ فاسق تھا، تو اس کا عقد میں کچھ اثر نہ پڑے گا، کیونکہ عادل ہونے کی شرط اس طور ہے کہ اس کا فسق ظاہر نہ ہو اور عقد ہوتے وقت معاملہ یہی تھا۔

③ عورت کی گواہی

شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں صرف مرد ہی نکاح کے گواہ بنائے جا سکتے ہیں، ان کے ہاں ایک مرد اور دو عورتوں کو نکاح کا گواہ بنالینا درست نہیں، کیونکہ امام ابوعبید رحمہ اللہ نے زہری رحمہ اللہ سے ان کا قول نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت یہی جاری وساری ہوئی ہے کہ حدود میں اور نکاح وطلاق میں عورتوں کو گواہ نہیں بنایا جاتا اور اس لیے کہ عقدِ زواج ایسا عقد ہے، جو مال نہیں اور نہ اس سے مقصود مال ہے اور عموماً نکاح کی مجالس میں مرد ہی حاضر ہوتے ہیں، احناف ایک مرد اور دو عورتوں کو شادی کا گواہ بنالینے میں حرج نہیں سمجھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ (البقرة: ٢٨٢)

''اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ اور اگر دو نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن پہ تم رضامند ہوئے۔''

---

[1] صحیح، صحیح ابن حبان: ٤٠٧٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس لیے کہ یہ بیع کی مثل ہے، اس طور کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے، لہٰذا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو گواہ بنالینا بھی جائز ہے۔

گواہ کے آزاد ہونے کی شرط

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ نے شرط عائد کی ہے کہ گواہ آزاد ہوں، امام احمد رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں، ان کی رائے میں دو غلام بھی گواہ بنائے جا سکتے ہیں، جیسے تمام دیگر مقدمات میں ان کی گواہی مقبول ہے اور کتاب وسنت کی کوئی نص غلام کی گواہی کو رد نہیں کرتی۔

مسلمان ہونے کی شرط

اگر مسلمان کی مسلمان سے شادی ہے تو بالاتفاق گواہ بھی مسلمان ہونا چاہئے اور اگر صرف دلہا مسلمان ہے (اور دلہن اہلِ کتاب میں سے) تب غیر مسلم کو گواہ بنالینے میں اختلافِ آراء ہے، امام احمد، امام شافعی اور امام محمد بن حسن رحمہم اللہ کے ہاں شادی منعقد نہ ہو گی (یعنی اگر غیر مسلم کو گواہ بنایا) کیونکہ یہ مسلمان کی شادی ہے، لہٰذا اس میں غیر مسلم کی گواہی قبول نہیں، امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ نے اگر مسلمان کی کتابیہ سے شادی ہو رہی ہو، تو دو کتابی گواہ بنالینا جائز قرار دیا ہے۔

عقد شکلی نکاح ہے

عقدِ نکاح اپنے ارکان اور اپنے انعقاد کی شروط کے ساتھ تمام پذیر ہوتا ہے، مگر تب تک اس کے شرعی اثرات نافذ العمل نہ ہوں گے، جب تک کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں نہ ہو، گواہوں کی موجودگی طرفین کی رضا سے خارج ایک امر ہے تو اس جہت سے یہ ایک شکلی معاملہ ہوا اور یہ عقدِ رضائی (یعنی جس میں باہمی رضا مندی ہو) کے برخلاف ہے، جو اس کے انعقاد کے ایجاب وقبول کے ساتھ مقترن ہونے میں کافی ہے، فریقین کا اس پر راضی ہونا ہی اس عقد کا منشا و باعث اور اس کی وجہِ تکوین ہے، جیسے عقدِ اجارت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ تو اس حالت میں (یعنی گواہوں کے ساتھ) اس پر ضروری متعلقہ واحکام لاگو ہوں گے اور اسے قانون کی حمایت حاصل ہوگی اور بقاء میں کسی اور چیز کی احتیاج نہ ہوگی۔

عقدِ نکاح کے نفاذ کی شرائط

اگر عقد تاماً اور صحیحاً منعقد ہوگیا ہو تو اب اس کے نافذ العمل ہونے اور کسی کی بھی اجازت پر عدم توقف کے لیے درجِ ذیل امور مشترط ہیں:

① دونوں عاقد جو انشائے عقد کے متولی بنے، پوری اور تام اہلیت والے ہوں، یعنی، عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، اگر کوئی ایک ناقص الاہلیت ہو، مثلاً ناسمجھ دار ہے یا سمجھدار تو ہے مگر نابالغ یا غلام ہے، تو وہ عقد جسے وہ بذاتِ خود منعقد کر رہا ہے، منعقد تو صحیحاً ہو جائے گا، مگر وہ (عاقل و بالغ) ولی یا آقا (اگر غلام نے عقد کیا ہے) کی اجازت پر موقوف ہوگا، جو اگر مل گئی تو نافذ العمل وگرنہ باطل ہے۔

② ہر دو عاقد ایسی صفت کے حامل ہوں، جو اس کے لیے خود عقدِ نکاح کرنے کا حق دیتی ہو، تو اگر عاقد فضولی ہو (یعنی اسے حقِ تصرف حاصل نہ تھا) وہ نہ اصالۃً (یعنی بذاتِ خود) عقد کا بندوبست کرے گا اور نہ وکالۃً اور ولایۃً یا اگر وہ وکیل (یعنی نمایندہ) ہے لیکن موکل کی ہدایات کی خلاف ورزی کی یا ولی ہے، لیکن اس سے بھی اقرب ولی موجود ہے، جس کا حق مقدم ہے، تو ان سب کا عقد اگر انعقاد اور صحتِ عقد کی شرائط پوری کر رہا ہے تو وہ صحیحاً واقع ہوگا: البتہ اس کا نفاذ صاحبِ امر کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

عقدِ نکاح کے لازم ہوجانے کی شروط

اگر کوئی عقد اپنے ارکان اور صحت کی شروط اور نفاذ کی شرائط کو پورا کرتا ہوا معرضِ وجود میں آیا ہے تو وہ لازم ہوگا، جب لازم ہوا تو اب میاں بیوی یا ان کے غیر میں سے کسی کو عقد توڑ دینے کا حق نہیں، کیونکہ جن مقاصد کے خاطر وہ مشروع ہے، مثلاً: ازدواجی رفاقت کا دوام، تربیتِ اولاد اور ان کے حقوق و معاملات کی نگہبانی وغیرہ امور اس کے لزوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی سے پورے ہونا ممکن ہیں، اسی لیے علماء نے کہا: لزومِ زواج کی شروط کی جامع ایک ہی شرط ہے، وہ یہ کہ اب کسی کو بھی اس کے انعقاد کے بعد فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، وگرنہ تو وہ غیر لازم عقد ہوا۔

عقد غیر لازم کب ہوگا؟

یہ مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوگا:

جب واضح ہوجائے کہ آدمی نے یا عورت نے دھوکہ دہی اور فریب سے کام لیا ہے، مثلاً یہ کہ اپنے بانجھ ہونے یا کسی اور خرابی کی بابت نہ بتلایا ہو، تو اس حال میں اسے عقد توڑ دینے کا اختیار ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا تھا، جو بانجھ تھا اور اس نے شادی کرلی تھی کہ بیوی کو اس نقص سے آگاہ کرو اور معاملہ اس پر چھوڑ دو کہ ساتھ رہے یا چھوڑ دے، ایک صورت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کی کہ عورت نے اپنے آپ کو کنواری ظاہر کیا تھا، مگر پتہ چل گیا کہ وہ ایسی نہ تھی تو مرد کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے اور وہ مہر واپس کرنے کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر یہ فسخ کرنا دخول سے قبل ہوا، تب تو سارا مہر ہی واپس لے سکتا ہے، اسی طرح عقد لازم نہ ہوگا اگر مرد کو عورت میں کسی ایسے عیب کا پتہ چلا جو اس کے ساتھ کمال استمتاع سے مانع ہے، مثلاً اس کے دائمی استحاضہ والی ہونے کا علم ہوا تو استحاضہ عیب ہے جس کی وجہ سے نکاح کا فسخ کرنا ثابت ہے، اسی طرح کوئی مانعِ جماع یا دیگر عیب ہوا مثلاً شرمگاہ کا بند ہونا اسی طرح متنفر کرنے والی امراض مثلاً برص، جنون، کوڑھ، تو آدمی کو اختیار ہے کہ شادی فسخ کردے! جس طرح مرد کو حقِ فسخ ہے، اسی طرح عورت کو بھی ہے اگر انہی عیوب یا دیگر میں آدمی مبتلا ہو۔

عیب کی وجہ سے فسخِ نکاح کے بارے میں فقہاء کی آراء

① بعض کی رائے ہے کہ عیوب چاہے کیسے بھی ہوں، ان کی وجہ سے نکاح کا فسخ نہیں ہوسکتا، ان میں امام داود اور ابن حزم رحمہما اللہ ہیں۔

مؤلف الروضۃ الندیہ کہتے ہیں: ضرورتِ دینیہ کی رو سے ثابت ہے کہ عقدِ نکاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کا تسلیم کرنا) لازم ہے اور اس کے ساتھ ازدواجی احکام مثلاً جوازِ وطی اور وجوبِ نفقہ وغیرہ ثابت ہوں گے، اسی طرح میراث بھی اور دیگر سب متعلقہ احکام نیز ضرورتِ دینیہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ طلاق یا موت کے ساتھ ہی اس سے خروج ہوگا، تو جو اس کا مدعی ہے کہ دیگر کسی سبب کے ساتھ بھی خروج ہوسکتا ہے تو اس کے ذمہ صحیح دلیل پیش کرنا ہے، جو نکاح کے ضرورتِ دینیہ کی رو سے ثبوت سے انتقال کی مقتضی ہو اور جن عیوب کا ان حضرات نے ذکر کیا ہے ان کے سبب فسخ کے جواز کی کوئی قوی اور واضح حجت موجود نہیں اور ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں، جہاں تک نبی کریم ﷺ کا (اپنی منکوحہ) ایک خاتون کو یہ کہنا: ((اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ)) [1] ''یعنی اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔'' تو یہ صیغۂ طلاق ہے بفرضِ احتمال ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے متیقن پر ہی محمول کیا جائے، نہ کہ اس کے ماسوا پر، اسی طرح آلۂ تناسل نہ ہونے کی وجہ سے فسخ کے جواز کی بھی کوئی صحیح (نقلی) دلیل وارد نہیں (لیکن عقلاً تو ایسا کرنا ٹھیک ہے، آخر شادی کا اہم مقصد کیا ہے؟) اور اصل نکاح پر بقاء ہے حتی کہ کوئی موجبِ خروج امر ثابت ہو اور باعثِ تعجب امر یہ ہے کہ بعض عیوب کی رو سے فسخ کرنا جائز کہہ دیا اور بعض دیگر کی وجہ سے نہیں۔

② بعض کا مؤقف ہے کہ بعض عیوب (نہ کہ سب) کی وجہ سے شادی فسخ کی جاسکتی ہے، یہ جمہور کا مؤقف ہے، اس پر درج ذیل سے استدلال کیا:

① زید بن کعب بن عجرہ نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے بنی غفار کی ایک خاتون سے نکاح کیا: جب اس کے پاس گئے اور بستر پر بیٹھے تو اس کے پہلو میں برص دیکھی، تو آپ بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کپڑے پہن لو۔'' اسے جو (مہر وغیرہ) دیا تھا، واپس نہ لیا (اور طلاق دے دی) [2] اسے احمد اور سعید بن منصور نے نقل کیا۔

---

[1] صحيح البخاري: ٥٢٥٤؛ سنن ابن ماجه: ٢٠٥٠۔
[2] ضعيف جداً، مسند أحمد: ٣/ ٤٩٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا قول منقول ہے کہ جس عورت کو جنون یا کوڑھ یا برص لاحق تھا اور اس نے بغیر ان سے آگاہ کیے شادی کی، تو اگر مرد نے دخول کر لیا تھا، تو اس سے مہر واپس نہ لیا جائے (یعنی طلاق دینے کی صورت میں) اور مہر اس کے ذمہ ہوگا، جس نے دھوکا دیا۔ [1] اسے مالک اور دارقطنی نے نقل کیا، ان فقہاء نے ان عیوب کے بارے باہم اختلاف کیا۔ جن کی وجہ سے نکاح فسخ کر سکتا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسے جَبّ (آلہ تناسل مقطوع ہونا) اور جنون کے ساتھ خاص کیا، امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ان دو کے ساتھ ساتھ جنون، برص، کوڑھ اور قرن (شرمگاہ کا مسدود ہونا) کا بھی اضافہ کیا، امام احمد رحمہ اللہ نے مزید یہ بھی کہا کہ اگر عورت کا مدخل قابلِ استمتاع نہیں۔

اس قضیہ کی تحقیق

حق یہ ہے کہ مذکورہ سب آراء قابلِ اعتبار ہونے کے لائق نہیں اور ازدواجی زندگی جو سکون، مودّت اور مہربانی پر مبنی ہے ممکن نہیں کہ ان عیوب اور ناپسندیدہ امراض کی موجودگی میں میسر اور مستقر ہو، تو ان کے ساتھ نکاح کا مقصود حاصل نہ ہوگا، لہٰذا شارع نے اس صورت حال میں میاں بیوی کو اختیار دیا ہے کہ چاہیں تو شادی فسخ کر دیں، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پر بحث کرتے ہوئے عمدہ بات کہی، لکھتے ہیں: اندھا پن، گونگا ہونا، بہرہ پن، ہاتھ پاؤں وغیرہ کا مقطوع ہونا، تنفیر کے بڑے اسباب میں سے ہیں اور (شادی کی بات پکی کرتے ہوئے) ان سے خاموشی قبیح ترین دھوکا دہی میں سے ہے اور یہ دین کے منافی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بانجھ شخص کو حکم دیا تھا، جس نے بغیر بتلائے کسی سے شادی کر لی تھی کہ اسے خبر دو کہ تم بانجھ ہو اور اسے اختیار ہوگا کہ ساتھ رہے یا نہ رہے، تو اس سے بڑے عیوب کے بارے میں اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ ان کا کیا موقف ہوتا۔ کہتے ہیں: قیاس یہ ہے کہ ایسا عیب جو ایک دوسرے کے لیے باعثِ نفرت ہو اور جس کی

[1] ضعیف، الموطا امام مالک: ٧٦٧؛ سنن الدار قطنی: ٢٦٦/٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے شادی سے مقصود محبت و مودت کا حصول نہ ہوتا ہو، وہ موجب اختیار ہے اور نکاح کا معاملہ خرید وفروخت کے سودے سے اولیٰ ہے، اور اسی طرح نکاح کے ضمن میں طے پانے والی شروط بیع کی شروط سے اولیٰ بالایفاء ہیں۔ جو بھی شرع کے مقاصد، مصادر، موارد ،عدل وحکمت اور مصالح میں تدبر کرے گا، اس پر اس رائے کا راجح ہونا مخفی نہ ہوگا اور کہ یہی قواعدِ شریعت کے قریب ہے! یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی خاتون جسے جنون یا کوڑھ یا برص ہو اس سے آگاہ کیے بغیر شادی کر لے اور شوہر کو اس کا پتہ دخول کے بعد چلے تو اسے چھوڑنے کا حق حاصل ہے اور اس کا مہر اسے ملے گا، اگرچہ جماع کر لیا ہے، لیکن اس کی ادائیگی اس کا اپنا ولی کرے گا جس نے یہ دھوکا دیا ہے، شعبی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ جس عورت کا نکاح ہوا اور اسے برص، جنون، کوڑھ یا قرن ہو (یعنی اس کی دونوں شرمگاہیں باہم ملی ہوئی ہوں) تو اس کے شوہر کو جب تک اس سے قربت نہیں کی اختیار ہے کہ چاہے تو چھوڑ دے، اگر جماع کر لیا اور چھوڑنا چاہے تو مہر اس سے واپس نہ لے، وکیع ثوری عن یحییٰ بن سعید عن سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر عورت نے رصاء (یعنی قرن کا عیب جس کا ذکر گزرا) اور اندھے پن کے عیوب کے ساتھ (آگاہ کیے بغیر) شادی کر لی اور دخول بھی ہو گیا، تو مہر اس سے واپس نہ لیا جائے، مگر اس کی ادائیگی اس کے ذمہ ہوگی، جس نے یہ دھوکا دیا (یعنی اس کا ولی) کہتے ہیں یہ دلیل ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان مذکورہ عیوب کا ذکر بطورِ خاص اور بغرضِ حصر نہیں کیا کہ ان کے ماسوا کے ضمن میں یہ اختیار حاصل نہیں (بلکہ بطورِ مثال ذکر کیا ہے) یہی قاضیِ اسلام امام شریح رحمہ اللہ کا فیصلہ تھا، جن کا علم وفہم اور دین اور فیصلے ضرب المثل ہیں، دو آدمی ان کے پاس اپنا مقدمہ لائے، ایک نے دعوی دائر کیا کہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہاری حسین ترین خاتون سے شادی کراؤں گا، لیکن ایک چندھی آنکھوں والی خاتون لے آیا، تو شریح نے کہا کہ اگر اس نے دھوکا دیا ہے تب تو جائز نہیں، تو اس کی روشنی میں ہر نکاح جس میں دھوکا دہی کا عنصر شامل ہو تو فریقین کو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے، امام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زہری ؒ کہتے ہیں: ہر پیچیدہ مرض کی وجہ سے (جس سے بوقتِ نکاح آگاہ نہ کیا ہو) شادی فسخ کی جا سکتی ہے، لکھتے ہیں: جو صحابہ وسلف کے فتاوی میں تامل وغور وفکر کرے، وہ جان لے گا کہ انہوں نے عیوب کے ضمن میں بعض کی بعض سے تخصیص نہیں کی، ہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ چار عیوب کی وجہ سے شادی فسخ کی جا سکتی ہے: کوڑھ، برص، شرمگاہ میں کوئی عیب اور جنون۔ اس کی اسناد کے بس یہی راوی معلوم ہیں: اصبغ عن ابن وہب عن عمر وعلی اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصل سند کے ساتھ مروی ہے۔

یہ سب تب اگر اطلاق کے ساتھ شادی کا عقد کیا ہو، لیکن اگر صحیح وسالم ہونے یا خوبصورت ہونے (اور کوئی عیب نہ ہونے کی) شرط لگائی تھی یا نوجوان ہونے کی مگر وہ بڑی عمر والی نکلی یا سفید ہونے کی اور وہ سیاہ نکلی یا کنواری کی مگر وہ بیوہ تھی، تو ان صورتوں میں فسخ کا اختیار ہے، اگر دخول سے قبل کیا تو مہر نہیں دینا پڑے گا، وگرنہ دے گا اور اگر ولی نے دھوکا دہی سے کام لیا تھا، تو اسے اس کی چٹی بھرنا پڑے گی اور اگر دھوکا عورت کی جہت سے تھا (یعنی اس کے ولی کو بھی اس عیب کا علم نہ تھا) تب وہ مہر سے محروم ہو گی اور اگر لے لیا تھا، تو واپس کرنا ہو گا، امام احمد ؒ کی اس پر ان سے منقول دو میں سے ایک قول کے مطابق نص ہے اور یہی قیاس اور اصول کے زیادہ موافق ہے، اس صورت میں کہ خاوند نے اگر شرط عائد کی تھی (کہ وہ عیوب وامراض سے پاک ہو) ان کے اصحاب نے کہا: اگر کسی خاص ایک آدھ وصفت کی شرط لگائی تھی، مگر اس کا برخلاف ظاہر ہوا، تب اسے فسخ کا اختیار حاصل نہیں، ماسوائے حریت کی شرط کے اور وہ لونڈی نکلی یا مرد تھا تو وہ غلام نکلا، نسب کی شرط میں (کہ فلاں خاندان کی ہو) اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس میں دو وجہیں ہیں، جس وجہ کو ان کا مسلک اور اس کے قواعد مقتضی ہیں، وہ یہ کہ خاوند کی اور بیوی کی طرف سے کوئی امر مشترط کرنے کے مابین فرق نہیں، اسے بھی شوہر کی مثل فسخ کا اختیار ہے، اگر اس کی طرف سے عائد کردہ کسی شرط کا برخلاف ظاہر ہوا ہو، کیونکہ طلاق دینے کا اختیار تو اسے نہیں، تو جب مرد کو (جسے حقِ طلاق بھی ہے) فسخِ نکاح کا اختیار ہے، حالانکہ وہ فسخ کے بغیر بھی علیحدگی کر سکتا ہے، تو عورت کے لیے فسخ کا حق ہونا اولی ہے جبکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی اور طرح اسے علیحدگی کا موقع حاصل نہیں اور جب اس صورت میں عورت کو فسخِ نکاح کا حق ہے، جب شوہر کوئی نیچ پیشے والا ہو، جبکہ دینی یا نسبی لحاظ سے اس میں کوئی عیب نہیں اور یہ صرف اس کے لیے کمالِ لذت واستمتاع کے لیے مانع ہے، تو کسی بڑے عیب کی وجہ سے فسخ کا حق ہونا تو اولی ہوگا۔

اگر عورت نے شرط عائد کی تھی کہ وہ جوان، خوبصورت اور صحیح وسالم ہو، لیکن وہ اس کے برعکس نکلا، تو کیونکر اسے فسخِ نکاح کا حق نہ دیا جائے؟ یہ تو نہایت درجہ کا تناقض اور قیاس اور قواعدِ شرع سے بُعد ہوا، لکھتے ہیں ایک چونی کے برابر برص کے داغ کی وجہ سے تو دونوں کو فسخ کا حق دیا جائے، لیکن دائمی خارش زدہ ہونے کی صورت میں نہ دیا جائے، جبکہ یہ معمولی برص کی نسبت اشد ہے، اسی طرح کسی اور پیچیدہ بیماری کی وجہ سے تو یہ نہایت تناقض اور غیر معقول ہوگا، اگر نبی کریم ﷺ نے تاجر کے لیے اپنے سامان کے عیب کا کتمان حرام قرار دیا ہے، تو نکاح جیسے معاملہ میں عیوب کا کتمان کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا، جب انہوں نے سیدنا معاویہ یا ابوجہم رضی اللہ عنہما سے شادی کرنے بارے آپ سے مشورہ کیا کہ ''معاویہ فقیر ہے، اس کے پاس تو کوئی مال نہیں، جبکہ ابوجہم سخت مزاج ہے۔''[1] تو اس سے علم ہوا کہ شادی بیاہ کے معاملہ میں عیب کا بیان کر دینا اولی اور زیادہ واجب ہے، لہٰذا دھوکا دہی اور کذب بیانی نکاح کے لزوم کا سبب نہیں بن سکتی، پھر بالخصوص جب صحیح وسالم ہونے کی شرط بھی لگائی تھی، اس سے یہ بات تو یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ تصرفات شریعت اور اس کے قواعد واحکامات اس کا رد کرتے ہیں، واللہ اعلم

اور ابومحمد ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر شوہر نے عیوب سے سالم ہونے کی شرط لگائی تھی، مگر کوئی عیب پایا گیا تو اصلاً ہی نکاح باطل ہو جائے گا اور وہ منعقد ہی نہیں ہوا اور شوہر کے لیے اس میں کوئی اختیار نہیں اور نہ اس میں کوئی نان ونفقہ یا میراث کے احکام لاگو

[1] صحيح مسلم: ١٤٨٠؛ سنن أبي داود: ٢٢٨٥، ٢٢٨٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے، کیونکہ جو اس کے پاس پہنچائی گئی وہ اس کی بیوی نہیں جو کہ بلاشک وشبہ عیوب سے پاک اور تندرست تھی، یعنی اگر وہ نہیں تو گویا نکاح ہی منعقد نہیں ہوا۔

اس ضمن میں موجودہ عدالتی فیصلے

(مصر کی) موجودہ عدالتوں میں اس ضمن میں ۱۹۲۰ء کے قانون کی شق نمبر ۹ کے تحت عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ نکاح کو فسخ کرے، اگر مرد میں کوئی ایسا عیب ہے جس سے وہ بری نہیں ہوسکتا، یا ممکن تو ہے مگر ایک مدت بعد اور اس کے ساتھ رہنا عورت کے لیے ممکن نہیں مگر ضرر اٹھا کر، مثلاً اگر جنون، کوڑھ یا برص ہو، چاہے یہ عیوب شادی سے قبل کے ہوں یا بعد میں لاحق ہوئے ہوں اور وہ ان کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو، اگر شادی سے قبل وہ اس کے عیب سے واقف تھی یا عقد کے بعد عیب ظاہر ہوا اور اس نے صراحت سے یا اشارے سے کہا کہ وہ راضی ہے پھر بعد میں کبھی علیحدگی کا خواہاں ہونا اس کے لیے جائز نہ ہوگا، اس حال میں علیحدگی بائنہ طلاق سمجھی جائے گی اور اس عیب کے ضمن میں ماہرین سے رجوع کیا جائے گا جو مفصل معائنہ کر کے رائے دیں گے کہ کس حد تک اس کا برقرار رہنا متوقع ہے، احناف کے نزدیک اس باب میں یہ امر بھی داخل ہے کہ عاقلہ و بالغہ نے خود ہی اپنے کسی کفو سے نکاح کر لیا، لیکن مہر اس کے طبقے کی خواتین کے مہور سے کم رکھا گیا اور اس میں اس کے قریب ترین رشتہ دار کی مرضی و مشورہ شامل نہ تھا، اسی طرح اگر کسی کم عمر مرد یا عورت کی شادی والد یا دادا کی عدم موجودگی میں کسی دیگر ولی نے کرادی اور کفویت بھی ہے اور مہر بھی وہی رکھا جو اس طبقہ میں رائج ہے، مگر یہ عقد لازم نہ ہوگا، اس بارے ولایت کے باب میں تفصیل بیان ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب

www.KitaboSunnat.com

محرم خواتین کا بیان

جس خاتون سے شادی کرنا مقصود ہو اس کی نسبت شرط ہے کہ وہ اس کے لیے محرم نہ ہو، چاہے یہ تحریم ابدی ہو یا عارضی، ابدی حرمت تو ہمیشہ کے لیے شادی سے مانع ہے، جبکہ عارضی حرمت اس وقت تک جب تک اس کا سبب موجود ہے، اس کے زوال کی صورت میں وہ اس کے لیے حلال ہو جائے گی، ابدی تحریم کے اسباب درج ذیل ہیں:

① نسبی ② مصاہرتی ③ رضاعی اور یہ اس فرمانِ الٰہی میں مذکور ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (النساء: ٢٣)

''حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہای پالی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا، بے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شک اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

حرمت کئی انواع میں منحصر ہے، ذیل میں تفصیل سے ان سب کا ذکر کیا جاتا ہے:

① نسبی محرمات

۱۔ مائیں۔ ۲۔ بیٹیاں۔ ۳۔ بہنیں۔ ۴۔ پھوپھیاں۔ ۵۔ خالائیں۔ ۶۔ بھتیجیاں۔ ۷۔ بھانجیاں

ماں: اس اسم کے تحت وہ خاتون داخل ہے، جس کے بطن سے اس کی ولادت ہوئی، اس طرح اس خاتون (یعنی حقیقی والدہ) کے اوپر کے یہ رشتے یعنی نانی، پرنانی اور والد کی ماں اور اس کی ماں اور اس سے اوپر بھی۔

بیٹی: وہ خاتون جس کی ولادت اس کے صلب سے ہوئی اور اس میں اس کی اس حقیقی بیٹی سے آگے چلنے والی سب نسل بھی شامل ہے۔

بہن: یہ وہ خاتون جو ماں باپ دونوں یا ایک جانب سے صلب میں تمہاری شریک ہو۔

پھوپھی: وہ خاتون جو تمہارے والد یا دادا میں دونوں جانب (یعنی والد اور والدہ) سے تمہاری شریکِ صلب ہو یا ایک طرف سے، کبھی یہ رشتہ والدہ کی جانب سے ہوتا ہے اور یہ تمہاری والدہ کے باپ کی بہن (تو وہ بھی محرم ہے)۔

خالہ: وہ خاتون جو تمہاری والدہ کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک کی طرف سے شریکِ صلب ہو، کبھی یہ والد کی جانب سے ہوگی اور یہ تمہارے والد کی ماں کی بہن ہے۔

بھتیجی: تمہاری بھائی کے صلب سے پیدا ہونے والی خاتون، واسطہ کے ساتھ ہو یا بلا واسطہ اسی طرح ہی بھانجی کا معاملہ ہے۔

② مصاہرت کے رشتہ کے سبب ہونے والی محرمات

ساس اور اس کی نانی اور اس کی دادی بھی اور اس سے اوپر کے رشتے: کیونکہ مذکورہ آیت میں ہے: ﴿وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ ان کی تحریم میں دخول ہو چکا ہونا شرط نہیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ مجرد عقدِ نکاح سے ان کی حرمت ثابت ہوئی۔ ①

بیوی جس سے دخول ہو چکا، کی بیٹی اور اس میں نیچے کے تمام رشتے بھی شامل ہیں کیونکہ یہ سب اس کی بیوی کی بیٹیاں لگیں، مذکورہ آیت میں ہے:

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (النساء: ٢٣)

''اور تمہاری پالی ہوئی لڑکیاں، جو تمہاری گود میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

ربائب ربیبۃ کی جمع ہے، آدمی کی ربیب ہر وہ جو اس کی بیوی کی سابقہ شوہر/شوہروں سے اولاد ہو ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''یعنی جو تمہارے زیرِ پرورش ہوں'' اس ضمن کی غالب صورتحال کا بیان ہے کہ عموماً ان کی تربیت اسی کے گھر میں ہوتی ہے، یہ شرط یا قید نہیں کہ بیوی کی سابقہ شوہر سے بیٹی اگر اس کے گھر میں زیرِ پرورش نہیں تب وہ محرم نہیں بلکہ وہ بہر صورت اس کے لیے محرم ہے! ظاہر یہ کہ ہاں یہ قید ہے، ان کے نزدیک اس صورت میں کہ وہ اس کے گھر میں زیرِ پرورش نہیں رہی، اس کے لیے محرم نہ بنے گی، یہ بعض صحابہ سے بھی منقول ہے چنانچہ مالک بن اوس رحمہ اللہ سے منقول ہے کہتے ہیں میری ایک بیوی فوت ہوگئی، اس سے میری اولاد بھی ہوئی، میں غمناک تھا، علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی، تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ کہا: بیوی فوت ہوگئی ہے، کہا: کیا اس کی (سابقہ شوہر سے) کوئی بیٹی تھی؟ کہا: ہاں طائف میں ہے، پوچھا: تمہارے گھر میں اس کی پرورش ہوئی؟ کہا: نہیں، بولے تب اس سے نکاح کر سکتے ہو، میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ کہنے لگے: یہ تب جب وہ تمہارے ہاں زیرِ پرورش رہی ہوں جمہور نے اس رائے کو رد کیا ہے، ان کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ثابت

① بقول محشی ابن عباس اور زید بن ثابت سے منقول ہے کہ اگر دخول سے قبل ہی علیحدگی ہوگئی تب اس کی والدہ سے شادی کرنا جائز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں، کیونکہ یہ ابراہیم بن عبید عن مالک بن اوس عن علی کی روایت سے ہے اور ابراہیم ہذا غیر معروف ہیں اور اکثر اہل علم نے اس کا رد و خلاف کیا ہے۔

بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی اور اس سے نیچے کے رشتے بھی کیونکہ فرمایا: ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ (النساء: ٢٣) حلائل حليلة کی جمع ہے، یعنی بیوی، شوہر کو حلیل کہا جاتا ہے، اگرچہ دخول نہ بھی ہوا ہو، جاہلیت میں اس سے نکاح کر لینا عام تھا اور اسے وہ (زواج المقت) کا نام دیتے تھے اور اس کے نتیجہ میں ہونے والا بچہ مُقیت یا مُقتی کہلاتا تھا، اللہ نے اس سے منع فرما دیا، امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قباحت کے تین مراتب ہیں: عقلی، شرعی اور عرفی قباحت! تو اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو ان تینوں کے ساتھ متصف کیا ہے چنانچہ قولہ: ﴿فَاحِشَةً﴾ اس کی شرعی قباحت اور قولہ: ﴿وَسَاءَ سَبِيْلًا﴾ اس کی (عقلی اور) عرفی قباحت کی طرف اشارہ ہے، امام ابن سعد رحمہ اللہ نے محمد بن کعب سے اس آیت کے نزول کا یہ سبب نقل کیا، کہتے ہیں اگر کوئی فوت ہو جاتا تو اس کا بیٹا اس کی زوجہ (یعنی اپنی سوتیلی والدہ) سے شادی کر لینے کا سب سے زیادہ حقدار سمجھا جاتا تھا اگر وہ چاہتا، یا جس سے چاہے اس کی شادی کرا دے تو جب ابو قیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے محصن ان کی زوجہ (یعنی اپنی سوتیلی والدہ) کے نکاح کے ولی بنے، تو نہ اسے نان نفقہ دیا اور نہ وراثت سے کوئی حصہ دیا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور یہ مسئلہ پیش کیا، آپ نے فرمایا: ''ابھی تو واپس جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ اس بارے کوئی حکم نازل کر دے۔'' تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (النساء: ٢٢) ''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں، مگر جو گزر چکا، بے شک یہ ہمیشہ سے بے حیائی اور سخت غصے کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔'' [1]

---

[1] ضعيف، الدر المنثور: ٢/ ٤٦٨؛ أسباب النزول للواحدي: ١٧٩۔ شیخ سلیم الھلالی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احناف کی رائے ہے کہ جس نے کسی عورت سے زنا کیا یا صرف لمس کیا یا اسے بوسہ دیا یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ دیکھ لی، اب اس خاتون کے سب اصول وفروع (یعنی اوپر اور نیچے کی نسلیں) اس کے لیے محرم بن گئے اور وہ خاتون بھی اس مرد کے تمام اصول وفرع کی محرم بنی، کیونکہ ان کے نزدیک حرمتِ مصاہرت زنا کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے مثل ہی اس کے دواعی اور مقدمات ہیں (یعنی لمس اور بوسہ وغیرہ)، کہتے ہیں اگر کوئی اپنی ساس سے یا اپنی سوتیلی بیٹی سے زنا کرے، تو وہ اب اس کے لیے ابدی طور سے محرم بنی، جمہور علماء کے ہاں زنا کے ساتھ حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اس پر استدلال کیا:

﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ﴾ (النساء: ٢٤) ''ان کے ماسوا تمہارے لیے حلال ہے۔'' تو یہ سابق الذکر محرمات کے بعد ان کے ماسوا کی حلت کا بیان ہے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ زنا بھی اسبابِ حرمت سے ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے بارہ میں سوال ہوا، جس نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس سے یا اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہی تو فرمایا: ''حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، حرمت صرف نکاح سے واقع ہوگی۔'' ① اسے سیدنا ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا انہوں نے اس ضمن کے جو احکام ذکر کیے ہیں، یہ وہ جن کی عموماً ضرورت پڑتی ہے اور جن کے ساتھ کبھی کبھار واسطہ پڑتا ہے اور شارع ان سے ساکت نہیں رہ سکتے تھے کہ نہ قرآن میں کچھ نازل ہو اور نہ سنت سے کوئی رہنمائی ملے اور نہ صحابہ سے کوئی اثر موجود ہو، جبکہ ان کا زمانہ جاہلیت ابھی قریب العہد ہی تھا، جس میں ان کے ہاں زنا عام تھا، تو اگر ان میں سے کوئی سمجھتا کہ اس کے لیے شرع میں کوئی مدرک ہوگا یا اس پر کوئی علت وحکمت دال ہوگی، تو ضرور اس بارے استفسار کرتے، اور اس لیے کہ زنا کے ساتھ عورت خراش (یعنی منکوحہ کی مثل) نہیں ہو جاتی، لہٰذا اس سے مصاہرت کی حرمت قائم نہیں ہو سکتی، جیسے بغیر شہوت کے اگر مل لیں۔

① ضعیف، سنن ابن ماجہ: ٢٠١٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ رضاعی محرمات

رضاع کے سبب وہ سب رشتے محرم ہو جاتے ہیں، جو نسبی طور سے ہوں اور نسبی طور سے یہ رشتے محرم بنتے ہیں:

ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجیاں اور بھانجیاں (جیسا کہ ان کی بابت مفصل بیان گزرا) یہ وہ جن کی تبیین اس آیت میں ہوئی: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ﴾ الخ، اس پر مرضعہ والدہ کے مرتبہ پر اتاری گئی ہے، لہٰذا مرضع پر یہ اور سب وہ رشتے محرم ہیں، جو اس کی نسبی والدہ کی جانب سے محرم ہیں تو:

① مرضعہ خاتون: کہ یہ بوجہ دودھ پلانے کے اس کے لیے بمنزلہ والدہ ہے۔

② مرضعہ کی والدہ کہ یہ اس کی نسبت بمنزلہ دادی ہے۔

③ رضاعی والد کی والدہ کہ اس کی حیثیت بھی اس کے لیے دادی کی سی ہے۔

④ رضاعی والدہ کی بہن کیونکہ یہ اس کے لیے بمنزلہ خالہ ہے۔

⑤ رضاعی والد کی بہن یہ اس کے لیے پھوپھی کے بمنزلہ ہے۔

⑥ رضاعی والدہ کے بیٹیوں اور بیٹوں کی بیٹیاں کیونکہ یہ اس کے لیے بھتیجیاں اور بھانجیاں ہوئیں۔

⑦ بہن چاہے رضاعی والد کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے یا دونوں کی طرف سے۔

کتنی مقدار کی رضاعت سے یہ حرمت ثابت ہوگی؟

بظاہر وہ دودھ پلانا جس کے ساتھ حرمت ثابت ہوگی، مطلق رضاع ہے اور یہ متحقق نہ ہوگی، مگر کامل رضاعت سے اور وہ یہ کہ بچہ پستان کو منہ لگائے اور اس سے دودھ چوسے اور سیر ہو کر خود ہی منہ ہٹائے! اگر ایک یا دو دفعہ بس منہ لگایا ہے، تو اس سے یہ رضاعی تعلق قائم و ثابت نہ ہوگا، کیونکہ یہ رضعہ سے کمتر ہے اور اسے (ایک مرتبہ کی) غذا نہیں کہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاسکتا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ)) ① ''ایک یا دو دفعہ کا دودھ چوسنا محرم نہیں بنائے گا۔'' اسے ماسوائے بخاری کے جماعت نے نقل کیا، مصة مص سے فعلة ہے، یعنی تھوڑی سی مقدار میں لینا، کہا جاتا ہے: (أَمُصُّهُ) اور (مَصَصْتُهُ) یعنی تھوڑا سا پیا، یہی مفہوم ہمیں یہاں واضح معلوم پڑتا ہے، اس مسئلے میں اہلِ علم کی متعدد آراء ہیں، اجمالاً ان کا ذکر حسبِ ذیل ہے:

① حرمت قائم کرنے کے بارے میں قلیل اور کثیر رضاعت ایک برابر ہے، آیت میں رضاع کے اطلاق سے اخذ کرتے ہوئے اور پھر بخاری اور مسلم کی سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کے پیش نظر جو کہتے ہیں: میری ام یحییٰ بنت ابواہاب سے شادی ہوئی، تو ایک لونڈی آئی اور کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ کہتے ہیں: میں (مکہ سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ مسئلہ گوش گزار کیا، تو فرمایا: ''اب اس نے یہ بات کہی ہے، لہٰذا اسے چھوڑ دو۔'' ② تو یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت (یعنی دودھ چسوانے) کی تعداد کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا، بلکہ مطلقاً ہی رضاعت کا سن کر اسے چھوڑ دینے کا حکم دیا اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ بس اِرضاع (دودھ پلوانے) کا اعتبار ہے، تو جہاں اس کا وجود متحقق ہو، وہیں یہ حکم لاگو ہوگا اور اس لیے کہ یہ فعل ہے، جس سے حرمت متعلق ہے، لہٰذا اس میں قلیل و کثیر مستوی ہیں اور اس لیے کہ ہڈی کا انشاز (یعنی بڑھانا) اور گوشت کا لگنا، اس کے قلیل و کثیر دونوں سے ہوگا، یہ سیدنا علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، حسن بصری، زہری، قتادہ، حماد، اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ اور مالک رحمہم اللہ کا مذہب ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

② حرمت پانچ الگ الگ رضعات سے کم کے ساتھ ثابت نہ ہوگی، کیونکہ مسلم، ابو داود اور نسائی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا، کہتی ہیں: قرآن مجید کی ایک آیت میں

---

① صحيح مسلم: ١٤٥٠؛ سنن أبي داود: ٢٠٦٣۔
② صحيح البخاري: ٥١٠٤؛ سنن أبي داود: ٣٦٠٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دس رضعات معلومات کا ذکر نازل ہوا تھا کہ یہ محرم بنائیں گے، پھر منسوخ کر کے پانچ رضعات بارے آیت نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ جب فوت ہوئے تو یہ آیت پڑھی جاتی تھی۔ [1] اور یہ کتاب وسنت کے اطلاق کی تقیید ہے اور مطلق کی تقیید جو نہ نسخ ہے اور نہ تخصیص، مؤلف کہتے ہیں، اگر یہ اعتراض نہ بھی کیا جائے کہ قرآن وہی ہے جو تواتر سے ثابت ہوا اور اگر یہ بات صحیح ہوتی، تو مخالفین پر یہ مخفی نہ ہوتی، بالخصوص سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تب ہم اسے سب سے قوی رائے قرار دے سکتے تھے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایتِ عائشہ کو نظر انداز کیا ہے، یہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بھی یہی ہے، اسی طرح ابن زبیر، عطاء، طاؤس، شافعی، احمد رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب، ابن حزم رحمہ اللہ اور اکثر اہل الحدیث کا بھی۔

③ حرمت (کم از کم) تین رضعات کے ساتھ ثابت ہوگی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک سابق الذکر روایت میں ایک مصہ اور دو مصوں سے ثبوتِ حرمت کی نفی کی ہے، لہٰذا یہ تین سے کم رضعات سے نفیِ تحریم کی تصریح ہے! یہی موقف ابو عبید، ابو ثور، داود ظاہری اور ابن منذر رحمہ اللہ نے اختیار کیا، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

مرضعہ کا دودھ مطلقاً ہی محرم بنا دیتا ہے

چاہے پستان کو منہ لگا کر پیا ہو یا اس کے حلق میں ڈالا گیا ہو، یا اس کے ناک کے ذریعہ اس کے جسم میں داخل کیا گیا ہو، اس طور پر کہ اس کی غذا بنا ہو (یا بذریعہ انجکشن یا ڈراپ) اور اس کی بھوک کا اس نے مداوا کیا ہو اور ایک رضعہ کے بقدر ہو، چونکہ پستان کو منہ لگانے سے دیگر ان مذکورہ طریقوں سے دودھ اس کے جسم پہنچا دینے سے بھی وہ مقصد حاصل ہوا، جو روایتی طریقہ سے ہے، لہٰذا تحریم میں یہ اس کے مساوی ہے۔

[1] صحیح مسلم: ۱۴۵۲؛ سنن أبی داود: ۲۰۶۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلوط دودھ

اگر عورت کا دودھ کسی دیگر غذائی چیز کے ساتھ مختلط ہوا، مثلاً طعام، کسی مشروب یا دوا یا بکری وغیرہ کے دودھ کے ساتھ، تو اگر غالب حصہ عورت کا دودھ تھا، تب حرمت قائم ہوجائے گی اور اگر وہ غالب حصہ نہ تھا تب نہیں، یہ احناف، مزنی اور ابوثور رحمہم اللہ کا مذہب ہے مالکیہ کے امام ابن قاسم رحمہ اللہ نے کہا: اگر عورت کا دودھ پانی وغیرہ میں خلط کیا گیا، پھر بچے نے پی لیا تو حرمت واقع نہ ہوگی، امام شافعی، ابن حبیب، مطرف رحمہم اللہ اور اصحاب مالک میں سے ابن ماجشون رحمہ اللہ قائل ہیں کہ اس سے بھی حرمت قائم ہوجائے گی، علامہ ابن رشد رحمہ اللہ کے بقول: ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ دیگر کے ساتھ مخلوط ہونے کی صورت میں آیا دودھ کے لیے حرمت کا حکم باقی ہوگا یا نہیں؟ جیسے نجاست کا معاملہ ہے، جب وہ کسی حلال پاک چیز کے ساتھ خلط ہو، اس میں قابلِ اعتبار ضابطہ یہ ہوگا کہ اگر خلط کے بعد وہ دودھ لگے (یعنی دودھ اس کا غالب حصہ ہے اور نظر آنے میں دودھ دکھائی دے) تب حرمت قائم ہوجائے گی، جیسے پانی کا معاملہ ہے، جب اس میں کسی پاک چیز کو خلط کریں (تو اگر دکھائی دینے میں وہ پانی لگے تب اسے پانی کا نام ہی دیا جائے گا اور اس کے ساتھ (وضو اور غسل وغیرہ جائز ہوگا)۔

مرضعہ کی صفت

وہ خاتون جس کے دودھ سے حرمت ثابت ہوگی، یہ ہر وہ جس کے پستان سے دودھ جاری ہوا چاہے وہ بالغ ہو یا نہیں اور چاہے وہ (اس عمر میں ہو کہ) حیض آنے سے مایوس ہو یا نہیں اور چاہے اس کا شوہر ہو یا نہیں اور چاہے حاملہ ہو یا نہیں ہو۔

رضاعت کی عمر

جس رضاعت سے مذکورہ بالا حرمت ثابت ہوگی، یہ وہ جو (ابتدائی) دو برس کے دوران میں ہو جن کا ذکر اس آیت میں ہوا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة: ۲۳۳)

"اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں، اگر شوہر کا ارادہ کامل مدت تک دودھ پلوانا ہو۔"

کیونکہ رضیع اس مدت میں صغیر ہوتا ہے، جس کی ساری غذا بس دودھ ہی ہے، اسی سے اس کا جسم پروان چڑھتا ہے، لہٰذا وہ مرضعہ کا جزو بن جاتا ہے، تو حرمت میں وہ اس کی اولاد کے ساتھ مشترک ہو جائے گا، دارقطنی اور ابن عدی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ (لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ)① "یعنی رضاعت نہیں مگر دو سال میں۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کیا گیا: ((لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ))② "رضاعت وہ جو ہڈی بڑھائے اور گوشت اگائے۔" اسے ابو داود نے نقل کیا اور یہ اسی کے لیے ہوگا جو ابتدائی دو برسوں میں دودھ پیے کہ (صرف) دودھ کے ساتھ اس کی ہڈیاں پروان چڑھتی اور گوشت نمو پاتا ہے (اور یہی اس کی غذا ہے) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ))③ "یعنی وہی رضاعت محرم بنائے گی، جو انتڑیاں بھر دے اور جو دودھ چھڑانے کی مدت (یعنی دو سال) سے قبل ہو۔" اسے ترمذی نے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا، امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بقول یہ روایت منقطع ہے۔

اگر شیر خوار کا دو برس سے قبل دودھ چھڑوا دیا گیا اور غذا دی جانے لگی، پھر کسی خاتون نے اسے دودھ پلا دیا تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی حرمت قائم ہو جائے گی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ))④ "یعنی رضاعت وہی معتبر ہے، جو ایک بار کی بھوک دور کر دے۔"

---

① صحيح موقوف، سنن الداقطني: ٤/ ١٧٤؛ سنن الكبرى للبيهقي: ٧/ ٤٦٢۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے موقوفاً صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: بلوغ المرام: ۱۱۳۴۔

② صحيح، سنن أبي داود: ۲۰۵۹۔ ③ صحيح، سنن ترمذي: ۱۱۵۲۔

④ صحيح البخاري: ۵۱۰۲؛ صحيح مسلم: ۱۴۵۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: دو برس کے بعد رضاعت سے چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر حرمت ثابت نہ ہوگی اور وہ اب پانی کے بمنزلہ ہے۔ کہتے ہیں: اگر دو برس پورے ہونے سے قبل ہی دودھ چھڑوا دیا گیا (اور غذا شروع کر دی گئی) اور وہ اس سے مستغنی ہو گیا، تو اب اگر کسی دن پھر کسی خاتون کا دودھ پی لیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

بڑی عمر والے کو دودھ پلانا

جمہور کے نزدیک بڑی عمر میں (کسی خاتون کا) دودھ پی لینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی! سلف اور خلف کی ایک جماعت کا موقف تھا کہ اس طرح بھی حرمت قائم ہو جائے گی، چاہے وہ شیخِ کبیر ہی ہو، یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی اور یہی سیدنا علی، عروہ بن زبیر، عطاء بن ابو رباح، لیث بن سعد اور ابن حزم رحمہم اللہ سے منقول ہے، ان کا اس پر استدلال مالک کی زہری سے روایت سے ہے کہ ان سے بڑی عمر والے کی رضاعت بارے پوچھا گیا، تو کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ ”سالم (مولی ابو حذیفہ) کو اپنا دودھ پلا دو۔“[1] انہوں نے اسے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا (اور متبنی بنانا کالعدم ہو جانے کے بعد جیسا کہ آگے اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کے شوہر سالم کے پہلے کی طرح گھر آنے پر معترض تھے تو یہ ان کے لیے خصوصی کرم فرمائی تھی، ان کا سالم سے بیٹوں والا لگاؤ تھا) عروہ نے کہا: تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے اخذ کیا، جن بالغوں کو وہ اپنے پاس آتا جاتا دیکھنا چاہتیں، تو اپنی بہن ام کلثوم اور اپنے بھائی کی بیٹیوں کو کہتیں کہ انہیں اپنا دودھ پلا دیں، تو یوں ان سے حرمت کا رشتہ قائم ہو جاتا (اور پردہ ساقط ہو جاتا) امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نے روایت نقل کی کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سالم کو اپنا متبنیٰ بنایا ہوا تھا اور وہ ایک انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبنی بنایا تھا، اگر قبل از اسلام کسی کو کوئی اپنا متبنی بنا لیتا، تو وہ اب اس کی نسبت سے پکارا جاتا اور وہ

[1] صحیح مسلم: ۱۴۵۳/ ۱۳۱؛ سنن ابن ماجہ: ۹۴۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی میراث سے حصہ بھی پاتا تھا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت نازل کی: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ﴾ (الأحزاب: ٥) ''انہیں ان کے حقیقی والد کی نسبت سے ہی پکارو، یہی اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے، اگر تمہیں ان کے آباء بارے کچھ معلوم نہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور موالی ہیں۔'' تو اس کے بعد انہیں ان کے حقیقی آباء کی نسبت سے پکارا جائے گا، جن حضرات کی نسبت معلوم نہ تھی، انہیں مولیٰ اور دینی بھائی کہا گیا، سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا خدمتِ نبوی میں آئیں اور عرض کی کہ ہم تو سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے ہیں اور وہ میرے اور حذیفہ (سہلہ کے شوہر) کے ساتھ ہی رہتا ہے اور گھر کے کام کاج کے دوران میں بے پردگی کے عالم میں مجھے دیکھتا تھا اور اب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی ہے (تو اب ہم کیا کریں) فرمایا: ''اسے پانچ بار اپنا دودھ پلا دو۔''① تو اس طرح وہ ان کے رضاعی بیٹے کی حیثیت میں ہو گئے! زینب بنت ام سلمہ سے مروی ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تمہارے پاس ایک جوان لڑکا آتا جاتا ہے، میں تو پسند نہیں کرتی کہ وہ میرے ہاں آئے جائے (یعنی بے حجابی کی صورت میں) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسوہ حسنہ نہیں؟ جب ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے آپ سے عرض کی تھی کہ سالم بالغ ہے اور میرے پاس آتا ہے (یعنی متبنی کی حیثیت سے، وہی اوپر والا واقعہ) اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اسے محسوس کرنے لگے ہیں، تو آپ نے کہا تھا: ''اسے اپنا دودھ پلا دو تا کہ آنے جانے کا مسئلہ نہ رہے۔''②

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی اس ضمن میں تحقیق یہ ہے کہ حدیثِ سہلہ منسوخ نہیں اور نہ (انہی کے ساتھ) مخصوص ہے اور نہ یہ ہر ایک کے حق میں عام ہے، یہ دراصل ضرورت کی ایک رخصت ہے، ان حضرات و خواتین کے لیے جو کسی کے اپنے ہاں آنے جانے سے مستغنی نہیں ہو سکتے اور ان سے پردہ کرنا ایک دشوار امر ہے، جیسے سالم کا معاملہ تھا، تو اس

① صحیح، مؤطا امام مالك: ٢/٦٠٥، ٦٠٦؛ صحیح ابن حبان: ٤٢١٥؛ (شعیب ارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے) ② صحیح مسلم: ١٤٥٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح کی صورتحال میں ضرورت کے تحت بڑی عمر والے کو بھی دودھ پلا کر رضاعی رشتہ قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ضرورت نہ ہو تب اس کی اجازت اور جواز نہ ہوگا، اور یہی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مسلک تھا، بڑی عمر میں رضاعت کی نفی کرنے والی احادیث یا تو مطلق ہیں تو انہیں حدیثِ سہلہ ہذا کے ساتھ مقید کیا جائے گا اور یا وہ تمام احوال میں عام ہیں، تو ان کے عموم کو اس حالت کے ساتھ مختص کیا جائے گا اور یہ نسخ یا کسی معین شخص کے ساتھ اس کے خاص ہونے کا دعوی کرنے سے اولیٰ اور دونوں جانب کی روایات پر عمل کے لحاظ سے اقرب ہے اور قواعدِ شرع اس کے لیے شاہد ہیں۔

رضاعت پر گواہی

مسئلہِ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہوگی، اگر وہ مرضیہ (ثقہ) ہے، سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت کے مدِنظر جس میں ایک حبشن لونڈی نے گواہی دی کہ میں نے تم دونوں میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں علیحدگی کا حکم دے دیا تھا، اس حدیث کے امام ساتھ طاؤس، زہری، ابن ابوذئب اور اوزاعی رحمہم اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔ اس امر پر حجت اخذ کی کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہے، جمہور کا مسلک ہے کہ اس ضمن میں صرف اکیلی مرضعہ کا دعوی قبول نہ ہوگا، کیونکہ یہ تو اس کی خود اپنے فعل پر گواہی ہے، ابوعبید نے سیدنا عمر، مغیرہ بن شعبہ، علی بن ابو طالب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بارے نقل کیا کہ ایک عورت کے دعوی کی بنیاد پر انہوں نے میاں بیوی کے مابین علیحدگی سے انکار کیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا تھا کہ اگر (مرضعہ کے قول کے سوا) کوئی دیگر دلیل موجود ہے، تو ٹھیک وگرنہ میاں بیوی کو تنگ نہ کرو، ہاں! اگر وہ خود ہی تنزہاً (یعنی احتیاطاً) الگ ہونا چاہیں تو ٹھیک ہے، کیونکہ اگر یہ باب کھول دیا گیا تو کسی گھرانہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے جب چاہے کوئی عورت اٹھ کر کہہ دے گی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، احناف کا مذہب یہ ہے کہ رضاعت ثابت کرنے کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اکیلی عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ

(البقرة: ۲۸۲) ''اور اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو گواہ بنا لو، پھر اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو۔'' بیہقی نے نقل کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی، جس نے ایک مرد اور اس کی بیوی کی بابت گواہی دی کہ اس نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے، تو کہا: نہیں حتی کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی تائید کریں۔① امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ چار عورتوں کی گواہی پر بھی (یعنی مرد اگر نہ بھی ہو) رضاعت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوئیں، اور پھر عموماً رضاعت اور ولادت کے معاملات پر خواتین ہی زیادہ مطلع ہوتی ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی بھی قبول ہے، اس شرط کے ساتھ کہ ان کا قول با قاعدہ گواہی سے قبل عام اور پھیل چکا ہو، امام ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض نے سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ندب (یعنی استحباب) پر محمول کیا ہے، تا کہ اس کے اور اصول کے مابین تطبیق ہو، بقول ان کے یہی انسب ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

رضاعی والدہ کے شوہر کی رضیع کے لیے حیثیت

یہ اس کے لیے بمنزلہ والد ہے اور اس کا بھائی اس کا (رضاعی) چچا بنا، سابق الذکر حدیثِ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مدِ نظر اور اس حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''ابو القعیس کے بھائی افلح کو اندر آنے کی اجازت دے دو، کیونکہ وہ تمہارا چچا لگا۔''② (کیونکہ ابو القعیس کی بیوی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا دودھ پلایا تھا) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ ایک آدمی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک نے ایک لڑکی کو اور دوسری نے ایک لڑکے کو اپنا دودھ پلایا، تو کیا اس لڑکے کی اس لڑکی سے شادی ہو سکتی ہے؟ انہوں نے کہا:

---

① مرسل، سنن الکبری للبیہقی: ۱۵۶۷۶۔

② صحیح البخاری: ۵۲۳۹؛ صحیح مسلم: ۳/ ۱۴۴۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیونکہ لقاح واحد (دونوں کے بطن میں داخل ہوا مادہ منویہ ایک ہی شخص کا ہے) اور یہی ائمہ اربعہ، اوزاعی اور ثوری ﷭ کی رائے ہے، صحابہ میں سے سیدنا علی اور ابن عباس ﷠ بھی اسی کے قائل تھے۔

رضاعت کے معاملے میں تساہل

کثیر خواتین رضاعت کے معاملے میں تساہل کا شکار ہیں، وہ آسانی سے کسی بھی عورت یا کئی عورتوں سے اپنے بچے کو دودھ پلوا دیتی ہیں، پھر ان کی اولاد اور دیگر اقارب کی معرفت کا کوئی اہتمام نہیں کرتیں، تاکہ شرعی احکام کا نفاذ ہو اور حرمت قائم ہو (اور سب کو اس کا پتہ بھی چلے) شارع نے تو اسے نسب کے رشتوں کے مساوی قرار دیا ہے تو لاعلمی میں محرم عورتوں سے رشتے ناطے ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ اس معاملے میں احتیاط سے کام لیا جائے، تاکہ کسی قسم کا محظور معاملہ واقع نہ ہو۔

حرمت کی حکمت

مؤلف تفسیر المنار (علامہ رشید رضا مصری ﷫) لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان کئی طرح کے تعلقات بنائے ہیں، جن کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور دفعِ ضرر اور جلبِ نفع پر ایک دوسرے کے مددگار بنتے ہیں، ان تعلقات میں سب سے مضبوط اور پختہ تعلق قرابتداری اور مصاہرت کا ہے، ان دونوں قسم کے تعلق کے لیے کئی باہم متفاوت درجات ہیں، جہاں تک قرابتداری کا تعلق ہے، تو اس کا سب سے قوی رتبہ اولاد اور والدین کی باہمی شفقت اور مودت ہے، جسے بچپن میں والدین کی شفقت اور پدرانہ محبت ملی وہ اپنے آپ میں تربیتِ اولاد کا ایک فطری داعیہ پائے گا اور انہیں وہ اپنے جسم کے ایک عضو کی حیثیت سے دیکھے گا اور ردعمل میں اپنی اولاد سے بھی اس قسم کا جذبہ اور احساس پائے گا، جب وہ خیال کریں گے کہ ان کا والد ان کے وجود کا سبب اور ان کی حیات کا مد اور اس کی تادیب و تربیت کا قوام اور اس کے شرف کا عنوان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے! یہ شعور و آگہی اسے اس رشتہ کا احترام سکھلائے گی اور زندگی کے میدان میں ایک دوسرے کے لیے مددگار ثابت ہوں گے، یہ استاد امام محمد عبدہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے۔

کسی انسان پر یہ امر مخفی نہیں کہ والد کے جذبے کی نسبت ماں کی شفقت کا جذبہ اقوی ہوتا ہے اور اس کی مہربانی اس کی مہربانی سے فزوں تر ہے، کیونکہ فطرتا وہ زیادہ رقیق القلب اور ادق شعور کی مالک ہوتی ہے، پھر بچے نے اس کے خون سے نشوونما پائی اور اس کے بطن میں ایک مدت گزاری ہے، پھر شیر خواری میں اس کا دودھ اس کی غذا بن کر اس کے جسم کا حصہ بنا، ایک بچہ سب سے قبل اپنی والدہ کو ہی پہچانتا ہے اور وہ دنیا میں اس کی اولین محبوب فرد ہوتی ہے، والد اور دیگر سب کی محبتیں اس کے بعد شروع ہوتی ہیں، لہٰذا ان کا درجہ بھی ماں کی محبت سے کمتر ہے، اگرچہ وہ دونوں کو احترام ایک جیسا ہی دیتا ہے، بلکہ شاید والد کو زیادہ تو کیا یہ فطرت کے خلاف ایک معاندانہ اقدام نہ ہوگا، اگر والدین اور اولاد کی اس باہمی عظیم محبت اور اس تعلق کے شہوتوں اور لذات کی محبت پر مبنی کوئی اور تعلق مزاحم ہو اور اس کا اِفساد کرے؟ اسی لیے ماؤں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا اور محارم کے بیان والی آیت میں سب سے قبل اسی کا ذکر ہوا ہے، اس کے بعد بیٹیوں کی حرمت کا، اگر اس طرح کے واقعات نہ ہوئے ہوتے کہ کئی بدبخت ان عظیم رشتوں کی حرمت کا پاس نہیں کرتے، تو ایک سلیم الفطرت انسان تعجب کیا کرتا کہ ماؤں اور بیٹیوں کی حرمت کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (کہ یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے) کیونکہ اس کی فطرت محسوس کرتی ہے کہ شہوت کی نظر سے انہیں دیکھنا مستحیل کی قبیل سے ہے۔

جہاں تک بہن بھائی تو ان سے تعلق بھی والدین اور اولاد کے باہمی تعلق کے مشابہ ہے، اس طرح کہ سبھی ایک ہی جسم کے اعضا (کی مثل) ہیں کہ بہن بھائی ایک ہی اصل سے نسبت کے حامل ہیں، بغیر کسی تفاوت کے اور ایک ہی گھر میں اور ایک ہی طرز پر دونوں صنف کی نشوونما ہوئی ہے، ان کے درمیان اخوت کا جذبہ و احساس ایک جیسا ہے، تو ان حقائق کے پیش نظر دونوں صنف کا باہمی انس مساوات پر مبنی ہے، نوع بشر کے ہاں اس کا مل مساوات کی مثل کوئی اور تعلق موجود نہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج (بن یوسف ثقفی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دربار میں ایک عورت نے اپنے شوہر، بیٹے اور اپنے بھائی کی جان کی دہائی دی، حجاج کا ارادہ انہیں قتل کرنے کا تھا، اس نے کہا: میں تمہاری سفارش پر ان میں سے کسی ایک کی جان بخشی کر دوں گا تم تینوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو تو اس نے بھائی کو اختیار کیا، اس نے اس سے اس کا سبب پوچھا، تو کہنے لگی، بھائی کا عوض نہیں مل سکتا جبکہ باقی دو کا عوض ممکن ہے، اسے یہ جواب اتنا پسند آیا کہ تینوں کی جان بخشی کر دی اور کہا: اگر اس نے بھائی کے سوا کسی کو اختیار کیا ہوتا تو میں تینوں کو قتل کر ڈالتا، خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اخوت کا تعلق ایک مضبوط فطری تعلق ہے اور اخوت کے احساس کے متولی ہونے کی وجہ سے ان کے مابین جنسی شہوت کا عمل دخل نہیں ہوتا، تو شریعت کی حکمت متقاضی ہوئی کہ انہیں بھی ایک دوسرے کے لیے محرم بنایا جائے۔

جہاں تک پھوپھیاں اور خالائیں تو یہ والد اور والدہ کی طِینَتْ (یعنی اسی مٹی یعنی مادہ منویہ سے) سے ہوتی ہیں، ایک حدیث میں ہے: ((عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ))[1] "یعنی چچا والد کی مثل ہے۔" یعنی دونوں (صنوان) کی مانند ہوتے ہیں، جو ایک ہی کھجور کے درخت کی جڑ سے نکلتے ہیں، تو چچا کے باپ اور خالہ کے والدہ سے اسی تعلق کی بنا پر علما نے کہا ہے کہ دادیاں بھی باپوں کی مثل محرم ہیں، تو یہ دینِ فطرت کے محاسن میں سے ہے کہ عمومت (یعنی والد کے بہن بھائی والے رشتے) اور خؤولت (یعنی والدہ کے بہن بھائی والے رشتے) کے اس جذبہ و احساس کی محافظت کی اور ان رشتوں کو شہوت کے دائرے سے باہر رکھا۔

جہاں تک بھتیجیاں اور بھانجیاں، تو وہ انسان کے لیے اس کی اپنی بیٹیوں کی مثل ہوتی ہیں کہ اس کا بھائی اور اس کی بہن اس کے اپنے نفس کی مانند ہیں، تو فطرتِ سلیمہ کا مالک بلکہ سقیم فطرت کے مالک لوگ بھی ان کی نسبت بھی وہی جذبات و احساسات رکھتے ہیں جو اپنی بیٹیوں کے لیے، البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان کی اپنی بیٹی پر شفقت و مودت بنسبت بھتیجی اور بھانجی کے زیادہ قوی ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ اس کی بضعہ (جسم کا حصہ)

---

[1] صحیح، سنن ترمذی: ۳۷۶۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس کی گود میں پلی بڑھی اور اس کی عنایات اور شفقتوں کا مرکز رہی ہے، اس کے باوصف انسان کا اپنے بھائی اور بہن سے انس اس کے اپنی بیٹیوں کے ساتھ انس سے اقوی ہوتا ہے، اس کی وجہ وہ جو قبل ازیں بیان ہوئی، جہاں تک پھوپھیوں اور خالاؤں کے درمیان اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کے درمیان فرق اور وہ یہ کہ ان کے لیے اس کی محبت عطف وشفقت کی محبت ہے، جبکہ ان کے لیے تکریم و احترام کی ہے، مگر دونوں اصناف مواقعِ شہوت سے بُعد کی حیثیت میں ایک برابر ہیں، آیت کریمہ میں پھوپھیوں اور خالاؤں کا ذکر پہلے ہوا کیونکہ ان سے والدین کی وجہ سے قرابت ہے، لہٰذا ان کا رشتہ بھائیوں اور بہنوں کے رشتہ سے اشرف واعلیٰ ہے۔

تو ان قریبی رشتوں کو ایک دوسرے کا محرم بنایا گیا کہ تا کہ ازواجی تعلق اور محبت کا رخ ان سے دیگر افراد کی طرف ہو، جن کے ساتھ فطری اور نسبی تعلق ان سے کمزور ہوتا ہے، یا بالکل بھی نہیں ہوتا، مثلاً اجنبی افراد یا دیگر خاندان اور ان قریبی دائروں سے باہر کے افراد مثلاً چچوں اور پھوپھیوں اور ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد تو یوں بنی نوعِ انسان کے درمیان مصاہرت کے رشتہ کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے قریب آتے اور نئی رشتہ داریاں اور تعلقات قائم ہوتے ہیں اور یہی حکمت ہے کہ مذکورہ بالا کو محرم بنایا گیا (کہ ان کے ساتھ تعلق تو پہلے سے ہی بہت مضبوط اور گہرا ہے)

آگے مؤلف المنار نے لکھا، یہاں ایک اور عظیم حکمت بھی ہے، وہ یہ کہ قریبی رشتہ داروں کی ہمیشہ ایک دوسرے سے ہی شادیاں کرنا ضعفِ نسل کا سبب بنتا ہے، اگر شادیوں کا دائرہ ہمیشہ محدود رکھیں (آپس ہی میں مسلسل کرتے رہیں) تو توالُد وتناسُل کا سلسلہ کمزور پڑتا رہتا ہے، حتی کہ آخر کار نسل منقطع ہو جائے گی اور اس کے دو اسباب ہیں: ایک یہ جس کی طرف فقہاء نے یہ کہہ کہ اشارہ کیا ہے کہ قوتِ نسل میاں بیوی میں تناسُل (یعنی نسل چلانے) کے داعیہ کی قوت کی مقدار پر ہوتی ہے اور یہ شہوت ہے اور یہ قریبی رشتہ داروں کے مابین ضعیف ہوتی ہے، اسے انہوں نے چچا زاد اور پھوپھی زاد سے شادی کرنے کی کراہت کی علت قرار دیا ہے، کیونکہ یہ شہوت دراصل ایک نفسانی شعور ہے، جس کے مضاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرابت کے جذبات کا شعور اس کا مزاحم ہوتا ہے تو یا تو یہ اسے کلیۃً زائل کر ڈالتا ہے یا پھر کمزور اور ڈھلمل کرتا ہے، دوسرا سبب جسے اطباء نے بیان کیا یہ کہ قریبی افراد کی آپس کی شادیاں طبی لحاظ سے نقصان دہ ہیں، اس کی مثال انہوں نے کاشتکاری کے میدان سے دی، وہ یہ کہ جس زمین میں مسلسل ایک ہی قسم کی فصل کاشت کی جاتی رہے، اس کی پیداواری صلاحیت آخر کار کمزور پڑ جاتی ہے، حتی کہ ایک وقت آتا ہے کہ بالکل ہی ختم ہوجاتی ہے، ان مواد کی قلت کی وجہ سے جو اس کی غذا کی قِوام ہیں اور دیگر ان مواد کی کثرت ہوجانے سے جن سے وہ غذا حاصل نہیں کرتی، اگر بدل بدل کر فصل کاشت کی جائے، تو اس کی پیداواری صلاحیت برقرار اور قوت قائم رہے گی، بلکہ کاشتکاروں کے ہاں یہ امر بھی ثابت ہے کہ اگر مثلاً ایک زمین میں کاشت کردہ گندم سے ہی بیج لے کر اس میں دوبارہ اس کی کاشت کی جائے، تو پیداوار کم ہوگی، بنسبت اس امر کے کہ کسی دوسری زمین میں کاشت کی گئی گندم کے بیج یہاں کاشت کیے جائیں تب اس کی پیداوار نسبۃً زیادہ ہوگی۔

تو عورتیں بھی کھیتیوں کی مثل ہیں (قرآن میں انہیں مردوں کی کھیتیاں قرار دیا گیا ہے) جن میں اولاد کی پیداوار ہوتی ہے اور مرد حضرات کی مثال بیج اور ان کی اصناف کی سی ہے، تو پیداواری اصول کے مطابق انسب یہ ہے کہ ایک عشیرہ (یعنی خاندان کی شاخ) کے افراد کی شادیاں (بجائے اسی عشیرہ میں کرنے کے) کسی دوسری عشیرہ میں کی جائیں، تاکہ اولاد تندرست ہو اور نجابت حاصل ہو، کیونکہ اولاد اپنے والدین کے مزاج کی وارث اور ان کے اجسام کے مادہ، ان کی اخلاقی صفات وخصوصیات اور روحانی کیفیات کی حامل ہوتی ہے، کبھی کچھ تباین وتخالف بھی ہوجاتا ہے، تو یہ توارث وتباین خلیقت کی سنن میں سے ہے تو جس قدر تنوع ہوگا یہ کیفیات، خصوصیات اور صلاحیات بھی اسی قدر متنوع ہوں گی اور مختلف خاندانوں کے افراد کا اگر جسمانی تعلق ہوگا، تو ان کی متنوع خصوصیات اور اس کے مثبت اثرات ان کی اولاد میں بھی ظاہر ہوں گے اور وہ ایک دوسرے سے قوت واستعداد کشید کریں گے، جبکہ قریبی رشتہ داروں کی باہمی شادیاں اس کے منافی ثابت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہیں (اور تنوع مفقود اور صلاحیتیں محدود ہو جاتی ہیں) جس کا نتیجہ بدنی اور ذہنی نقصانات اور عوارض کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ فطرت کے منافی، معاشرتی ارتباط کے لیے مخل اور بشری ارتقاء کے لیے مانع اور رکاوٹ ہے، امام غزالی رحمہ اللہ احیاء میں لکھتے ہیں: جو خصوصیات اور خصلتیں ایک بیوی میں ڈھونڈھی جانی چاہئیں، ان میں یہ بھی ہو کہ وہ قریبی رشتہ دار نہ ہو، کیونکہ ایسی شادی سے اولاد نحیف پیدا ہوتی ہے، اس ضمن میں انہوں نے ایک حدیث بھی وارد کی مگر وہ صحیح نہیں، البتہ ابراہیم حربی نے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آلِ سائب سے کہا تھا: ''اِغْتَرِبُوْا وَلَا تَضْوَوْا'' یعنی دوسرے خاندانوں کے افراد سے شادیاں کرو اور کراؤ تا کہ اولاد نحیف وضعیف پیدا نہ ہو، امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ شہوت در اصل نظر یا لمس کے قوتِ احساس سے پیدا ہوتی ہے اور یہ احساس جدید اور اجنبی امر کے ساتھ زیادہ قوی ہوتا ہے اور جو ہمیشہ نظر میں رہے اس کی کشش کمزور ہوتی ہے اور تاثر اور شہوت قوت سے منفعل نہیں ہوتی، بہر حال لازم نہیں کہ علت ہر جگہ پائی جائے اور ہر جوڑے کا یہی معاملہ ہو۔

رضاعت کے ساتھ تحریم کی حکمت

یہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے ساتھ کمال مہربانی اور رحمت ہے کہ ہمارے تعلقات اور قرابت کا دائرہ وسیع کیا کہ رضائی رشتوں کو نسبی قرابتداریوں سے ملحق کیا، کیونکہ رضیع دودھ پینے کی وجہ سے اس خاندان کی کچھ خصوصیات وخصائل کا بھی وارث بنتا ہے۔

مصاہرت کے ساتھ تحریم کی حکمت

مصاہرت کی رو سے محرمات کی تحریم کی حکمت یہ ہے کہ زوجہ کی بیٹی اور اس کی والدہ اولیٰ بالتحریم ہیں، کیونکہ آدمی کی زوجہ نہ صرف اس کی روح کی شقیقہ (یعنی ہم مزاج) ہے، بلکہ اس کی انسانی ماہیت کی مقوّم اور متمم ہے، تو لازم تھا کہ اس کی والدہ احترام میں اس کی اپنی والدہ کی مثل ہو اور یہ صورتحال کس قدر قبیح ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس کی رضائی والدہ اس کی بیوی کی سوتن ہو تو مصاہرت کی بنیاد پر قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرابت بھی نسبی قرابت کی طرح ہے! جب آدمی کسی خاندان میں شادی کرتا ہے، تو وہ اس خاندان کے افراد میں سے ایک فرد بن جاتا ہے اور اس کے دل میں ان کی نسبت ایک نیا تاثر اور وجدان پیدا ہو جاتا ہے، تو یہ امر کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ماں اور اس کی بیٹی کے مابین تغایر اور سوکنے پن کا ذریعہ بنے؟ ہرگز نہیں، کہ یہ مصاہرت اور قرابت کی حکمت کے منافی اور خاندان کا شیرازہ منتشر کرنے کا سبب ہوگا، تو فطرت کے یہی موافق تھا اور اسی کے ساتھ مصلحت قائم ہے کہ زوجہ کی والدہ اس کی اپنی والدہ کی طرح (محرم) ہو اور زوجہ کی بیٹی، جو اس کے ہاں پرورش پا رہی ہے اس کی صلبی بیٹی کی طرح ہو اور یہی حکمت بیٹے کی زوجہ میں بھی کارفرما ہے کہ وہ بھی اس کی بیٹی کی مانند ہو اور وہ اس کی نسبت وہی جذبات رکھتا ہو، جو اپنی بیٹی کے لیے رکھتا ہے، جیسا کہ بیٹا اپنی سوتیلی والدہ کو اپنی سگی ماں برابر سمجھتا ہے اور یہ اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بیک وقت دو بہنوں کو عقد میں رکھنا حرام کیا ہے اور اس طرح ہر ان دو کو جو ان کے معنی میں ہیں (مثلاً پھوپھی/ بھتیجی اور خالہ/ بھانجی) تاکہ مصاہرت (کا یہ رشتہ) مودت کا لُحمہ ثابت ہو (نہ کہ تعلق مزید خراب کرنے کا) مثلاً اس کی ماں، اس کی بیٹی یا والد کی زوجہ کی اس کے بیٹے سے شادی اور بیٹے کی زوجہ سے والد کی شادی اس عظیم حکمت کے منافی ہے، شرع نے بیان کیا کہ شادی کی حکمت یہ ہے کہ جوڑے کی دونوں اکائیاں سکونِ دل سے متمتع ہوں اور ان کے اور ان سب کے مابین محبت و الفت ہو جو ان کے ساتھ نسبی لحاظ سے جڑے ہوئے ہیں، قرآن میں ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً﴾ (الروم:۲۱) ''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے نفوس میں سے تمہاری ازواج کی تخلیق کی تاکہ تمہیں سکون ملے اور اسے تمہارے درمیان باعث مؤدت اور محبت بنایا۔'' تو نفس کے سکونِ خاص کو زوجیت کے ساتھ مقید کیا ہے، مؤدت و رحمت کو نہیں کیا، کیونکہ یہ زوجین اور نسب کے لحمہ کے سبب جڑے ہوؤں کے درمیان ہوتی ہے، اولاد کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ مزید قوی ہوتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عارضی محرم

① دو محرم عورتوں سے ایک شخص کا نکاح کرنا

اس زمرے میں درج ذیل ہیں:

دو محرموں مثلاً دو بہنیں، پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو اور خالہ اور بھانجی کو اور ہر ان دو عورتوں کو بیک وقت اپنے عقد میں لانا حرام ہے کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو تو دوسری کی وہ محرم بنے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (النساء: ۲۳)

''دو بہنوں سے بیک وقت نکاح نہ کرو۔''

بخاری اور مسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ عورت اور اس کی پھوپھی اور بھانجی اور اس کی خالہ سے بیک وقت نکاح کیا جائے۔① احمد، ابو داود، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا کہ فیروز دیلمی جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کے عقد میں دو بہنیں تھیں، تو آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔② سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی پھوپھی یا خالہ کے عقد میں ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی یا بھانجی سے شادی کرے، اور کہا: ''اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے قطع رحمی کی۔''③ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابو محمد اصیلی نے اپنی فوائد میں اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ وغیرہما نے بھی اسے ذکر کیا، مراسیل ابو داود میں سیدنا حسین بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ بہنوں کو ایک عقد میں کیا جائے اور یہ قطع تعلقی (ہو جانے) کے خوف سے۔④ سیدنا ابن عباس اور حسین رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں اس نہی اور تحریم کی حکمت

① صحیح البخاری: ۵۱۰۹، ۵۱۱۰؛ صحیح مسلم: ۱۴۰۸/۳۳۔
② سنن أبی داود: ۲۲۴۳؛ سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۰، ۱۹۵۱۔
③ منکر، صحیح ابن حبان: ۴۱۱۶۔ ④ مراسیل ابی داود: ۲۰۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکور ہوئی اوروہ اقارب کے درمیان قطعِ رحمی ہونا، کیونکہ ایک عقد میں کرنا باہمی حسد کا باعث ہوسکتا ہے، جو آخر کار دشمنی پر منتج ہوگا، کیونکہ سوتنوں کی طبعی غیرت انہیں پرسکون رہنے نہ دے گی اور یہ محارم کے درمیان جمع کرنا، جس طرح زواج میں ممنوع ہے، اسی طرح عدت میں بھی ہے، چنانچہ علماء کا اجماع ہے کہ اگرکسی نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دی ہے، تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بہن سے شادی کرے اور یہ بھی جائز نہیں کہ پانچویں شادی کرے (جب تک رجعی والی کیفیت برقرار ہے، وہ یہ اقدام نہیں کرسکتا) تاآنکہ عدت گزر نہ جائے کیونکہ ابھی ازدواجی رشتہ قائم ہے اور وہ جب چاہے رجوع کر سکتا ہے، طلاقِ بائنہ دینے کی صورت میں (کہ آیا دورانِ عدت اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟) اختلاف ہے تو سیدنا علی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مجاہد، نخعی، سفیان ثوری، احناف اور احمد رحمہم اللہ کے ہاں نہیں کرسکتا، جب تک عدت پوری نہ ہو، کیونکہ عدت کے دوران میں عقد حکماً باقی ہے، اس کی دلیل یہ کہ عدت میں اس کا نان ونفقہ اسی کے ذمہ ہے، امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے امام مالک رحمہ اللہ نے کہا اور ہم بھی یہ فتوی دیتے ہیں کہ شادی کرسکتا ہے اور پانچویں بھی اگر کرنا چاہے، سعید بن مسیب، حسن اور شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ عقدِ زواج علیحدگی ہوتے ہی اب ختم ہوا، لہٰذا محرموں کے مابین جمع کی صورت اب موجود نہ ہوگی۔

اگر کوئی محرمات کے درمیان جمع کرے تو مثلاً دو بہنوں سے شادی کرے، تو یا وہ دونوں سے ایک عقد کے ساتھ شادی کرے گا یا دو عقد کے ساتھ، اگر ایک عقد کے ساتھ دونوں سے شادی کی اور دونوں میں سے کسی کی طرف سے مانع نہ تھا، تو اس کا دونوں سے عقد فاسد ہوا اور اس عقد پر زواجِ فاسد کے احکام لاگو ہوں گے، لہٰذا دونوں کی علیحدگی کرا دینا واجب ہوگا، وگرنہ عدالت یہ کام کرائے اور اگر یہ علیحدگی قبل از دخول ہو تو کسی کو بھی مہر نہ ملے گا اور مجرد اس عقد کی کوئی تاثیر نہ ہوگی اور اگر علیحدگی دخول کے بعد عمل میں آئی، تو مدخول بہا کے لیے مہرِ مثل ہوگا یا اس سے اقل اور اس دخول پر تمام متعلقہ اثرات مرتب ہوں گے، جو کسی بھی فاسد زواج کے نتیجہ میں دخول کے بعد ہوتے ہیں، لیکن اگر دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کسی ایک کی نسبت کوئی شرعی مانع ہو بایں طور کہ وہ کسی اور کی زوجہ ہے یا عدت گزار رہی ہے اور دوسری کے لیے کوئی مانع نہیں تو اس عدم مانع والی کی نسبت یہ عقد صحیح اور دوسری کے لیے فاسد ہے، تو اس پر فاسد عقد کے احکام جاری ہوں گے، اگر دونوں سے یکے بعد دیگرے عقد کیا اور دونوں میں تمام مطلوبہ شرائط اور ارکان پورے کیے اور پہلے ہونے والا عقد معلوم و مشتہر ہوا تب یہ صحیح ہے اور دوسرا فاسد اور اگر دونوں میں سے فقط ایک عقد شروطِ صحت پوری کرتا ہے تو وہی صحیح ہے، چاہے وہ سابق ہو یا لاحق اور اگر سابق کا علم نہ ہوا یا علم تو ہوا مگر بھلا دیا گیا تھا کہ مثلاً دو اشخاص کو اپنی شادی کرانے کا وکیل بنایا تھا کہ وہ دو جگہ اس کی شادی کرا دیں بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ دو بہنیں تھیں اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پہلے کون سا عقد ہوا تھا یا معلوم تو تھا مگر پھر بھول گئے، تو دونوں عقد عدم مرجح کی وجہ سے غیر صحیح قرار پائیں گے اور دونوں پر عقدِ فاسد کے احکام لاگو ہوں گے۔

②، ③ اس کے غیر کی زوجہ یا عدت گزار رہی خاتون

مسلمان پر حرام ہے کہ کسی کی زوجہ سے اور عدت گزار رہی خاتون سے نکاح کرے اور یہ شوہر کے حق کی رعایت کے مدِ نظر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء: ٢٤)

"اور دوسروں کی بیویاں مگر جو ان میں سے تمہاری لونڈیاں بن جائیں۔"

یہ بھی محرم ہیں، یعنی ان میں سے جو شادی شدہ ہیں، البتہ لونڈیاں استبرائے رحم (یعنی ایک حیض آنے کے بعد تا کہ رحم کی صورتحال کا پتہ چلے کہ وہ پہلے سے حاملہ تو نہیں، یہ اس لیے تا کہ نسل کا خلط نہ ہو) کے بعد آقا کے لیے حلال ہوں گی، اگرچہ وہ متزوجہ ہوں (اور اب وہ مسلمانوں کے ہاتھ قیدی کی حیثیت میں ہوں) کیونکہ مسلم اور ابن ابو شیبہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی طرف ایک لشکر روانہ کیا، دشمن سے مڈ بھیڑ ہوئی اور مسلمان غالب آئے اور کئی خواتین قیدی بنالی گئیں، کئی صحابہ (جن کے حصے میں وہ آئیں) نے ان سے ہمبستری کرنے میں حرج محسوس کیا کہ مشرکین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کے شوہر موجود ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ بالا آیت نازل کی یعنی وہ اپنی عدت گزارنے کے بعد تمہارے لیے حلال ہیں (یعنی قیدی بننے سے ان کی حیثیت لونڈیوں کی ہوئی اور ان کے مشرک شوہر اب ان سے علیحدہ قرار پائے، تو ان پر عدت گزارنا ہے، جس کے بعد بطورِ لونڈی اس کا آقا جس کے حصہ میں مالِ غنیمت کے بطور وہ آئی، اس سے ہمبستری کر سکتا ہے) اور استبراء ایک حیض سے ہوگا۔ [1] امام حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیدی خواتین سے ایک حیض آنے تک ہمبستری نہ کرتے تھے (تاکہ پتہ چلے کہ وہ حاملہ تو نہیں) اور جہاں تک عدت والی خاتون کا محرم ہونا تو اس کی بحث منگنی کے باب میں گزر چکی ہے۔

④ تین طلاقیں دی گئی خاتون

یہ طلاق دینے والے شوہر کے لیے اب حلال نہیں، حتی کہ کسی اور سے اس کی صحیح وشرعی شادی اور طلاق ہو، اس کی بحث حلالہ کے باب میں گزری ہے۔

⑤ حالتِ احرام میں عقدِ نکاح

احرام باندھے ہوئے کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنا یا کسی کا بطورِ ولی یا وکیل نکاح کرائے، اگر کیا تو وہ عقد باطل ہوگا اور اس کے شرعی اثرات مرتب نہ ہوں گے، کیونکہ مسلم وغیرہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ)) [2] "محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کا پیغام بھیجے" ترمذی کی روایت میں ((ولا يخطب)) نہیں اور کہا یہ حسن صحیح ہے اور بعض صحابہ کے ہاں اسی پر عمل ہے اور یہی شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے کہا، ان کے ہاں محرم نکاح نہ کرے اور اگر کیا تو وہ باطل ہوگا اور جو وارد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے

---

① صحیح مسلم: ١٤٥٦۔

② صحیح مسلم: ١٤٠٩؛ سنن أبی داود: ١٨٤٢؛ سنن ترمذی: ٨٤٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ نکاح کیا تھا، تو یہ مسلم کی روایت کے معارض ہے، جس میں ہے کہ آپ ان سے شادی کے وقت حلال تھے۔ ① امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بارہ میں اختلاف کیا گیا، کیونکہ آپ کی یہ شادی مکہ کے راستہ میں ہوئی تھی، تو بعض نے کہا: آپ شادی کرتے وقت حلال تھے اور جب اس کی خبر عام ہوئی، تب آپ حالتِ احرام میں تھے، رخصتی مقامِ سرف میں ہوئی (مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے، یہیں شاہراہِ مدینہ کے کنارے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے) ② احناف محرم کے لیے جوازِ عقد کے قائل ہیں، کیونکہ احرام جماع کرنے سے مانع ہے نہ کہ مجرد عقد اور اس کی صحت کے۔

⑥ لونڈی سے شادی جبکہ آزاد عورت سے شادی کی قدرت بھی ہو!

علماء متفق ہیں کہ غلام کے لیے لونڈی سے شادی کرنا جائز ہے، اسی طرح آزاد عورت کے لیے بھی کہ وہ غلام سے شادی کرلے، اگر وہ اور اس کے اولیاء راضی ہیں، جیسا کہ ان کا اتفاق ہے کہ کسی حرہ کے لیے خود اس کے ذاتی مملوک سے شادی کرنا جائز نہیں اور اگر کی (آزاد کیے بغیر) تو نکاح فسخ ہوگا، آزاد مرد کے لونڈی سے نکاح میں اختلاف ہے، تو جمہور کے نزدیک یہ دو شروط کے بغیر جائز نہیں، ایک کہ آزاد سے شادی کی قدرت نہ ہو اور دوم زنا میں ملوث ہوجانے کا خوف، اس پر اس آیت سے استدلال کیا:

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

① صحیح مسلم: ۱۴۱۱۔

② سنن ترمذی، تحت الرقم: ۸۴۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو اپنی مومن لونڈیوں ہی سے کرلو اور اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، تم سب ایک ہی جنس سے ہو تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کر کے نکاح کرلو اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کردو، بشرطیکہ عفیفہ ہوں (قیدِ نکاح میں آنے والی ہوں) نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ در پردہ دوستی کرنا چاہیں پھر اگر نکاح میں آکر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے، اس کی آدھی ان کو (دی جائے) یہ اس شخص کے لیے جسے گناہ میں وقوع کا اندیشہ ہو اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔" (النساء: ۲۵)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کنوارا رہنے پر صبر کرنا لونڈی کے ساتھ شادی کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ یہ اولاد کے مملوک ہونے اور نسب کی پستی کا سبب ہے اور مکارمِ اخلاق پر صبر سے جمے رہنا بے قیمت ہونے سے اولیٰ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس آزاد نے لونڈی سے شادی کی (گویا) اس نے اپنا نصف غلام کرلیا (اس طور کہ اپنی اولاد مملوک بنادی) ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہتے تھے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا: "جو چاہتا ہے کہ اللہ سے طاہر اًمطہراً اس کی ملاقات ہو، وہ حرائر سے شادی کرے۔"[1] اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند سے نقل کیا۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ آزاد مرد باوجود آزاد عورت سے شادی کی قدرت کے لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے، اِلّا یہ کہ پہلے سے اس کے عقد میں کوئی آزاد عورت ہو، تب حرام ہے اور یہ تاکہ اس آزاد عورت کی کرامت میں فرق نہ آئے۔

⑦ زانیہ سے شادی

مرد کا زانیہ عورت سے نکاح کرنا اور عورت کا زانی مرد سے نکاح کرنا ناجائز ہے،

[1] ضعیف، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إلا یہ کہ توبہ تائب ہو جائیں، اس کی دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عفت کو مشروط کیا ہے کہ شادی سے قبل لڑکا اور لڑکی عفیف ہوں، فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ﴾ (المائدۃ:٥)

”آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب ان کا مہر دو، اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو (یعنی قید نکاح میں لانا مقصود ہو) نہ کہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔“

مسلمان پاکدامن سے اور اہل کتاب کی پاکدامن اور عفیف خواتین سے تمہارا نکاح کرنا حلال کیا ہے کہ وہ ازدواجی زندگی عفیف بن کر رہیں، یہی بات حرہ سے شادی کرنے کی سکت وقدرت نہ ہونے کی صورت میں لونڈی سے شادی کے باب میں ذکر کی جب کہا:

﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ (النساء: ٢٥)

”تو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو اور انہیں ان کے مہر اچھے طریقے سے دو بشرطیکہ عفیفہ ہوں (قید نکاح میں آنے والی ہوں) نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ در پردہ دوستی کریں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اس کا صریحاً ذکر ہوا ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (النور:٣)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''بدکار مرد بدکارہ یا مشرکہ عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکارہ عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔''

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ سیدنا مرثد بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کی مکہ میں ایک عناق نامی طوائف سے دوستی تھی، وہ جب مسلمان ہو کر مدینہ آئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں عناق سے شادی کر لوں؟ آپ خاموش رہے، تو یہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، تو آپ نے انہیں بلایا اور یہ آیت سنائی اور فرمایا: ''اس سے مت شادی کرو۔''① اسے ابو داود، ترمذی اور نسائی نے نقل کیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلزَّانِي الْمَجْلُودُ لَا يَنْكِحُ إِلَّا مِثْلَهُ))② ''زانی اپنے جیسی کو ہی شادی کے لیے ڈھونڈھتا ہے۔'' اسے احمد اور ابوداود نے نقل کیا، بقول امام شوکانی رحمہ اللہ یہ وصف مخرجِ غالب پر خارج ہے، اس اعتبار سے کہ جس کا زانی ہونا ظاہر ہوا اور اس میں دلیل ہے کہ آدمی کے لیے حلال نہیں کہ ایسی عورت سے نکاح کرے، جو بطورِ زانیہ کے مشہور ہو اسی طرح عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے، اس پر دال یہی مذکورہ بالا آیت ہے، اس کے آخر میں: ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''یہ مومنوں پر حرام ہے۔'' (النور: ٤) تحریم میں صریح ہے۔

زنا اور شادی

شادی محض شہوت پوری کرنے کا نام نہیں، اس کے اور (محض) جنسی عمل کے مابین بہت فرق ہے، شادی دراصل معاشرہ سازی کی بنیاد اور اس کے وجود کی اصل ہے اور یہ ایک فطری قانون اور تکوینی سنت ہے، یہ سارا عالم اس کے نظام پر چل رہا ہے، اس کی وجہ سے زندگی کی قدر و قیمت ہے اور یہی حقیقی شفقت اور صحیح محبت ہے اور یہ زندگی میں باہمی تعاون و اشتراک پر مبنی ہے اور خاندان کی تشکیل اور اِعمارِ عالم میں اس کا نہایت اہم کردار ہے۔

---

① صحیح، سنن أبی داود: ٢٠٥١، سنن ترمذی: ٣٤٥١۔

② صحیح، سنن أبی داود: ٢٠٥٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زانی سے تحریمِ نکاح میں اسلام کی غرض وغایت

اسلام نہیں چاہتا کہ مسلمان مرد ایک زانیہ کے چنگل میں پھنسے اور نہ مسلم خاتون کے لیے یہ ہو! وہ انسانوں کو مختلف جراثیم سے آلودہ ان اجسام سے بچانا چاہتا ہے، جو مختلف علتوں اور امراض سے بھرے ہوئے ہوں، اسلام کے کل احکام واوامر اور تمام محرمات ونواہی بنی نوعِ بشر کی بھلائی اور اسعاد کے لیے ہیں، تاکہ ایک پاک صاف اور صحتمند معاشرہ تشکیل پائے، زانی لوگ خطرناک بیماریوں کا گڑھ اور سرچشمہ ہیں، زناکار اپنی دنیا میں کیونکر خوش رہ سکتے ہیں اور معاشرے کو ان سے کیا فیض مل سکتا ہے، جبکہ وہ خطرناک امراض کا سرچشمہ ہیں، جو ان کے سب اعضائے جسم میں سرایت کر چکے ہیں اور ایڈز اور سیلان جنسی امراض میں سے ہیں، جنہیں زانیوں نے ایک وبا بنا دیا ہے، دنیا سے ان کا قلع قمع کرنا ضروری ہے، انسانیت ان افراد سے کیونکر سعادت مند ہو سکتی ہے، جو ان نفسانی اور جنسی امراض کو اگلی نسلوں کو منتقل کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ وراثتی زہری بیماریوں کو بھی اور خلقت و خِلقت کے لحاظ سے پسماندہ نسل پیدا کر رہے ہوں، ان آلائشوں اور جراثیموں کی وجہ سے جو اعضائے تناسل کو لگے ہوتے ہیں اور ان علتوں کی وجہ سے جو ان پر طاری ہوتی ہیں۔

زانیوں اور مشرکوں کے مابین وجہِ مشابہت

کتاب وسنت کے آداب پر پروان چڑھے مسلمان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ ایک زناکار کے ساتھ زندگی گزار سکے، جس کی سوچوں میں اس طرح کی پاکیزگی نہیں، جو اس کا طرہ امتیاز ہے اور نہ وہ پاک صاف زندگی گزارنے کا عادی اور عامل ہے، لہٰذا ان کے درمیان ہم آہنگی ہونا ناممکن ہے، در در پر بھٹکنے والوں کا ایک کے ساتھ کیسے گزارا ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ازواج کی بابت فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ﴾ (الروم: ٢١)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہی سے بیویاں پیدا کیں، تا کہ تم ان کی طرف (جا کر) آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان دوستی اور مہربانی رکھ دی۔''

تو ایک صاحبِ اسلام اور زنا کار کے درمیان کیونکر یہ مودت حاصل ہو سکتی ہے جو ایک مثالی جوڑے میں ہونی چاہیے؟ تو جیسے ایک مسلمان ۔مرد ہو یا عورت۔ زنا کار کے ساتھ نہیں رہ سکتا، اسی طرح مشرک اور مشرکہ کے ساتھ بھی اس کا گزارا نہیں، جو اس جیسا اعتقاد ہی نہیں رکھتا اور نہ اس جیسا ایمان اور جو زندگی کو اس نظر سے نہیں دیکھتا، جس نظر سے وہ دیکھتا ہے اور جس فسق و فجور کو اس کا دین حرام قرار دیتا ہے، دوسرا اس کا خوگر ہے، لہٰذا ان گمراہ عقائد اور باطل خیالات کے ساتھ ان کی باہمی ہم آہنگی نہیں ہو سکتی، عقلی لحاظ سے بھی بُعد المشرقین کی خصوصیت کے حامل خیالات اور اعتقادات والوں کا باہم میل ایک ناممکن الوقوع عمل ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة: ٢٢١)

''مشرک عورتوں سے شادی نہ کرو، اِلّا کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

توبہ تمام گزشتہ گناہوں کو مٹا ڈالتی ہے

(یہ مسلم کی نقل کردہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے قصہ اسلام پر مشتمل ایک حدیث کا جملہ ہے) اگر زنا کار مرد و خواتین سچی اور اخلاص بھری توبہ کر لیں اور آیندہ سے عہد کریں کہ صاف ستھری اور گناہوں سے پاک زندگی گزاریں گے، تو یقیناً اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا اور انہیں اپنی رحمت کے طفیل اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے گا، جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ﴾ (الفرقان: ٦٨۔٧٠)

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور زنا نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا، قیامت کے دن اس کو دُگنا عذاب ہوگا (یا اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا) اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا، مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

ایک شخص نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں ایک عورت سے زنا کرتا رہا اور اب توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زانیہ یا مشرکہ سے زانی ہی شادی کرتا ہے، تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اس بابت نہیں، تم ضرور اس سے شادی کرو، اگر یہ گناہ کا معاملہ ہوا تو وہ میرے ذمہ! اسے ابن ابو حاتم نے نقل کیا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا جو کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرتا تھا کہ آیا اس سے نکاح کر سکتا ہے؟ کہا: اگر دونوں توبہ و اصلاح کر لیں، تب حرج نہیں، یہی بات سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی، ابن جریر رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ ایک یمنی شخص کی بہن زنا کی مرتکب ہوئی پھر اس نے خودکشی کی نیت سے اپنی رگوں پر چھری چلالی، مگر موقع پر لوگ پہنچ گئے اور علاج معالجہ کیا، جس سے وہ بچ گئی، پھر اس کے خاندان والے مدینہ منتقل ہو گئے اور وہاں اس خاتون نے دینی تعلیم حاصل کی، حتی کہ خاندان بھر میں سب سے بڑھ کر نیک بن گئی، اس کا چچا اس کا ولی تھا جسے کسی نے اس کے لیے شادی کا پیغام دیا، تو اس نے برا جانا کہ اس کا سابقہ معاملہ چھپائے رکھے اور یوں دھوکا کا مرتکب ہو، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا: اگر تم نے اس کی سابقہ زندگی افشاء کی تو میں تمہیں سزا دوں گا، اگر کوئی نیک رشتہ آئے تو چپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاپ بیاہ دو، ایک روایت میں ہے کہ کہنے لگے: اللہ نے جس کی پردہ پوشی کی ہے، تم اسے رسوا کرنا چاہتے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے زبان کھولی تو تمہیں سب کے لیے نمونہ عبرت بنادوں گا، بلکہ اسے ایک عفیفہ اور صالحہ کی مانند بیاہ دو، ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ارادہ بنایا ہے کہ حکم جاری کروں کہ کوئی زنا کا مرتکب کسی پاکدامن عورت سے شادی نہ کرے، تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بولے: شرک اس سے بڑا گناہ ہے اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس کا پیغامِ نکاح قبول کرلیا جاتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ کی رائے میں زانیہ کی توبہ کی آزمائش کی جائے کہ کوئی (جھوٹ موٹ) اسے ورغلائے اگر مان جائے تو گویا اس کی توبہ سچی نہیں، اگر انکار کرے تو گویا سچی توبہ کی ہے، انہوں نے یہ بات سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول کی متابعت میں کہی، لیکن ان کے اصحاب نے کہا کہ کسی مسلم کے لیے جائز نہیں کہ وہ (جھوٹ موٹ بھی) کسی کو دعوتِ زنا دے، کیونکہ یہ طلب، ظاہر ہے خلوت میں کرے گا، جبکہ اجنبیہ (غیر محرم) کے ساتھ خلوت کرنا حلال نہیں، اگرچہ تعلیمِ قرآن کے لیے ہو! پھر یہ اندیشہ بھی ہے کہ مان جائے اور دونوں معصیت میں واقع ہوجائیں، لہٰذا یہ خطرہ مول لینا حلال نہیں، کیونکہ کسی بھی گناہ سے توبہ کی اس طرح پرکھ نہیں کی جاسکتی، لہٰذا اس کی بھی نہیں ہونا ہونی چاہیے، توبہ سے قبل زانی مرد یا عورت سے شادی کی عدم حلت کی رائے امام احمد اور امام ابن حزم رحمہما اللہ نے اختیار کی اور اسی کو امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے راجح کہا ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ نے توبہ کے ساتھ ایک اور شرط منضم کی اور وہ عدت کا پورا ہونا، تو اگر قبل از توبہ یا عدت پوری ہونے سے قبل نکاح کرلیا، تو وہ فاسد ہوگا اور دونوں کی علیحدگی کرادی جائے گی۔

زانیہ کی عدت

کیا اس کی عدت تین حیض ہے یا ایک؟ امام احمد رحمہ اللہ سے دو اقوال ہیں۔ حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ زانی کے لیے جائز ہے کہ زانیہ سے نکاح کرلے، ان کے نزدیک زنا صحتِ عقد کے لیے مانع نہیں، علامہ ابن رشد رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آیت:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (النور: ۳)

''زانی مرد نکاح نہیں کرے گا مگر کسی زانیہ عورت سے یا کسی مشرکہ عورت سے، اور زانیہ عورت اس سے نکاح نہیں کرے گا مگر کوئی زانی یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔''

کے مفہوم میں ان کے باہمی اختلاف کا سبب یہ ہے کہ یہ بات بطورِ ذم کہی ہے (یعنی امرِ واقع کے لحاظ سے) یا بطورِ تحریم؟ اور کیا قولہ تعالیٰ: ﴿وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں اشارہ زنا کی طرف ہے یا (زانیوں سے) نکاح کرنے کی طرف؟ جمہور نے اسے محض ذم پر محمول کیا اس حدیث کے پیشِ نظر جس میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ میری بیوی ''لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ'' کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی، تو آپ نے فرمایا تھا: ''تب اسے طلاق دے دو۔'' اس پر وہ بولا: میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو آپ نے کہا: ''پھر روکے رکھو۔''[1]

پھر مجوزین نے دورانِ عدت (زانیہ کی عدت میں) اس سے نکاح کے بارے باہم اختلاف کیا، تو امام مالک رحمہ اللہ منع کے قائل ہیں، شوہر کے مادۂ تولید کے احترام اور ولدِ زنا کو صحیح نسب والی اولاد سے الگ رکھنے کے مدِ نظر، امام ابوحنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ کے ہاں اس کی عدت کا لحاظ کیے بغیر اس سے شادی کرنا جائز ہے، پھر امام شافعی رحمہ اللہ اس کے حاملہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے جوازِ نکاح کے قائل ہیں، کیونکہ اس حمل کی کوئی حرمت نہیں، ابویوسف رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے، وضع حمل تک اس سے شادی کرنا جائز نہیں، تاکہ یہ نہ ہو کہ (جائز) شوہر کا مادۂ تولید غیر کی کھیتی کو سیراب کرے، نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ حاملہ لونڈی سے وطی کی جائے (جو حاملہ

[1] صحیح، سنن أبي داود: ۲۰۴۹؛ سنن نسائي: ۶/ ۶۷؛ الموضوعات لابن الجوزي: ۲/ ۲۷۲۔ جہاں اس حدیث کے معنی و مفہوم میں اختلاف ہے، وہاں اس حدیث کے صحت و ضعف میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، تفصیل کے لیے کتب شروح سے مراجعت کی جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ قیدی بن کر لونڈی بنی) تا آنکہ حمل وضع ہو۔① حالانکہ اس کا حمل بھی اس کا مملوک بنا، تو زنا کے سبب حاملہ سے ترکِ جماع تو اولیٰ ہے، جب تک وضع نہ ہو کیونکہ اگرچہ زانی کے پانی کی حرمت نہیں، لیکن شوہر کے پانی کی تو ہے، لہٰذا روا نہیں کہ فجور و فسق کے پانی کے ساتھ وہ خلط ہو اور اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ اس شخص پر لعنت کرنے کا ارادہ کیا تھا، جو غیر سے حاملہ اپنی لونڈی سے وطی کا ارادہ کرے، حالانکہ پیدا ہونے والے بچے کا اس والد سے تعلق منقطع ہو گا اور وہ بھی اس کا مملوک ہو گا، ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دوسرا قول یہ منقول ہے کہ عقد کرنا درست ہے، مگر وطی نہ کرے حتی کہ وضعِ حمل ہو۔

ابتدائی حالت کا حالتِ بقاء سے اختلاف

علماء نے کہا ہے کہ اگر شادی شدہ عورت زنا کرے تو نکاح فسخ متصور نہ ہو گا، اسی طرح شوہر کا معاملہ بھی یہی ہے، کیونکہ حالتِ ابتداء حالتِ بقاء سے جدا ہے، سیدنا حسن اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شادی شدہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی شوہر سے علیحدگی کرادی جائے، امام احمد رحمہ اللہ نے یہ مستحب قرار دیا اور کہا: میری رائے میں اسے عقد میں برقرار نہ رکھے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ اس کی نسل خراب کرے گی اور غیر کے نطفہ سے پیدا ہونے والی اولاد اس کے نسب نامہ سے ملحق کرے گی۔

⑧ لعان شدہ اپنی سابقہ بیوی سے نکاح

یہ حلال نہیں، کیونکہ لعان کے بعد اب وہ اس کے لیے دائمی طور پر حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (النور: ٦-٩)

① صحيح، سنن أبي داود: ٢١٥٧؛ مسند أحمد: ٣/ ٦٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔''

⑨ مشرکہ سے نکاح

علماء متفق ہیں کہ بت پرست، زندیق، مرتد، گائے پرست اور اباحت کے مذہب کی قائل مثلاً وجودیہ اور دیگر ملحد مذاہب کی پیروکار خاتون سے مسلمان کا شادی کرنا حرام ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة: ٢٢١)

''اور مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا۔ کیونکہ مشرکہ سے خواہ تمہیں بھلی لگے، مومن لونڈی بہتر ہے اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دو کیونکہ مشرک سے، خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے، مومن غلام بہتر ہے، یہ (مشرک) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔''

اس کے سبب نزول کے بارے میں مقاتل کہتے ہیں، یہ ابو مرثد غنوی کے بارے میں نازل ہوئی، بعض نے مرثد بن ابو مرثد کہا، ان کا نام کناز بن حصین غنوی تھا، نبی کریم ﷺ نے انہیں خفیہ طور پر مکہ بھیجا تھا، تاکہ وہاں سے ایک صحابی کو نکال کر لے آئیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو مکہ میں عناق نامی ایک عورت تھی، جو زمانہ جاہلیت میں ان کی محبوبہ تھی، یہ اس سے کہنے لگے: اسلام نے اب جاہلیت کے تمام افعال ختم کر دیے ہیں، وہ بولی پھر مجھ سے شادی کر لو، یہ کہنے لگے پہلے نبی کریم ﷺ سے پوچھ لوں، تو مدینہ آکر آپ سے یہ گوش گزار کیا تو آپ نے منع کر دیا، کیونکہ وہ مشرکہ ہے۔[1] سدی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی شانِ نزول بارے نقل کیا کہ سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کا نزول ہوا تھا، جن کی ایک حبشن لونڈی تھی، ایک دفعہ ناراض ہو کر اسے تھپڑ مار دیا پھر ندامت ہوئی تو نبی کریم ﷺ سے آکر یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا: ''اے عبد اللہ! وہ مومنہ ہے'' کہنے لگے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں اسے آزاد کر کے اس سے شادی کرلوں گا، تو یہی کیا، اس پر کچھ مسلمانوں نے طعن کیا اور کہنے لگے، لونڈی سے شادی کر لی اور وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں سے شادی کرائیں اور خود بھی مشرکات سے شادی کریں، تاکہ نسب محفوظ رہے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة: ٢٢١) ''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔'' المغنی میں ہے کہ کفار اہلِ کتاب سے مختلف ہیں، مثلاً جو گائے، صنم، پتھر، شجر یا کسی حیوان کی پوجا کرتے ہیں، تو اہلِ علم کے درمیان کفار کی عورتوں سے شادی کرنے اور ان کے ذبیحہ کی تحریم میں کوئی اختلاف نہیں، کہتے ہیں: جو اسلام سے مرتد ہوئی وہ بھی اب حرام ہے، چاہے کوئی سا بھی دین اختیار کیا ہو۔

اہلِ کتاب خواتین سے شادی

مسلمان کے لیے حلال ہے کہ اہلِ کتاب کی آزاد خاتون سے شادی کرے، کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

[1] الجامع لأحكام القرآن: ٣/ ٦٧: اسباب النزول للواحدی: ١٠٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ (المائدۃ: ٥)

''آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور مومن عورتوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جب تم انھیں ان کے مہر دے دو، اس حال کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو، بدکاری کرنے والے نہیں اور نہ چھپی آشنائیں بنانے والے۔''

امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: سلف میں سے کسی سے صحیحاً منقول نہیں کہ اسے حرام قرار دیا ہو، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نصرانیہ یا یہودیہ کے ساتھ شادی کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے اللہ نے مشرکات کو اہلِ ایمان پر حرام کیا ہے اور مجھے اس سے بڑا شرک معلوم نہیں کہ کوئی کہے: میرا رب سیدنا عیسیٰ ہے، جبکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے۔① علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، نحاس نے کہا: یہ جماعت کے قول سے خارج ہے اور حجت جماعت کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے، صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے اہلِ کتاب خواتین سے شادی کرنا جائز کہا ہے، ان میں سیدنا عثمان، طلحہ، ابن عباس، جابر، حذیفہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، طاؤس، عکرمہ، شعبی، ضحاک رحمہم اللہ اور فقہائے امصار ہیں، دونوں آیتوں کے مابین تعارض نہیں (الشرك) لفظ کا ظاہر اہلِ کتاب کو متناول نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ (البينة: ١) ''اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر باز رہنے والے نہ تھے، حتی کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔'' تو لفظاً اہلِ کتاب اور مشرکین کے مابین تفرقہ کیا ہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نائلہ بنت فرافصہ کلابیہ سے شادی کی، جو نصرانیہ تھیں، پھر ان کے عقد میں آنے کے بعد اسلام قبول کیا تھا

① صحیح البخاري: ٥٢٨٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(یہ ان کی شہادت کے وقت ان کے پاس تھیں، جب ملعون نے تلوار کا وار کیا تو اسے اپنے ہاتھ پر روکا، جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئی تھیں) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن کی ایک یہودی خاتون سے شادی کی، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ شادی کے بارے میں سوال ہوا تو کہا: ہم نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے زمانۂ فتح (یعنی فتحِ قادسیہ) میں ان سے شادیاں کی تھیں۔

ان سے شادی کرنے کی کراہت

ان سے شادی اگرچہ جائز ہے، مگر مکروہ ہے، کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ اس کی محبت میں اندھا ہو کر دین یا اہلِ دین سے کچھ دوری اختیار کر لے، اگر حربیہ ہو تب کراہت اشد ہے، بعض علماء حربیہ کے ساتھ تحریمِ نکاح کے قائل ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ حلال نہیں اور یہ آیت پڑھی:

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبة: ۲۹)

’’جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو حتی کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔‘‘

بقول امام قرطبی رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے جب یہ جواب سنا تو اسے پسند کیا۔

ان سے شادی کی اباحت کی حکمت

تاکہ اسلام اور اہلِ کتاب کے درمیان دوریاں مٹیں، کیونکہ شادی کرنا گویا پورے گھرانہ کو اپنے قریب کرنا ہے، تو یوں انہیں موقع فراہم کیا کہ اسلام کا مطالعہ کریں اور اس کے حقائق و مبادی کی معرفت حاصل کریں، یہ دراصل مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے مابین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالفعل تقریب کی ایک صورت ہے اور دین کی دعوت کو عام کرنا ہے، جو ان میں سے کسی سے شادی کرنا چاہے وہ اس ہدف کو اپنا نصب العین بنائے، اگر یہی حکمت قرار دیں، تب دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے تحریمِ نکاح کا کیا معنی؟ یہ ہدف وہاں بھی تو ہوسکتا ہے؟

مشرکہ اور کتابیہ کے درمیان فرق

مشرکہ کا کوئی دین نہیں، جو اسے خیانت سے باز رکھے اور امانت کا عامل بنائے اور اسے خیر کا حکم دے اور شر سے منع کرے، وہ اپنی فطرت کی اسیر ہے اور جن خطوط پر اس نے تربیت پائی اور وہ بت پرستی کے خرافات اور اس کے اوہام اور شیاطین کی (پیدا کردہ) خواہشات اور خواب ہیں، لہٰذا وہ اپنے شوہر سے خیانت کی مرتکب ہوسکتی ہے اور اس کی اولاد کا عقیدہ خراب کرسکتی ہے، اگر مسلمان شوہر اس کے حسن و جمال کا قیدی بنا تو وہ اترا کر اپنی گمراہی اور ضلال و اضلال میں مزید پختہ ہوسکتی ہے، اگر کوئی حسنِ صورت کے چنگل سے بچ بھی گیا، تو اس کی سیرت اسے شکار بنا سکتی ہے اور کمزور عمل والا مسلمان اس کے اثرات قبول کرسکتا ہے، جبکہ اس کے مقابلہ میں کتابیہ اور مومن کے مابین بڑا فرق نہیں وہ بھی اللہ، انبیاء اور حیاتِ اخروی پر ایمان رکھتی ہے اور اللہ ہی کی عبادت کرتی ہے اور اعمالِ خیر کرنے کے وجوب اور عملِ شر سے باز رہنے کا عقیدہ رکھتی ہے! دونوں کے مابین ظاہری اور بڑا فرق نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان کا ہے، عمومی نبوت کا اعتقاد رکھنا خاتم النبیین کی نبوت پر ایمان لانے سے مانع نہیں، یہ جہالت ہے جو اسے آپ ﷺ کے لائے ہوئے احکام و شریعت پر ایمان لانے سے روکے ہوئے ہے، کیونکہ یہ وہی کچھ ہے جو سابقہ نبی لے کر آئے اور کچھ مزید جس کا زمانہ متقاضی تھا، کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ظاہراً ہی معاند و مجاحد ہیں مگر فی الباطن نبی کریم ﷺ کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ ایسے لوگ قلیل ہیں اور کثیر اول نوع کے ہیں اور شادی کرنے سے عین ممکن ہے کہ اپنے مسلمان شوہر کا کردار و عمل اور حسنِ سلوک دیکھ کر نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرے اور اسلام قبول کرنے کی توفیق ملے اور یوں وہ دہرے اجر کی حقدار بنے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صابئہ سے شادی

صائبین (یہ لفظ قرآن نے بھی استعمال کیا) مجوس، یہود اور نصاریٰ کے بین بین ایک قوم تھی، ان کا مستقل کوئی دین نہ تھا، بقول مجاہد رحمہ اللہ کہا گیا ہے کہ یہ اہلِ کتاب کا ایک فرقہ تھا، جو زبور پڑھتے تھے، حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ فرشتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ نے کہا: ان کے لیے بھی ادیان میں سے ایک دین تھا، یہ موصل کے جزیرے میں تھے اور توحید کے قائل تھے، لیکن ان کے ہاں نہ کوئی عمل تھا، اور نہ کتاب اور نہ نبی، یہ کسی نبی کے امتی نہ تھے، اسی لیے مشرک اصحابِ نبی کو صبائی کے نام سے پکارا کرتے تھے یعنی لا الہ الا اللہ کہنے میں ان سے مشابہ ہونے کی بنیاد پر! امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں، بعض علماء نے ان کے مذہب کے مطالعے کے بعد کہا: وہ موحد تھے اور نجوم کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے تھے، امام رازی رحمہ اللہ نے اختیار کیا کہ یہ کواکب کے پجاری تھے، اس معنی میں کہ اللہ نے انہیں عبادت اور دعا کے لیے قبلہ بنایا ہے، یا اس معنی میں کہ اللہ نے تدبیرِ عالم کا کام انہیں سونپ رکھا ہے، اس پر فقہاء کی آرا ان کی خواتین سے شادی کرنے کے بارے میں باہم مختلف ہوئی، بعض نے انہیں اہلِ کتاب قرار دیا اور کہا کہ ان کے ہاں تحریف ہوگئی ہے، لہٰذا دراصل یہ یہودیوں اور نصرانیوں کی مانند ہی ہیں، اس پر ان سے شادی صحیح ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے صاحبین کا مذہب تھا، بعض متردد رہے کیونکہ ان کی حقیقتِ امر سے وہ واقف نہ ہو سکے، انہوں نے کہا: اگر یہ اصولِ دین مثلاً تصدیقِ رسل اور ایمان بالکتب میں یہود و نصاریٰ کے موافق ہوں، تب یہ انہی میں سے ہیں اور اگر مخالفت کریں تب نہیں، تب یہ بت پرستوں کے حکم میں ہوں گے، یہی شوافع اور حنابلہ سے منقول ہے۔

مجوسیہ سے شادی

امام ابن منذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، مجوسیوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کی تحریم متفق علیہ مسئلہ نہیں، البتہ اکثر اہلِ علم کا یہی مسلک ہے، کیونکہ نہ ان کے ہاں کوئی (سماعی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب ہے اور نہ یہ کسی نبوت کے ماننے والے ہیں اور یہ آگ کے پجاری ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کا ذکر کیا اور کہنے لگے: مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ ان کے بارے میں کیا حکم دوں؟ تو سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: ((سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ)) ''ان کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا معاملہ کرو۔''[1] تو یہ دلیل ہے کہ وہ اہلِ کتاب و دین سے نہیں، امام احمد رحمہ اللہ سے سوال ہوا، کیا یہ صحیح ہے کہ مجوسیوں کے لیے کوئی کتاب تھی؟ کہا: یہ کہنا باطل ہے، اسے بڑی بات کہا، امام ابو ثور رحمہ اللہ مجوسیہ سے شادی کی حلت کے قائل ہیں، کیونکہ یہود و نصاریٰ کی مانند انہیں بھی اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت ملی تھی بشرطیکہ جزیہ ادا کریں۔

یہود و نصاریٰ کے علاوہ کسی ایسی قوم کی خاتون سے شادی کرنا، جس کے لیے کوئی (آسمانی) کتاب تھی

احناف کا مؤقف ہے کہ ہر قوم جو کسی سماوی دین کو مانتی ہے اور ان کے ہاں کوئی منزل کتاب ہے، جیسے صحفِ سیدنا ابراہیم وشیث اور داود علیہم السلام کی زبور، تو ان سے شادی صحیح ہے، کیونکہ وہ آسمانی کتب میں سے ایک کتاب کے پیروکار ہیں، لہٰذا یہود و نصاری سے مشابہ ہیں۔ شافعیہ کا مسلک حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے نکاح حلال نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے، کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ (الأنعام: ١٥٦) ''مبادا تم کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر ہی کتابیں انازل کی گئیں۔'' اور اس لیے کہ یہ صحف اور زبور فقط مواعظ و امثال پر مشتمل تھے، مستقل شریعت یا احکام پر مشتمل کتب کا حکم ان کی نسبت ثابت نہیں۔

مسلمان خاتون کی غیر مسلم مرد سے شادی

علماء کا اجماع ہے کہ کسی مسلمان خاتون کے لیے کسی غیر مسلم سے شادی کرنا حلال نہیں، چاہے وہ مشرکین میں سے ہو یا اہلِ کتاب میں سے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

[1] ضعیف، المؤطا امام مالك: ٩٦٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة: ۱۰)

''مومنو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کرلو (اور) اللہ تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے۔''

اس کی حکمت یہ ہے کہ شوہر بیوی پر قوام (یعنی سرپرست اور بالا دست) ہوتا ہے اور اس پر اس کی طاعت کرنا واجب ہے، ہر اس حکم کا جو معروف کا وہ دے اور گویا یہ عورت پر اس کی سلطانیت اور حاکمیت ہے، جبکہ کسی کافر کے لیے روا نہیں کہ کسی مسلمان مرد یا عورت پر اس کی حاکمیت ہو، پھر کافر مسلم خاتون کے دین کو نہیں مانتا، بلکہ وہ تو اس کی تکذیب کرتا ہے اور اس کے نبی کی رسالت و نبوت کا منکر ہے تو اس بڑے اختلاف اور فرق کے ہوتے ہوئے ممکن ہی نہیں کہ ان کا گھرانہ سکون و امن کا نمونہ پیش کرے، اس کے برعکس اگر مسلمان مردِ کتابیہ سے شادی کرلے تو وہ تو اس کے دین کا معترف ہے اور اس کی کتاب اور اس کے نبی پر ایمان کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے کہ اس کا اپنا ایمان اس کے بغیر نامکمل ہے۔

⑩ بیک وقت چار سے زائد شادیاں کرنا

یہ حرام ہے، کیونکہ اس میں تفویتِ احسان ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی کی صلاح و بہبود کے لیے مشروع کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ (النساء: ۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے، تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو یا تین تین یا چار چار سے نکاح کرلو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ یکساں سلوک نہ کرسکو گے تو ایک بیوی کافی ہے یا لونڈی جس کے تم مالک ہو، اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔''

اس کے شانِ نزول کے بارے میں بخاری، ابوداود، نسائی اور ترمذی نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بابت سوال کیا تو کہنے لگیں: اے بھانجے! یہ اس یتیمہ کی بابت ہے، جو اپنے ولی کے ہاں زیرِ پرورش ہو، تو اس کی نظر اس کے مال و جمال پر ہو اور خود اس سے شادی کرنا چاہے بغیر اس کے کہ اس کے حسب مرتبہ اس کا حق مہر مقرر کرے، اتنا ہی جتنا وہ اس کی غیر کو دیتا۔ اگر اس سے شادی کرتا تو اس سے انہیں منع کیا گیا، اِلّا یہ کہ انصاف سے کام لیں اور ان کے مرتبے اور نسبی وجاہت کے بقدر مہر مقرر کریں اور انہیں حکم ہوا کہ (بجائے یہ غیر عادلانہ روش اختیار کرنے کے) دیگر کسی سے شادی کرلیں، عروہ رحمہ اللہ کے بقول پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: لوگوں نے اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا، تو اللہ نے یہ آیت نازل کی:

﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ (النساء: ١٢٧)

''لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرما دیجئے اللہ تمہیں ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم اس کتاب میں پہلے دیا گیا ہے، وہ اُن یتیم عورتوں کے بارے میں ہے، جنہیں تم ان کا حق تو دیتے نہیں اور خواہش رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کرلو۔''

کہتی ہیں ﴿وَ مَا يُتْلٰى﴾ الخ سے مراد جو پہلی آیت میں مذکور ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا﴾ الخ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید کہا: اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری آیت میں اللہ کا یہ فرمان: ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو یتیمہ سے اس وقت بے اعتنائی برتتے ہیں جب وہ مال و جمال میں پسماندہ ہو، ① تو انہیں اس بات سے منع کیا گیا کہ مال و جمال کی موجودگی میں مال و جمال کی خاطر ان سے نکاح کر کے ان پر ظلم نہ کریں، بلکہ پورا پورا ان کا حق مہر ادا کریں۔

اس پر آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یتیماؤں کے سرپرستوں کو اس آیت میں مخاطب کیا اور فرمایا: اگر کسی کے زیر سرپرستی کوئی یتیمہ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اس کے حسب مرتبہ اسے مہر نہ دے پائے گا، تو اس کی بجائے کسی اور خاتون سے شادی کر لے کہ اللہ نے کوئی تنگی نہیں کی، چنانچہ چار تک کی اجازت دے رکھی ہے، اگر کوئی ڈرے کہ ایک سے زیادہ شادی کی صورت میں اس سے عدل نہ ہو سکے گا، تو اس پر واجب ہے کہ ایک پر ہی اقتصار کرے یا ان پر جو اس کی لونڈیاں ہیں۔

چار پر اقتصار کی حکمت

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی اللہ کی جانب سے مبین سنت دلیل ہے کہ سوائے نبی کریم ﷺ کے کسی کے لیے جائز نہیں کہ بیک وقت چار سے زائد عورتوں کو اپنے عقد میں کرے، امام شافعی رحمہ اللہ نے جو یہ بات لکھی، اس پر علمائے امت کا اجماع ہے، صرف شیعہ کے ایک طائفہ سے اس کے برخلاف قول نقل کیا گیا، ان کے بعض نے اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کے فعل سے تمسک کیا ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے ان کا رد کرتے ہوئے لکھا، جان لو کہ (قرآن میں مذکور) یہ عدد ﴿ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ نو بیویاں رکھنے کی اباحت پر دلالت نہیں کرتا، جیسا کہ ان حضرات نے کہا جن کی فہم کتاب و سنت سے بعید ہے اور وہ اس امت کے سلف کے تعامل و رائے سے اعراض کرنے والے ہیں، انہوں نے زعم کیا ہے کہ واو جامعہ (جمع کرنے والی) ہے اور اس کی تائید نبی کریم ﷺ کے بیک وقت نو ازواج رکھنے کے فعل سے چاہی، یہ جہالت بھری رائے رافضیوں (یعنی شیعہ)

① صحیح البخاري: ٤٥٧٦؛ سنن أبي داود: ٢٠٦٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بعض اہل ظاہر سے صادر ہوئی تو انہوں نے ﴿مَثْنٰی﴾ کو اثنین اثنین (یعنی دو، دو) کے معنی میں کیا، اسی طرح ﴿ثُلٰثَ﴾ اور ﴿رُبٰعَ﴾ کو، بعض اہل ظاہر نے تو اس سے بھی قبیح بات کہی جب وہ بیک وقت بارہ عدد بیویاں رکھنے کے قائل ہوئے، اس امر سے تمسک کرتے ہوئے کہ ان الفاظ میں عدد تکرار کا افادہ دیتا ہے اور واو برائے جمع ہے اور یوں ﴿مَثْنٰی﴾ کو دو دو کے معنی میں کیا اور اسی طرح ثلاث اور رباع کو بھی۔

یہ سب عربی زبان سے جہالت اور سنت اور اجماعِ امت کی مخالفت ہے، کیونکہ صحابہ وتابعین میں سے کسی کی بابت نہیں سنا کہ بیک وقت چار سے زائد شادیاں کی ہوں امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا اور نسائی اور دارقطنی نے اپنی اپنی سنن میں نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا غیلان بن امیہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا، جن کے عقد میں دس خواتین تھیں کہ ''ان میں سے چار رکھو اور باقیوں کو چھوڑ دو۔'' [1] سنن ابوداود میں حارث بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں مسلمان ہوا، تو میرے عقد میں آٹھ عورتیں تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا: ''ان میں سے چار رکھو'' [2] مقاتل کہتے ہیں، قیس بن حارث کے عقد میں دس آزاد خواتین تھیں، جب آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ چار رکھ کر باقیوں کو طلاق دے دو، انہوں نے نام لینے میں غلطی کی، درست حارث بن قیس اسدی ہے، جیسا کہ ابوداود نے ذکر کیا، یہی فقہاء کے ہاں معروف ہے، محمد بن حسن نے بھی کتاب السیر الکبیر میں یہی ذکر کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو چار سے زائد کی اباحت تھی، تو یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا۔

جہاں تک ان کا قول کہ واو برائے جمع ہے، تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو فصیح ترین لغت واسلوب میں مخاطب کیا اور عرب (تسعة) کی جگہ (إِثْنَيْنِ وثَلَاثَة وأَرْبَعَة) (یعنی دو + تین + چار = نو) نہیں کہتے اور یہ قبیح سمجھا جائے گا، اگر کوئی (اٹھارہ کہنے کی بجائے) کہے: فلاں کو چار + چھ + آٹھ دے دو، اس آیت میں واو بدل ہے، یعنی تم

[1] صحیح، سنن ترمذی: ۱۱۲۸؛ سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۳۔

[2] صحیح، سنن أبی داود: ۲۲۴۱؛ سنن ترمذی: ۱۹۵۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین سے نکاح کرو دو کے بدلے اور چار سے بھی (کر سکتے ہو) تین کے بدلے، اسی لیے واو کے ساتھ عطف ڈالا (أو) کے ساتھ نہیں، اگر (أو) استعمال کیا ہوتا تو جائز تھا کہ صاحبِ مثنیٰ کے لیے ثلاث نہ ہو اور نہ صاحبِ ثلاث کے لیے رباع، جہاں تک ان کا کہنا کہ (مثنی) اثنین کو متقاضی ہے اور (ثلاث) ثلاثہ اور (رباع) اربعۃ کو تو یہ ایسی بات ہے کہ اہلِ زبان اس کے موافق نہیں اور یہ ان کی جہالت ہے، دوسرے بھی اس سے جاہل رہے کیونکہ (مثنی) اثنین اثنین اور (ثلاث) ثلاثًا ثلاثًا اور (رباع) أربعاً أربعاً کو متقاضی ہے اور یہ نہ جانا کہ اثنین اثنین الخ تعداد کے لیے حصر ہے اور ''مثنی وثلاث ورباع'' اس کے برخلاف ہے! عربوں کے نزدیک معدول عدد میں ایک معنائے زائد ہوتا ہے جو اصل عدد میں نہیں ہوتا، اس کی تفصیل یہ کہ اگر کہیں: ''جائَتِ الْخَیْلُ مَثْنیٰ'' تو معنی یہ ہوگا کہ دو دو کر کے (گھڑسوار) آئے، جوہری کہتے ہیں اسی طرح معدول عدد ہے، ان کے غیر نے کہا اگر کہو: ''جاءَ نِیْ قَوْمٌ مَثْنیٰ أَوْ ثُلَاثُ أَوْ أُحَادُ أَوْ أَعْشَارُ'' تو تمہاری مراد یہ ہوگی کہ وہ ایک ایک یا دو دو یا تین تین یا دس دس کی شکل و تعداد میں آئے اور یہ معنی عدد کی اصل شکل استعمال کرنے میں حاصل نہیں، کیونکہ تم جب کہو: (جاءَ نِیْ قومٌ ثَلَاثَۃً ثَلَاثَۃً) یا کہو: (عَشْرَۃً عَشْرَۃً) تو تم نے (ثلاثۃ) اور (عشرۃ) کے ساتھ ان کی تعداد کا حصر کیا (یعنی کُل اتنے لوگ آئے، جبکہ اول مثال میں یہ حصر مراد نہیں، وہ اس سے اکثر ہیں مگر مراد یہ کہنا تھا کہ دو دو، تین تین الخ کر کے آئے)

اگر کہو: (جَاءُ وْنِیْ ثُنَاء و رُباع) تو یہاں تعداد کا حصر نہیں کیا بلکہ مراد یہ کہ دو دو اور چار چار کر کے آئے، کل تعداد اس سے کثیر ہوسکتی ہے، تو ان کا ہر لفظ کو اس کے اقل مقتضا میں مقصور کرنا بے جا تحکّم ہے۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کا وجوب

اللہ تعالیٰ نے تعددِ ازدواج مباح کیا ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد (بیک وقت) چار مقرر کی، لیکن طعام، رہائش، کپڑا لتا اور وقت دینے کے ضمن میں عدل کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب کیا ہے اور ہر اس شے میں جو مادی ہے، بغیر امیر اور غریف اور عظیمہ اور حقیرہ (اور حسینہ اور غیر حسینہ) کا تفرقہ کیے، اگر کوئی ڈرے کہ ایسا نہ کر سکے گا، تو اس کی نسبت ایک سے زائد شادی کرنا حرام ہے، اگر تین کی نسبت عدل کر سکتا ہے، چوتھی کی بابت نہیں تو تین کرنا مباح ہے، چوتھی حرام اور باقی پر بھی اسی طرح قیاس کر لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف اور واضح کہا: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ ''عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے۔'' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے حبالہِ عقد میں دو بیویاں ہیں اور وہ ایک سے ترجیحی سلوک کرتا ہے، وہ روزِ قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا۔''[1] اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا، اس آیت میں اللہ کی جانب سے ایجابِ عدل اور دوسری آیت میں عدل ہو سکنے کی نفی کے مابین تعارض نہیں، جب کہا: ﴿وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (النساء: ١٢٩) ''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھلک جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا (یعنی بیچ میں) لٹک رہی ہے۔'' کیونکہ عدلِ مطلوب ظاہری (یعنی مادی امور میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) مقدور بھر عدل ہے، سب سے محبت اور دل کے تعلق کا یکساں ہونا مراد نہیں کیونکہ یہ طاقتِ بشری سے ماوراء ہے تو دوسری آیت میں جس عدل کی نفی کی وہ مودت و محبت اور جماع میں عدل ہے۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: میں نے عبیدہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا، تو کہا: یہ محبت اور جماع ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کوئی اس کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ دل تو اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہیں، وہ جیسے چاہے انہیں پھیرتا ہے، اسی طرح جماع کا معاملہ ہے تو شوہر کسی ایک بیوی کی نسبت زیادہ شہوت محسوس کرتا ہے، اگر اس میں اس کے قصد کو دخل نہیں تب حرج نہیں۔

---

[1] صحیح، سنن أبی داود: ٢١٣٣؛ سنن ترمذی: ١١٤١؛ سنن ابن ماجه: ١٩٦٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات میں ظاہری عدل کرتے اور سب کے لیے یکساں تقسیمِ اوقات فرماتے اور پھر اللہ تعالیٰ سے یوں مخاطب ہوتے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے، اس امر میں جو میری دسترس میں ہے، لیکن جو میری نہیں بلکہ تیری دسترس میں ہے، اس بابت مجھ سے پوچھ نہ کرنا۔① بقول ابو داود رحمہ اللہ یعنی دل، اسے ابو داود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں، اس میں آزاد بیویوں کے مابین تقسیمِ اوقات کے وجوب پر تو کید ہے اور اس طرح کا کسی کی طرف میلان مکروہ ہے، جس میں دیگر کے حقوق کی تلفی ہوتی ہو، دل کا کسی کی طرف زیادہ میلان ہونا اس میں شامل نہیں، کیونکہ دلوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان مساویانہ تقسیمِ اوقات فرماتے تھے پھر یوں اللہ سے مخاطب ہوتے جو مذکور ہوا، اسی دلی تعلق و میلان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ﴾ الخ

اگر شوہر سفر پر جا رہا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اپنی جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے اور اگر قرعہ اندازی کرے تو یہ بہت خوب ہے، باری والی بیوی کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو کسی وجہ سے اپنی باری کا وقت کسی اپنی سوتن کو ہبہ کر دے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے، تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا قرعہ نکلتا وہ آپ کے ہمراہ جاتی، آپ نے ہر بیوی کے لیے ایک باری کا دن مقرر کر رکھا تھا، البتہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔②

عورت کو حق ہے کہ شادی کرتے وقت شرط لگا لے کہ اس کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح نہ کرے گا۔

اسلام نے جیسے تعددِ ازواج کو عدل کرنے کے ساتھ مقید کیا اور اسے چار پر مقصور رکھا، اسی طرح اس نے عورت کو یا اس کے ولی کو حق دیا ہے کہ وہ شادی اس شرط پر کرائیں

① ضعیف، سنن أبي داود: ٢١٣٤؛ سنن ترمذی: ١١٤٠؛ سنن ابن ماجه: ١٩٧١۔
② صحیح البخاری: ٢٥٩٣، ٤١٤؛ صحیح مسلم: ٤٧/١٤٦٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ شوہر دوسری شادی نہ کرے گا، اگر کسی نے یہ شرط لگائی تو یہ صحیح ہے اور اسے ماننا لازم ہوگا اور اگر خلاف ورزی ہوئی تو بیوی کو شادی فسخ کرنے کا حق ہے اور اس کا یہ حقِ فسخ ساقط نہ ہوگا اِلاّ یہ کہ خود ہی اس سے دستبردار ہو جائے اور شوہر کو اجازت دے دے، امام احمد رحمہ اللہ نے یہی مسلک اختیار کیا، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے اسے راجح قرار دیا کیونکہ عقودِ نکاح کی شرائط خرید وفروخت اور دیگر عقود کی نسبت زیادہ اہم اور حساس ہیں اور ان کا ایفاء زیادہ ضروری اور تاکیدی ہے، اس کے لیے درج ذیل سے استدلال کیا:

① بخاری ومسلم نے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عقدِ نکاح کی شرائط زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں پورا کیا جائے کہ جن کے ذریعے تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔''①

② دونوں کی عبداللہ بن ابوملیکہ سے روایت میں ہے کہ سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے سنا: ''بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔'' لیکن میں نے اجازت نہیں دی اور نہ دوں گا، اِلاّ یہ کہ ابن ابو طالب چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر لے، میری بیٹی میرے جسم کا حصہ ہے، جو بات اسے دکھ دے وہ میرے لیے بھی باعثِ دکھ ہے۔'' اور ایک روایت ہے کہ: ''فاطمہ مجھ سے ہے: مجھے خوف ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں نہ پڑ جائے۔''② اپنے بنی عبد شمس سے تعلق رکھنے والے داماد کا اس موقع پر ذکر کیا (یعنی سیدنا ابو العاص رضی اللہ عنہ جو آپ کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے) اور ان کی تعریف کی اور فرمایا: ''اس نے مجھ سے جو بات کی اس پر پورا اترا، جو وعدہ کیا اس کا ایفا کیا، میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتا، لیکن بات یہ ہے کہ ایک گھر میں اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی اکٹھی نہ ہوں گی۔''③

① صحیح البخاری: ۲۵۷۲؛ صحیح مسلم: ۱۴۱۸۔
② صحیح البخاری: ۵۲۳۰؛ صحیح مسلم: ۲۴۴۹۔ ③ صحیح البخاری: ۳۱۱۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث کئی امور و احکام کو متضمن ہے، ایک یہ کہ اگر کوئی اپنی بیوی کی شرط مانے کہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا، اسے پورا کرنا لازم ہے کہ آپ نے بتلایا کہ علی کا دوسرا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دکھ کا باعث ہے اور جو ان کے لیے باعثِ دکھ ہے، وہ آپ کے لیے بھی ہے اور قطعی طور پر معلوم ہے کہ آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ان سے شادی اس شرط پر کی تھی کہ انہیں دکھ نہ دیں گے اور نہ ان کے والد کو، اگرچہ صلبِ عقد میں یہ مشروط نہ تھا، لیکن بالضرورت معلوم ہے اور آپ کے دوسرے داماد کا تعریف کے ساتھ ذکر کرنے اور یہ کہنے کہ اس نے جو وعدہ کیا پورا کیا اور جو بات کی سچ کہی، میں دلالت ہے کہ وقتِ عقد اس طرح کی بات ہوئی ہوگی کہ دکھ اور ایذاء نہ دیں گے تو ان کی مثال دے کر انہیں اپنے وعدہ پر پورا اترنے کی ترغیب دی، جیسے ان کے دوسرے داماد نے کیا ہے، اس سے اخذ کیا جائے گا کہ عرفاً مشروط لفظاً مشروط کی مانند ہے (بقول مترجم یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ وعدہ اور شرط لفظاً ہوا ہو) اور اس کا عدم مشترِط کے لیے فسخ کا حق ثابت کرے گا، مثلاً کسی خاندان والوں کی عادت اور عرف ہو کہ وہ اپنی بیٹیوں کو علاقہ سے باہر نہیں بیاہتے اور یہ ان کا معمول ہے تو یہ لفظی مشروط کی مانند باور ہوگا اور یہ اہلِ مدینہ اور احمد کے قاعدہِ فقہ پر مطرد اور لاگو ہے، ان کے ہاں عرفی شرط لفظی شرط کی طرح ہے، اسی لیے انہوں نے اس شخص پر اجرت دینا واجب کیا ہے، جو دھوبی کو (مثلاً) دھونے کے لیے کپڑے دے اور اجرت طے نہ کرے تو اس کے ذمہ ہے کہ عرف میں معلوم اس کی اجرت ادا کرے۔

بالفرض اگر کوئی خاندان والے ایسے گھر میں اپنی بیٹی نہیں بیاہتے جو دوسری شادی کرتے ہیں اور یہ ان کا معمول عام و معروف ہے، تو اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرنا لفظاً مشروط کی مانند ہوگا، اس پر سیدہ نساء العالمین اور سب بنی آدم کے سید کی بیٹی اس کی زیادہ حقدار ہے، اگر عقد کے صلب میں اسے مشروط کیا بھی ہوتا تو وہ تاکیداً ہوتا نہ کہ تاسیساً، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں بنت ابوجہل کے ساتھ شادی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منع کر دینے کی کئی بدیع حکمتیں ہیں، وہ یہ کہ بیوی ایک نوع درجہ میں اپنے شوہر کی تابع ہوتی ہے، چاہے فی نفسہا وہ کتنی ہی بلند قدر اور رتبہ والی ہو، تو سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی یہ شان وحالت تھی اور یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ابو جہل کی بیٹی کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درجہ ورتبہ میں ہونے کی اجازت دیتا، دونوں کے اس واضح تفاوت اور فرق کے مدِ نظر نہ بنفسہا اور نہ تبعاً، لہٰذا سیدہ نساء العالمین کی موجودگی میں یہ شادی کوئی مستحسن اقدام نہ تھا، نہ شرعاً اور نہ قدراً، اسی طرف نبی کریم ﷺ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا:

((وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ فِيْ مَكَانٍ وَاحِدٍ أَبَدًا)) ①

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں کبھی نہیں اکٹھی ہوں گی۔''

① صحيح البخاري: ٣١١٠؛ صحيح مسلم: ٢٤٤٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعددِ ازواج کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی انسان پر رحمت اور فضل ہے کہ اس کے لیے تعددِ ازواج کو مباح کیا اور چار تک اسے محدود کیا، چنانچہ انسان بیک وقت چار تک بیویاں رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ نفقہ اور وقت دینے میں ان کے درمیان مساویانہ سلوک کرنے پر قادر ہو، اگر ناانصافی کا اندیشہ ہو تو ایک سے زائد شادی کرنا حرام ہے، بلکہ اگر ایک کے حقوق کی ادائیگی سے بھی قاصر ہے، تو جب تک بار اٹھانے کی سکت نہیں آدمی کے لیے شادی کرنا حلال نہیں، تعددِ ازواج واجب نہیں اور نہ مستحب ہے، بلکہ یہ تو ایک ایسا امر ہے جسے اسلام نے مباح قرار دیا ہے۔ کیونکہ کئی دفعہ کچھ عمرانی اور معاشرتی تقاضے اور اصلاحی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جن کے جبر سے یہ راہ اختیار کرنا پڑتی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام ایک بلند انسانی پیغام کا حامل ہے، تمام مسلمان اس کے ادا کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے مکلف ہیں اور وہ اس پر کماحقہ تبھی پورا اتریں گے، جب ان کی ایک مضبوط و مستحکم ریاست ہوگی اور اس ریاست کے لیے سب ضروری لوازم حاصل ہوں، مثلاً: عسکری طاقت، علم و ہنر، صنعت و زراعت اور تجارت وغیرہ عناصر جن پر کسی بھی ریاست کے وجود کا انحصار ہوتا ہے اور اس کی بقا اور نظامِ مملکت کا جاری و ساری رہنا اور قوتِ نافذہ کا تسلط انہی پر منحصر ہے اور ان سب کا حصول افرادی قوت کے بغیر ممکن نہیں تاکہ زندگی کے تمام میدانوں میں ماہرین کی ایک معقول تعداد میسر ہو، قدیم عربی کہاوت ہے: ”إِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْكَاثِرِ“ ”عزت کثرت میں ہے“ اور اس افرادی قوت کے حصول کا ذریعہ اولاً مناسب عمر کو پہنچتے ہی شادی کرنا اور ثانیاً تعددِ ازواج، جدید ریاستوں کو افرادی قوت اور پیداواری صلاحیتوں پر اس کی اثر انگیزی کی اہمیت کا احساس ہے، اسی طرح جنگوں اور اثر و نفوذ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دائرے کو وسیع کرنے میں تو حسبِ ضرورت ایسے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں کہ افرادی قوت پوری ہو، جرمن سیاح بول اشمید کو مسلمانوں کی نسل کی بڑھوتی اور اطمینان بخش کارکردگی کا احساس تھا، اسے وہ ان کی قوت وشوکت کا ایک اہم عنصر قرار دیتا ہے، چنانچہ اپنی کتاب ''اسلام مستقبل کی قوت'' مطبوعہ ۱۹۳۶ء میں لکھتا ہے کہ اسلامی مشرق میں قوت کے اسباب تین عوامل میں منحصر ہیں:

① اسلام کو بطور ایک طرزِ حیات اختیار کرنے، اسے اپنا عقیدہ بنانے، رنگ و نسل اور تہذیب وثقافت کے فرق کے باوجود اس کے سایہ عاطفت میں جڑے رہنا۔

② عالم اسلام میں قدرتی وسائل کا وافر ہونا، جن کے درست استعمال سے وہ ایک مضبوط معاشی قوت اور خود کفیل بن سکتا ہے، اس طور پر کہ اہلِ اسلام کو مطلقاً ہی یورپی اور دیگر اقوام کی محتاجی نہ ہو، اگر محیطِ اٹلس سے غرباً مراکش تک اور بحرالکاہل سے شرقاً انڈونیشیا تک پھیلے مسلمانوں کے علاقے ایک دوسرے کے قوت بازو بنیں۔

③ مسلمانوں کے ہاں نسلِ بشری کی شادابی، جس سے ان کی قوت میں اضافہ ہوا، پھر لکھا جب یہ تینوں عناصرِ قوت جمع ہوں اور عقیدہ اور اللہ کے تصورِ توحید پر ان کے مابین اتفاق واتحاد ہو تو عالم اسلام اپنے قدرتی وسائل کا درست استعمال کر کے ایک عظیم قوت بن کر سامنے آسکتا ہے اور دنیا کی سیادت کے رتبے پر فائز ہو سکتا ہے! وہ تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ سرکاری سروے اور تجزیے کے ذریعے سے اپنے ان عوامل وعناصر کا جائزہ لیں اور ان کی مقدار کا تعین کریں اور اپنی قوت اور وسائل کا احساس کریں، جیسا کہ کسی زمانہ میں تھا اور وہ تب دنیا کی قیادت کے مرتبے پر فائز تھے اور انہی خطوط پر منظم ہو کر وہ عظمتِ رفتہ کو واپس لا سکتے ہیں اور اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مسیحی دنیا اقوام اور حکومات دونوں کو ایک ہونا پڑے گا اور زمانہ حاضر کے مناسب حال مختلف محاذوں پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ پھر سے شروع کرنا پڑے گا (جو کر دیا گیا ہے، لیکن افسوس مسلمان غفلت اور نا اتفاقی کا شکار ہیں، مترجم)

ریاست کئی دفعہ جنگوں کی کثرت کے باعث افرادی قوت کی قلت کا شکار ہو جاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان جنگوں میں کثیر تعداد میں مرد کام آجاتے ہیں اور نتیجۃً بیواؤں کی کثرت ہوجاتی ہے، انہیں ضیاع سے بچانے کا واحد راستہ ان کی پھر سے شادی کرا دینا ہے اور عموماً یہ اقدام تعددِ ازواج کے ذریعے سے ہی ممکن ہوگا (کیونکہ کنوارے مرد تو کنواری خواتین سے ہی شادی کو ترجیح دیں گے) پھر کئی علاقوں میں عورتوں کا تناسب مردوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، بلکہ اکثر اقوام کی اب یہی صورتحال ہے، جس کا ایک سبب پُر مشقت کاموں میں پڑنے کی وجہ سے ان کی اوسط عمر کا عورتوں کی نسبت کم ہونا ہے، تو اس خلا کو پر کرنا تعددِ ازواج ہی سے ممکن ہے، وگرنہ معاشرہ بے راہ روی کا شکار بن سکتا اور بدکاری اور حرام کاری پھیل سکتی ہے، جس کے مفاسد اور خطرناکیاں نظروں سے اوجھل نہیں، اگر یہ نہ بھی ہو تو امت کا ایک عظیم حصہ جسم کے جنسی تقاضے پورے نہ ہونے کی وجہ سے پژمردگی اور فقدانِ اعصاب میں مبتلا ہوسکتا ہے اور حرماں نصیبی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا، اسی لیے کئی غیر مسلم ممالک بھی جہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے، تعددِ ازواج کی اجازت دینے پر مجبور ہوئے، حالانکہ یہ امر ان کے معتقدات اور ان کے عرف عام اور رواج کے منافی تھا۔

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں پیرس میں تھا، تو جرمنی کے شہر میونخ میں نوجوانوں کے عالمی سیمینار میں کئی مصری دوستوں کے ہمراہ شرکت کا موقع ملا، اس دوران میں اور ایک مصری ساتھی اس حلقۂ بحث میں شریک ہوئے، جو جرمنی میں جنگ عظیم دوم کے بعد عورتوں کی تعداد کی شرح مردوں سے کئی گنا زیادہ ہونے کے عواقب کے بارے میں باہم تبادلہ خیالات کر رہا تھا اور ایک مناسب حل تجویز کرنے کی کوشش میں تھا، مختلف حل اور تجاویز پیش کی گئیں، جو وہاں کے ماحول میں معروف تھیں، مگر سب کو رد کیا گیا، آخر میں میں نے اور مصری ساتھی نے تعددِ ازواج کا اسلامی حل پیش کیا، سامعین و حاضرین اور شرکائے مذاکرہ نے اولاً سراسیمگی اور کچھ ناگواری کے ساتھ اس تجویز و حل کو سنا لیکن بعد ازاں کھلے دل سے بحث و تمحیص کے بعد سبھی متفق ہوئے کہ اس کے سوا کوئی اور حل نہیں اور اسے سیمینار کی منظور کردہ قرار دادوں میں شامل کیا گیا، مصر واپسی کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگلے برس کے مصری اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر مجھے از حد خوشی ہوئی کہ جرمن کے دارالحکومت بون میں مغربی لوگوں نے مظاہرہ کیا اور مطالبہ کیا کہ تعددِ ازواج کی سرکاری طور پر اجازت دی جائے۔

پھر مرد کی نسل بڑھانے کی استعداد اور قوت بنسبت عورت کے زیادہ ہوتی ہے، مرد شروعِ بلوغت سے آخر عمر تک جنسی عمل کی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ عورت دوران حیض اس کے لیے تیار نہیں ہوتی، جس کا ماہانہ دورانیہ دس دنوں تک بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح عورت ولادت اور نفاس کے دوران بھی اس عمل کے لیے تیار نہیں ہوتی، جس کا دورانیہ چالیس دنوں تک ہوتا ہے، مدت حمل اور رضاعت بھی مزید اس میں شامل کر لی جائے، اسی طرح پینتالیس برس کی ہونے کے بعد عورت کی پیدا کرنے کی صلاحیت تقریباً صفر رہ جاتی ہے، نیز اس عمر میں وہ ازدواجی حقوق پورے کرنے کی کماحقہ سکت نہیں رکھتی، پھر مرد اس کے بعد کیا کرے؟ کیا اسلام کا پیش کردہ حل افضل و بہتر نہیں؟ جو اسے عفیف ہی رکھے، اور اس کے جنسی تقاضے بھی پورے ہوں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی کوئی داشتہ بنالے، جس کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی اور لگاؤ ہو، سوائے ایک حیوانی رابطہ اور تعلق کے، اور یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اسلام میں زناکاری کی شدید ترین حرمت ہے اور اس کے قریب بھی نہ بھٹکنے کا حکم ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (الإسراء: ٣٢)

''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

اور اس کے مرتکب کے لیے ایک شدید تر سزا مقرر کی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النور: ٢)

''جو زنا کرنے والی عورت ہے اور جو زنا کرنے والا مرد ہے، دونوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان کے متعلق اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑے، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور لازم ہے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۔''

ایک اور جہت سے اس کا جائزہ لیں، تو کئی دفعہ بیوی بانجھ ہوتی ہے اور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی یا ایسی بیمار کہ شفا یابی کی امید نہیں اور اس کے باوصف وہ چاہتی ہے کہ ازدواجی تعلق بھی برقرار رہے، جبکہ شوہر اولاد چاہتا ہے اور جسم کے جنسی تقاضے بھی پورے کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ مناسب ہے کہ اسے یہ محرومی سہنے دی جائے اور اس کا کوئی مداوا نہ ہو؟ تو اسلام کا عطا کردہ یہ حل اس لیے مناسب ترین ہے کہ پہلی بیوی سے ایک رسمی تعلق بھی قائم اور برقرار ہے اور دیگر ضروریات بھی باحسن اور حلال طریقہ سے پوری ہو رہی ہیں اور یوں دونوں مصلحتیں اکٹھی ہو گئیں، ہر انصاف پسند قرار دے گا کہ یہ نہایت متوازن اور بہترین حل ہے اور کوئی باضمیر اسے رد نہیں کر سکتا۔

اور کئی مرد ایسے ہوتے ہیں، جن میں جنسی شہوت شدید ہوتی ہے اور وہ ایک عورت سے سیری نہیں پا سکتے، بالخصوص بعض گرم خطوں کے رہائشی تو بجائے اس کے کہ حرام طریقہ سے یہ ضرورت پوری کریں، اسلام نے تعددِ ازواج کی صورت میں اس کا حلال حل پیش کیا ہے، تو اسلام نے بوقتِ تشریع ان سب مندرجہ بالا خاص و عام اسباب کو ملحوظ کیا اور یہ حل اور حکم عورتوں کی ایک خاص نسل یا محدود و معین زمانہ تک محدود نہیں، بلکہ سب کے لیے اور قیامت تک جو بھی ان حالات کا شکار ہو، چاہے وہ فرد ہو یا معاشرہ، تعددِ ازواج کی اباحت کا عالم اسلام کی بقا اور اسے معاشرتی خرابیوں اور خلقی نقائص سے بچائے رکھنے اور محفوظ رکھنے میں ایک بڑا کردار ہے، بالخصوص اس تناظر میں کہ جن معاشروں اور ادیان میں اس کی اجازت نہیں، وہاں جب معاشرتی بے راہ روی کو عام اور منتشر دیکھتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فسق و فجور عام ہوا اور داشتاؤں کی تعداد بڑھی، حتی کہ وہ بیویوں سے بھی زیادہ ہوئیں اور اس کا انجام اولادِ زنا کی کثرت میں ظاہر ہوا اور بعض جہات میں تو اس کا تناسب مجموعی شرح پیدائش کا پچاس فی صد ہے، امریکہ میں ہر سال دو لاکھ حرام کاری کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچے پیدا ہوتے ہیں، یہ بات اگست ۱۹۵۹ء کے جریدہ شعب نے چھاپی اور لکھا کہ یہ امریکا میں اخلاقی انحطاط اور پستی کا نمایاں مظہر اور امریکی نظامِ ٹیکس پر ایک ناروا بوجھ ہے، کیونکہ حکومت کو آخر کار ان کا بار اٹھانا پڑتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے مختلف تھنک ٹینک عورتوں کو بانجھ بنانے کی تجاویز اور منصوبے بنانے پر لگ گئے، امریکی وزارتِ صحت و تعلیم نے ایک رپورٹ مرتب کی کہ حکومت کو سالانہ دوسو دس ملین ڈالر اس مد میں خرچ کرنا پڑتے ہیں اور یہ ٹیکس گزاروں پر ایک بوجھ ہے، تقریباً ہر ماہ ایک بچے پر ستائیس ڈالر، انتیس سینٹ کا خرچ ہے! سرکاری اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک حرام کاری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد 87 ہزار نو سو سے لے کر دو لاکھ ایک ہزار اور سات سو تک پہنچی (یعنی جو رجسٹرڈ ہوئے) اور وزارتِ معاشرتی معاملات کا اندازہ ہے کہ ۱۹۵۸ء میں ان کی تعداد ڈھائی لاکھ تھی، لیکن ماہرین جانتے ہیں کہ حقیقی تعداد اس سے بہت بڑھ کر ہے اور اس میں سال بسال اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اسی حساب سے اخراجات میں بھی، پھر دوسری طرف ان خبیث تعلقات کی وجہ سے بدنی امراض، ذہنی گرہوں اور اعصابی بیماریوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اور انسانی نفوس ضعف و انحلال کا شکار بنتے جارہے ہیں، اس کا ایک برا اثر امریکی میاں بیوی کے باہمی تعلق پر بھی پڑ رہا ہے اور یہ تعلق روز بروز خراب ہوتا جارہا اور اس میں دراڑ بڑھتی جارہی ہے، حتی کہ اب اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی، اس کا ایک اور نقصان صحیح نسب کے ضیاع کی شکل میں نکلا ہے، حتی کہ شوہر قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعۃً اس کے نطفہ کی اولاد ہے، تو یہ سب مفاسد و اضرار فطرت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے انحراف کرنے کا ایک منطقی اور طبعی نتیجہ ہیں اور یہ اس امر کی ایک قوی دلیل اور بلیغ ترجمت ہے کہ اسلام کا عطا کردہ حل اور اس کا یہ تشریعی حکم ہی انسان کے لیے مناسب ترین ہے، اس بحث کو ہم ایک سوال اور اس کے جواب پر ختم کرتے ہیں، جو الفونس اتیین نے کیا، جب لکھا کیا تعددِ ازواج کے حکم کو ختم کر ڈالنے کا کوئی اخلاقی فائدہ نکلے گا؟ پھر جواب دیتے ہوئے کہا: یہ کہنا مشکوک ہوگا کہ اس کا کوئی اخلاقی فائدہ ہوگا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ جو اخلاقی بے راہ روی مسلمانوں کے خطوں میں نادر الوقوع ہے، وہ اسے منسوخ کر دینے کی صورت میں پھیل جائے گی اور اس کے مخرب اثرات عام ہوں گے اور عالم اسلام میں ایک ایسی وباء پھیل جائے گی، جو قبل ازیں معروف نہ تھی اور وہ عورتوں کا کنواری رہ جانا، جو اپنے مضر اثرات سمیت ان ممالک میں موجود اور عام ہے، بالخصوص جنگوں کے مابعد احوال میں جہاں ایک سے زائد شادی کرنا قانوناً ممنوع ہے۔

تعدُّد کی تقیید

جو حضرات تعددِ ازواج کو مقید کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ مردوں کے لیے دوسری شادی مباح نہ ہو، مگر اس امر کے ساتھ کہ پہلے قاضی یا کوئی اور اس کے ذاتی احوال اور مالی حیثیت کا جائزہ لے، کیونکہ گھریلو زندگی بھاری اخراجات کی متقاضی ہے اور جب کسی گھرانہ کے افراد تعددِ ازواج کے باعث کثیر ہو جائیں تو کمزور مالی حیثیت والے شوہر پر بوجھ پڑے گا اور وہ ان کا نان و نفقہ اٹھانے اور ان کی تربیت سے عاجز رہے گا، ایسی تربیت کہ جس کے فیض سے وہ کارآمد شہری بنیں اور جو زندگی کی تکالیف برداشت کر سکیں اور اس کے تقاضوں پر پورا اتریں، تو اس طرح جہل پھیلے گا اور بے روزگاری بڑھے گی اور معاشرے کے کثیر افراد منتشر ہوں گے اور جس کے نتیجہ میں عام خرابی اور فساد برپا ہوگا، پھر حالیہ ایام میں مرد دوسری شادی کی خواہش صرف شہوت پوری کرنے کے لیے کرتے ہیں یا مال کے حصول کی طمع میں، وہ تعدد کی اصل حکمت کے طالب نہیں بنتے اور اس میں موجود مصلحت کے خواہاں نہیں ہوتے، پھر پہلی بیوی اور اس کی اولاد کا حق اکثر مارا جاتا ہے بلکہ کئی دفعہ معاملہ وراثت سے محرومی تک جا پہنچتا ہے، جس سے سوتیلے بہن بھائیوں کے درمیان عداوت کی فضا قائم ہوتی ہے اور معاملہ تھانے اور کچہری تک جا پہنچتا ہے، اس عداوت کا دائرہ وسیع ہو کر خاندانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے درپے ہو جاتا ہے حتی کہ کئی دفعہ نوبت قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے، یہ تعددِ ازواج کے کچھ اثرات ہیں، جن سے یہ حضرات اپنا مدعا ثابت کرنے کو شاں ہیں، یہ حضرات اسلامی تعلیمات کو درست طور پر سمجھ نہیں پائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے جواب میں ہم یہ گزارش کرتے ہیں کہ یہ موہومہ اور مزعومہ مفاسد اپنی جگہ درست، لیکن اس کا علاج اللہ کے مباح کردہ امر کو ممنوع کر دینے میں نہیں، بلکہ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور احکامِ دین سے انہیں بخوبی آگاہ کرنے میں ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اکل و شرب مباح کیا ہے، بغیر اس کے کہ حدِ اعتدال سے تجاوز کرے، اگر کوئی اسراف سے کام لے کر بیمار ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ کھانا پینا ممنوع قرار دے دیں، بلکہ ضرورت اس امر کی ہوگی کہ اسے بسیار خوری اور اسراف کے اَضرار سے آگاہ کیا جائے اور اس ضمن میں ضروری تعلیمات دی جائیں، پھر جو حضرات تعددِ ازدواج کو قاضی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرنا چاہتے ہیں، دوسری شادی کرنے والوں کے احوال اور امرِ واقع کا جائزہ لینے کو دلیل بناتے ہوئے وہ ان مفاسد اور اضرار سے تجاہلِ عارفانہ برت رہے ہیں، جو تعدُّد پر پابندی لگانے کی صورت میں ہو سکتے ہیں، تعدد کی اباحت سے حاصل اضرار اس پر پابندی کے اضرار کی نسبت کہیں کم اور خفیف ہیں تو حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ اخف کی اباحت کے ساتھ اشد ضرر سے بچا جائے، تعدد کا معاملہ قاضی کے سپرد کر دینا مناسب نہ ہوگا، کیونکہ اس کے پاس کوئی صحیح پیمانے موجود نہیں، جن سے لوگوں کے ظروف و احوال کی پرکھ ہو سکے، تو اس کا ضرر اس کے نفع سے کئی گنا زیادہ ہو سکتا ہے (اور رشوت اور جعلسازی کا ایک بازار گرم ہو جائے گا) مسلمان عہدِ اول سے دورِ حاضر تک ایک سے زائد شادیاں کرتے آ رہے ہیں اور ہمارے علم میں نہیں کہ کبھی کسی بھی دور میں تعدد ازواج پر پابندی لگانے یا اسے مقید کرنے کا سوچا گیا ہو یا کسی نے ایسی کوشش کی ہو؟ ہمیں اللہ کی رحمت کا دامن تنگ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور نہ اس کی شریعت میں کوئی کمی ہے، جس کے مزایا اور خصائص کا اعتراف دوست دشمن سب ہی کرتے ہیں۔

تعدُّدِ ازواج کا تاریخی پسِ منظر

درحقیقت تعددِ ازواج کی اباحت ظہورِ اسلام سے قبل بھی کثیر اقوام و ملل میں موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی، ان میں عبری اور زمانہ جاہلیت کے عرب بھی تھے۔ نیز صقالبہ اور سلافی اقوام بھی اور انہی کی طرف وہ اکثر ممالک منسوب ہیں جو روس، لٹوانیا، لیتھونیا، اسٹونیا، بولونیا، چیکو سلواقیہ، اور یوگوسلاویہ کے ناموں سے معروف ہیں۔ اسی طرح جرمانیہ اور سکسونیہ اقوام جن کی طرف جرمنی، سوئزرلینڈ، ہالینڈ، بیلجیم، ڈنمارک اور انگلینڈ وغیرہ منسوب ہیں، لہٰذا یہ دعویٰ کہ اسلام ہی نے فقط تعددِ ازواج کا نظریہ متعارف کرایا، درست نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ایسی متعدد غیر مسلم اقوام موجود ہیں جو اس نظریہ کی قائل و عامل ہیں مثلاً افریقی، ہندی، چینی اور جاپانی، پھر یہ بھی امرِ واقع ہے کہ مسیحی مذہب کا فی الاصل تعددِ ازواج کی تحریم سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ انجیل میں اس تحریم پر دلالت کرنے والی کوئی صریح نص موجود نہیں، اگر اہلِ یورپ کے اولین مسیحیت اختیار کرنے والی اقوام وحدتِ زوجہ پر عمل پیرا رہے ہیں، تو اس کی وجہ یہ بنی کہ ان کے رسم و رواج میں مرد ایک شادی ہی کرتے تھے کیونکہ اکثر یہ اقوام یورپی اور بت پرست تھیں اور آغاز میں انہی میں مسیحیت پھیلی اور یہ یونانی اور رومی اقوام ہیں اور یہ لوگ مسیحیت قبول کرنے کے بعد اپنے اسی رسم و رواج پہ چلے، کیونکہ مسیحیت میں ایسی کوئی تعلیمات نہ تھیں کہ ایک ہی شادی تک محدود رہا جائے یا کہ زیادہ بھی کی جاسکتی ہیں تو ایک ہی شادی تک محدود رہنا ان کے ہاں قدیم سے ہی چلا آرہا تھا، بس یہ ہوا کہ بعد ازاں کلیسا کا نظامِ جدید تعددِ ازواج کی تحریم کے اسی نظریہ پر کاربند اور مستقر ہوا اور پھر اس تحریم پر دلالت کرنے والی کوئی ہدایت موجود نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تعددِ ازواج کا نظام واضح صورت میں ترقی یافتہ اقوام میں ہی ظاہر ہوا، اس طور پر کہ پسماندہ اقوام میں یہ قلیل الوقوع یا کلیۃً ہی معدوم ہے (اس کی وجہ غربت بھی ہے) جیسا کہ معاشرتی علوم کے ماہرین اور تہذیب و تمدن کے مؤرخین کے ہاں یہ امرِ واقع ہے اور ان میں سرفہرست وسٹر مارک، ہو بہوس، ہیلیر اور جنز برج ہیں، ملحوظہ یہ ہے کہ ایک شادی تک محدود رہنا اکثر پسماندہ اور غیر ترقی اقوام میں عام تھا اور یہ وہ اقوام جن کا گزارا شکار یا جنگلی پھلوں وغیرہ پر ہوتا تھا اور جو اقوام اس پسماندگی سے نجات حاصل کرتی گئیں اور انہوں نے زراعت وصنعت کو ترقی دی اور حیوانات کو پالنا اور ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجارت وغیرہ تو ان کے ہاں تعددِ ازواج پر عمل شروع ہوا (کیونکہ وہ اب اس قابل ہوئے کہ کئی بیویوں کا خرچ اٹھا سکیں) معاشرتی علوم کے ماہرین کی رائے ہے کہ جوں جوں ترقی کی رفتار تیز ہوگی اور دنیا سے پسماندگی کا خاتمہ ہوگا، تعددِ ازواج کی سوچ پھیلے گی اور اس کا دائرہ وسیع ہوگا، لہٰذا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ تعددِ ازواج کا نظام تہذیب وتمدن کی پسماندگی کے ساتھ مربوط ہے بلکہ اس کا برعکس ہی صحیح اور امرِ واقع ہے! تاریخی لحاظ سے بھی یہی درست ہے، ہم نے یہ سب باتیں تعددِ ازواج کے نظام کی تدبیر (یعنی وجہِ جواز بیان کرنے) کی غرض سے نہیں کیں، بلکہ صرف امرِ واقع کے بیان کے لیے اور ان لوگوں کے رد کے لیے جو تعددِ ازواج کا سہارا لے کر اسلام پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولایتِ زواج

ولایت کا معنی

یہ ایک شرعی حق ہے، جو اپنے مقتضا کے ساتھ غیر پر اوامر نافذ کرتا ہے، اس کی کئی اقسام ہیں: ولایتِ عامہ، ولایتِ خاصہ، نفس پر ولایت، مال پر ولایت، یہاں مقصود ولایتِ نفس ہے، یعنی شادی (کرانے کے ضمن) میں نفس پر ولایت (سرپرستی)۔

ولی کی شروط

کہ وہ آزاد اور عاقل و بالغ ہو، مولی علیہ چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، غلام، مجنون اور نابالغ ولی نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ تو اپنے آپ کا بھی ولی نہیں، چہ جائے کہ کسی اور کا بنیں، ان مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ساتھ ایک چوتھی شرط کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور وہ ہے اسلام، یہ تب اگر مولی علیہ مسلمان ہو کیونکہ غیر مسلم مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾

''اللہ کفار کو مومنین پر ہرگز تسلط نہ دے گا۔'' (النساء: ۱۴۱)

عادل (صوم وصلاۃ وغیرہ کا پابند) ہونے کی عدم اشتراط

یہ ولی بننے کے لیے شرط نہیں، کیونکہ فسق شادی کرانے کی اہلیت سلب نہیں کرتا، اِلّا یہ کہ فسق نے اسے تہتک (یعنی شرعی احکام کی نسبت لا ابالی رویہ اختیار کرنے) کی حد تک پہنچا دیا ہو، تب مولی علیہ کی نسبت اسے امین باور نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس کا (نسبی) حقِ ولایت سلب کر لیا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شادی کے ضمن میں عورت کی اپنے آپ کے لیے ولایت کا اعتبار

کثیر علماء کی رائے ہے کہ عورت نہ اپنی بذاتِ خود شادی کر سکتی ہے اور نہ کسی اور کی کروا سکتی ہے اور اس کی عبارت کے ساتھ نکاح منعقد نہ ہوگا، کیونکہ صحتِ عقد میں ولایت شرط ہے اور عاقد (یعنی نکاح کرانے والا) ہی ولی ہے، اس کے لیے درج ذیل سے احتجاج کیا:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ (النور: ۳۲)

''اپنی بیواؤں اور صالح غلام و لونڈیوں کی شادیاں کراؤ۔''

② اور فرمایا:

﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ (البقرۃ: ۲۲۱)

''مشرکین کے ساتھ شادی نہ کراؤ، حتی کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

ان دونوں آیتوں سے وجہِ احتجاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کرانے کے ضمن میں مردوں کو مخاطب کیا ہے عورتوں کو نہیں، گویا کہا: اے اولیاء تم اپنی زیرِ ولایت عورتوں کی شادی مشرکوں سے نہ کراؤ۔

③ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ)) [1]

''سرپرست کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔''

اسے احمد، ابو داود، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے تخریج کیا اور آخری دو نے حکمِ صحت لگایا اور حدیث میں یہ نفی صحتِ عقد سے متعلق ہے، جو دونوں مجازوں میں سے اقرب الی الذات ہے، لہٰذا بغیر ولی کے شادی باطل ہوگی، جیسا کہ آگے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں صراحۃً آئے گا۔

---

[1] صحیح سنن أبی داود: ۲۰۸۵؛ سنن ترمذی: ۱۱۰۱؛ سنن ابن ماجه: ۱۸۸۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ بخاری نے امام حسن رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ کے بارے نقل کیا، کہتے ہیں مجھے سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی، کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کی شادی ایک آدمی سے کرائی، جس نے اسے طلاق دے دی، پھر عدت پوری ہوئی تو رجوع کرنے آ گیا، میں نے کہا: میں نے اسے تمہاری زوجہ بنایا اور تمہیں عزت دی پھر تم نے طلاق دے دی، اب پھر سے آ گئے ہو؟ نہیں اللہ کی قسم! وہ تمہاری طرف واپس نہ آئے گی، کہتے ہیں وہ آدمی ٹھیک ہی تھا اور میری بہن بھی چاہتی تھی کہ رجوع ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ الخ (البقرة: ٢٣٢) اس پر میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں رکاوٹ نہ بنوں گا۔ [1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس آیت کے نزول کے بارے میں یہ مذکورہ سبب اقوی ادلہ میں سے ہے اور یہ ولی کے اعتبار پر سب سے صریح دلیل ہے، وگرنہ اسے عضل (رکاوٹ) نہ بننے کا حکم دینے کا کوئی معنی نہیں بنتا اور اگر وہ خاتون خود ہی اپنی شادی کرا سکتی ہوتی تو اپنے بھائی کی انہیں ضرورت نہ ہوتی، جس کا معاملہ خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کے غیر نے اسے منع کر دیا۔

⑤ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود ہی اپنی شادی کرا لی، تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، اگر دخول ہو چکا ہے، تو وہ حقِ مہر کی حقدار تو بنی (مگر نکاح فسخ کرنا ہوگا) اور اگر وہ باہم جھگڑ پڑے۔ [2] تو حاکم (یعنی انتظامیہ/کورٹ) اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہیں۔ [3] اسے احمد، ابوداود، ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا اور کہا یہ حسن حدیث ہے، بقول قرطبی یہ حدیث صحیح ہے۔

---

① صحيح البخاري: ٤٥٢٩، ٥١٣٠؛ سنن أبي داود: ٢٠٨٧؛ سنن ترمذي: ٢٩٨١۔

② بقول محشی یعنی شادی پر متفق نہ ہوئے، بقول مترجم یعنی ولی کسی اور جگہ اور عورت کسی اور جگہ شادی چاہتی ہے۔

③ صحيح، سنن أبي داود: ٢٠٨٣؛ سنن ترمذي: ١١٠٢؛ سنن ابن ماجه: ١٨٧٩۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ابن علیہ کی ابن جریج سے اس نقل کا کوئی اعتبار نہیں کہ میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے اس حدیث بارے پوچھا تو کہا: میں اسے نہیں پہچانتا اور ابن جریج سے سوائے ابن علیہ کے کسی نے یہ بات نقل نہیں کی، حالانکہ ایک جماعت نے امام زہری رحمہ اللہ سے اسے روایت کیا ہے اور انہوں نے یہ بات ذکر نہیں کی، اگر امام زہری رحمہ اللہ سے یہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ اس ضمن میں حجت نہیں، کیونکہ اسے ان سے ثقات نے نقل کیا ہے، ان میں سلیمان بن موسیٰ جو ثقہ امام ہیں اور جعفر بن ربیعہ ہیں، تو اگر امام زہری رحمہ اللہ کو بھول لگی ہے، تو یہ ان کی نسبت ضار نہیں، کیونکہ ابن آدم کو بھول چوک تو لگ ہی جاتی ہے! حاکم کہتے ہیں: اس بارے کئی امہات المومنین سے صحیحاً مروی ہے، جن میں سیدہ عائشہ، ام سلمہ اور زینب رضی اللہ عنہن ہیں، انہوں نے تیس مرویات جمع کی ہیں، اور امام ابن منذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحابہ میں سے کوئی اس کا مخالف معروف نہیں۔

⑥ ان حضرات نے کہا کہ شادی کے متعدد مقاصد ہیں اور عورت ذات صنفِ ضعیف ہے، جو کثیر اوقات جذبات کا شکار ہو جاتی، اور غلط فیصلہ کر لیتی ہے، جس کی وجہ سے یہ مقاصد فوت ہو جاتے ہیں، لہٰذا اسے بذاتِ خود شادی کر لینے سے منع کیا گیا ہے اور یہ کام اس کے ولی کے ذمہ لگایا گیا ہے، تاکہ ان مقاصد کا حصول اکمل طور سے ممکن ہو سکے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا: اس باب میں صحابہ کا اہلِ علم کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل ہے: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ))[1] ان میں سیدنا عمر، علی، عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن مسعود اور عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں، جبکہ فقہائے تابعین میں سے سعید بن مسیب، حسن بصری، شریح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ وغیرہم ہیں اور یہ سفیان ثوری، اوزاعی، ابن مبارک، شافعی، ابن شبرمہ، احمد، اسحاق، ابن حزم، ابن ابو لیلیٰ، طبری اور ابو ثور رحمہم اللہ کا موقف تھا، طبری نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے روایت بیان کی کہ جب وہ بیوہ ہو گئیں اور (ان کے والد) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا عقد کرایا، انہوں نے بذاتِ خود یہ نہ کیا تھا، لکھتے ہیں

[1] صحیح، سنن أبی داود: ٢٠٨٥؛ سنن ترمذی: ١١٠١؛ سنن ابن ماجہ: ١٨٨١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس سے ان حضرات کے قول کا اِبطال ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ بالغ عورت اپنے آپ کا نکاح ولی کے بغیر خود ہی کرا سکتی ہے، اگر ایسا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ شادی کا پیغام بھجواتے، نہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی رائے ہے کہ عاقلہ اور بالغہ عورت اپنا نکاح خود کرا سکتی ہے، چاہے وہ کنواری ہو یا ثیب (یعنی بیوہ یا مطلقہ) البتہ مستحب یہ ہے کہ اپنا یہ معاملہ وہ اپنے ولی کو سونپے تا کہ تبذُّل (بے قدر ہونے) سے بچ سکے، کیونکہ یہ عجیب لگے گا کہ اجنبی مردوں کی محفل میں وہ خود ہی اپنا نکاح کرا رہی ہے اور اس کے عاصب (وارث) ولی کے لیے اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، الا یہ کہ اگر غیر کفو سے وہ شادی کر رہی ہو یا اس کا مہر اپنے جیسیوں کے مہر سے کم ہو، اگر غیر کفو سے اس کا نکاح ہوا اور اپنے عاصب ولی کی اذن کے بغیر تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے منقول۔ اور یہی مذہبِ حنفی کا فتویٰ ہے۔ عدم صحتِ زواج ہے، کیونکہ ہر ولی کے پاس صلاحیت نہیں کہ مقدمہ دائر کرے اور نہ ہر قاضی عدل کرتا ہے، تو جھگڑے کے سدِ باب کی خاطر انہوں نے عدم صحتِ زواج کا فتویٰ دیا ہے، ایک قول ہے کہ ولی کو حقِ اعتراض حاصل ہے اس طرح کہ وہ عدالت میں ان کی علیحدگی کرانے کے لیے دعویٰ دائر کرے گا، تا کہ خاندان سے عار کا ضرر دور ہو، لیکن یہ تب تک جب تک اس سے اولاد نہ ہوئی ہو یا حمل ظاہر نہ ہوا، ہو وگرنہ اس کا یہ حق ساقط ہو جائے گا، تا کہ اولاد اور حمل کا ضیاع نہ ہو، اگر شوہر کفو تو ہے، لیکن مہر کم رکھا گیا تو ولی، کو یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ اس میں اضافہ کیا جائے، اگر شوہر نے یہ مطالبہ مان لیا، تب تو عقد جاری رہے گا، وگرنہ معاملہ عدالت تک لے جائے، تا کہ عقد کو فسخ کیا جائے، اگر عورت کا کوئی عاصب ولی نہیں ہے کہ اصلاً اس کا کوئی ولی نہیں یا ولی تو ہے مگر غیر عاصب ہے (یعنی ایسا جو اس کی میراث کا وارث نہیں بن سکتا) تب کسی کو اس کے عقد پر اعتراض کا حق حاصل نہیں چاہے، وہ کفو سے اپنی شادی کرا رہی ہو یا غیرِ کفو سے اور چاہے مہر مثل ہو یا اس سے کم ہو، کیونکہ اس صورتحال میں یہ معاملہ خود اس کے اختیار و کنٹرول میں ہے اور اسے حقِ تصرف حاصل ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراس کا کوئی ولی نہیں جسے اس وجہ سے عار لاحق ہونے کا خدشہ ہو! جمہور احناف نے درج ذیل سے اپنے مؤقف پر استدلال کیا:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

''پھر اگر شوہر عورت کو (تیسری) طلاق دے دے، تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے (اور پھر طلاق ہو) اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی۔'' (البقرة: ٢٣٠)

② اور فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرة: ٢٣٢)

''جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں، نکاح کرنے سے مت روکو۔''

تو ان دونوں آیتوں میں نکاح کرنے کی اسناد عورت کی طرف کی ہے اور اسناد میں اصل یہ ہے کہ وہ فاعلِ حقیقی کی طرف ہو۔

③ عورت کو خرید و فروخت وغیرہ کے عقود و معاملات طے کرنے کا حق حاصل ہے، لہٰذا عقدِ نکاح کا بھی حق حاصل ہے، کیونکہ وہ بھی عقود میں سے ایک عقد ہے، اس کے ولی کا اس ضمن میں جو حق ہے اسے کالعدم نہیں کیا گیا کیونکہ اس کے سوئے تصرف کہ غیرِ کفو سے یا کم مہر پر شادی کرلی، کرنے کی شکل میں وہ بروئے کار لایا جائے گا کیونکہ اس کا سوئے تصرف اس کے ولی کے لیے باعثِ عار ہے، احناف کے مطابق جو احادیث شادی (کرانے) میں ولایت کی شرط لگاتی ہیں انہیں اس حالت پر محمول کیا جائے گا کہ خاتون ناقصۃ الاہلیت ہو بایں طور پر کہ وہ کم سن یا مجنونہ ہے اور عام کی تخصیص اور اسے اس کے بعض افراد پر مقصور کر دینا کثیر اصولیوں کے ہاں جائز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شادی سے قبل عورت سے اجازت لینے کا وجوب

عورت کی ولایت کے بارے میں اس اختلاف کے باوجود ولی پر واجب ہے کہ وہ عقد (بات پکی کرنے) سے قبل خاتون سے اس کی رضا معلوم کرے اور اس کی رائے لے، کیونکہ شادی ایک دائمی بندھن اور مرد وعورت کے مابین ایک قائم شراکت ہے اور جب تک اس کی رضامندی نہ لی جائے گی، میاں بیوی کی مطلوب باہمی ہم آہنگی حاصل نہ ہوسکے گی، اسی لیے شرع نے اس سلسلے میں عورت پر جبر واکراہ سے منع کیا ہے، چاہے وہ کنواری ہو یا مطلقہ یا بیوہ اور اس سے اذن لیے بغیر کیے گئے عقد کو غیر صحیح قرار دیا ہے اور اسے فسخ کا دعوی دائر کرنے کا حق دیا ہے، تاکہ مستبد اور ظالم ولی کا یہ تصرّف باطل اور فسخ ہو، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا)) [1]

"غیر کنواری اپنے سرپرست سے اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری سے اس کی شادی کی بابت اجازت (رضامندی) لی جائے اور اس کا پتہ اس کی خاموشی سے ہوگا۔" [2]

اسے سوائے بخاری کے جماعت نے تخریج کیا احمد، مسلم، ابوداود اور نسائی کی روایت میں ہے کہ کنواری سے اس کا والد (يَسْتَأْمِرُ) لفظی ترجمہ: "مشورہ کرے" یعنی اس کا عقد کرانے سے قبل اس سے طلبِ امر کرے گا (بات چیت) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ))

---

[1] صحیح مسلم: ۱۴۲۱؛ سنن بی داود: ۲۰۸۹؛ سنن ترمذی: ۱۱۰۸۔

[2] بقول محشی یعنی ثیب اپنے نفس کی اس امر میں زیادہ حقدار ہے کہ اس کا ولی اس کا عقد نہ کرے مگر اس کی رضا سے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ولی کے بغیر خود ہی اپنی شادی کرالے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”غیر کنواری کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔“

صحابہ نے عرض کیا: کنواری کی اجازت کیسے ہو؟ فرمایا: ((أَنْ تَسْكُتَ)) [1] ”اگر چپ رہے (تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہے)“ خنساء بنت خِدام رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی کرادی اور وہ ثیب تھیں، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، تو آپ نے ان کا نکاح فسخ کر دیا۔ [2] اسے سوائے مسلم کے جماعت نے تخریج کیا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک کنواری لڑکی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اس کے والد نے اس کی شادی کرادی ہے اور اسے یہ ناپسند ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا (کہ چاہے تو فسخ کردے اور چاہے برقرار رکھے) [3] اسے احمد، ابوداود، ابن ماجہ اور دارقطنی نے نقل کیا، عبداللہ بن بریدہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دوشیزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میرا بیاہ کر دیا ہے، تاکہ میرے ساتھ اپنی خساست (بے توقیری) دور کرے، تو آپ نے اس معاملے میں (فیصلہ کرنے کا) اسے اختیار دیا، تو وہ کہنے لگی: میں اپنے والد کی یہ کارروائی برقرار رکھتی ہوں، لیکن میں نے چاہا کہ خواتین کے علم میں لاؤں کہ اس معاملے میں آباء کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ [4] اسے ابن ماجہ نے نقل کیا اور اس کے راوی صحیح کے رواۃ میں سے ہیں۔

کم سن خاتون کی شادی

مندرجہ بالا احکامات بالغ خاتون کی نسبت ہیں، کم سن کا نکاح اس کا والد اور دادا اس کی اجازت لیے بغیر کر سکتا ہے، کیونکہ اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی (اور نہ اسے دنیا کی

---

[1] صحيح البخاري: ٥١٣٦؛ صحيح مسلم: ١٤١٩۔
[2] صحيح البخاري: ٥١٣٨؛ سنن أبي داود: ٢١٠١؛ سنن ترمذي: ١١٠٨۔
[3] صحيح، سنن أبي داود: ٢٠٩٦؛ سنن ابن ماجه: ١٨٧٥۔
[4] ضعيف، مسند أحمد: ٦/ ١٣٦؛ سنن نسائي: ٣٢٦٩؛ سنن ابن ماجه: ١٨٧٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اونچ نیچ کا کچھ پتہ ہوتا ہے) لہٰذا والد اور (اگر والد نہیں تو) دادا اس کے حقوق کا خیال رکھیں گے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور وہ نابالغہ تھیں اور اس سلسلے میں ان کی اجازت دریافت نہ کی تھی، اس صورت میں بالغ ہونے پر اسے (نکاح توڑ دینے کا) اختیار نہ ہوگا، شوافع نے مستحب قرار دیا ہے کہ بالغ ہونے پر اس کی اجازت لی جائے، تبھی شادی ہو، تاکہ شادی کے بندھن میں اسے جکڑ نہ دیا جائے، جبکہ وہ ابھی نہ چاہتی ہو، جمہور کی رائے میں والد اور دادا کے سوا کسی اور ولی کے لیے نابالغ خاتون کی شادی کر دینا جائز نہیں اور اگر کر دی تو یہ شادی صحیح نہ ہوگی، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی رحمہما اللہ اور سلف کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ سبھی اولیاء ایسا کر سکتے ہیں اور نکاح صحیح ہوگا، البتہ بالغ ہونے پر اسے اختیار ہوگا (کہ چاہے تو نکاح فسخ کر دے) یہی اصح ہے، کیونکہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کی ان کی بلوغت سے قبل شادی کر دی (اور رخصتی نہ کی) اور بالغ ہونے پر انہیں اختیار دیا۔ آپ نے ان سے رشتہ داری ہونے اور ان کے ولی ہونے کی حیثیت سے یہ شادی کی تھی، نبی ہونے کی صفت سے نہیں، وگرنہ اسے یہ اختیار نہ دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الأحزاب: ٣٦)

"اور کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں، تو وہ پھر اس میں ان کے لیے کچھ اختیار ہو۔"

صحابہ میں سے سیدنا عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب تھا۔

ولایتِ اجبار

(یعنی زبردستی سرپرست بننا عدالتی حکم سے) یہ اس شخص کی بابت ہے جس کے پاس اہلیت کا فقدان ہے، مثلاً مجنون اور ناسمجھ اور دار نابالغ، جیسا کہ اس شخص کی نسبت بھی جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پاس ناقص اہلیت ہے، مثلاً سمجھ دار نابالغ اور ناسمجھ دار، ولایتِ اجبار کا مطلب یہ ہے کہ ولی کے لیے عقدِ نکاح کا حق ہے مولی علیہ کی رائے لینے کے لیے اس سے رجوع کیے بغیر اور اس کا یہ نکاح بغیر مولی علیہ کی رضامندی پر متوقف ہوئے نافذ العمل ہوگا، شارع نے یہ ولایت مولی علیہ کی مصلحت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اجباری قرار دی ہے، کیونکہ فاقد الاہلیت یا ناقص الاہلیت اپنی مصالح کو مد نظر رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور وہ اس سے عاجز ہے، کیونکہ اس کے پاس ابھی اتنی عقل وشعور اور تجربہ نہیں کہ اس قسم کا اہم عقد طے کر سکے، اگر ایسا شخص خود سے اپنا عقد کر لے تو وہ باطل قرار پائے گا، کیونکہ عقد اور تصرفات کے انشاء میں اس کی عبارات اس کے پاس سمجھ اور شعور نہ ہونے کی وجہ سے جو اہلیت کی اصل اور اساس ہے، معتبر نہیں! جہاں تک ناقص اہلیت کا حامل تو وہ اگر اپنا عقد کر لے تو وہ صحیح باور ہوگا، اگر دیگر لازم شروط کا خیال رکھا گیا ہو، البتہ اس کا نافذ العمل ہونا ولی کی اجازت پر متوقف ہوگا، چاہے تو برقرار رکھے اور چاہے تو رد کر دے، احناف کے بقول ولایتِ اجبار نابالغوں، مجانین اور معتوہین کی نسبت نسبی ددھیالی رشتہ داروں کے لیے ثابت ہے، غیر احناف نے نابالغوں، مجانین اور معتوہین کے مابین تفرقہ کیا تو اس امر پر اتفاق کیا کہ مجانین اور معتوہین پر تو ان کے والد، دادا، وصی (جسے مرحوم اپنی اولاد کا سرپرست بنا گیا) اور حاکم کی ولایت ثابت ہے، البتہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کی نسبت باہم اختلاف کیا کہ کن کے لیے ان پر ولایتِ اجبار ثابت ہے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف والد اور وصی کے لیے، ان کے غیر کے لیے نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں والد اور دادا کے لیے ہے۔

ولی کون بن سکتے ہیں؟

جمہور جن میں مالک، ثوری، لیث اور امام شافعی رحمہم اللہ بھی شامل ہیں، کے نزدیک شادی کرانے میں اولیاء صرف عصبہ رشتہ دار بن سکتے ہیں (یعنی جو والد کی طرف سے اس کے اقارب ہیں) ماموں، اور والدہ کی طرف سے کسی رشتہ دار اور اولو الارحام (یعنی نھیالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقارب) میں سے دیگر رشتہ داروں کو حقِ ولایت حاصل نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عورت کا نکاح منعقد نہ ہوگا، مگر رشتہ دار ولی کی عبارت کے ساتھ (یعنی اس کی سرپرستی میں) اگر ایسا کوئی موجود نہیں، تب دور کے ولی کی عبارت کے ساتھ، اگر وہ بھی نہیں تب حاکم کی عبارت کے ساتھ (یعنی بذریعہ کورٹ) [1] اگر کسی خاتون نے ولی کی اذن کے بغیر خود ہی اپنی شادی منعقد کر لی تو نکاح باطل ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شادی کے ضمن میں غیر عصبہ اقارب کے لیے بھی حقِ ولایت حاصل ہے! مؤلف الروضۃ الندیہ نے اس موضوع پر محققانہ بحث کی ہے، لکھتے ہیں: میرے نزدیک صائب مؤقف یہ کہ کہا جائے اولیاء خاتون (جس کی شادی ہو رہی ہے) کے الاقرب فالاقرب کی درجہ بندی کے لحاظ سے وہ اقارب ہیں، جن کے خاندانی وقار پر حرف آتا ہے، اگر اس نے کسی غیر رشتہ دار کی وساطت سے غیر کفو سے شادی کر لی، اگر یہ معنی ملحوظ رکھیں تو یہ معاملہ صرف دھدیالی اقارب کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ ذوی السہام (جنہیں میراث سے کوئی حصہ مل سکتا ہے) میں بھی اس کا وجود ممکن ہے، مثلاً ماں کی طرف سے بھائی اور دیگر ننھیالی رشتہ دار مثلاً بیٹی کا بیٹا بلکہ بسا اوقات چچا زادوں ونحوہم کی نسبت بے وقاری کا معاملہ اشد ہوگا، لہٰذا ولایتِ ہذا کو صرف دھدیالی رشتہ داروں کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں جیسا کہ اسے ان کے ساتھ خاص کرنے کی بھی جو وارث بنتے ہوں تو جس نے یہ ادعاء کیا اس کے ذمہ دلیل ہے یا وہ اس امر کی نقل پیش کرے کہ شرعاً یا لغۃً ولیِ نکاح کا معنی یہ ہے، کہتے ہیں بلاشبہ بعض قرابتیں بعض سے اولیٰ ہوتی ہیں اور یہ اولویت ترکہ سے حصہ پانے اور اس میں تصرف کرنے کے استحقاق کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک اور امر کے اعتبار سے اور وہ عار کا لاحق ہونا (اگر غیر مناسب جگہ شادی کر لی) اور یہ عصبات کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ دیگر اقارب

[1] بقول محشی ان کے نزدیک ترتیب اس طرح ہونا واجب ہے: والد پھر دادا پھر والد کا حقیقی بھائی پھر والد کا سوتیلا بھائی پھر والد کا حقیقی بھتیجا پھر سوتیلا بھتیجا پھر درجہ بدرجہ دھودیالی رشتہ دار اور ان سب کے نہ ہونے کی صورت میں حاکم، اگر کسی کی شادی اس ترتیب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہوئی تو وہ صحیح یا ورنہ ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نسبت بھی ہے اور بلا شک بعض اقارب کا اس معاملہ میں عمل ودخل زیادہ ہوتا ہے تو آباء اور ابناء دیگر اقارب سے اس کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلے بھائی پھر بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد پھر بھائیوں اور بہنوں کی اولاد پھر چچے، تائے اور ماموں پھر جو رشتہ کی درجہ بندی میں ان کے بعد ہوں، جو ولایت کے بعض کے ساتھ اختصاص کا مدعی ہے وہ دلیل پیش کرے اور اگر اس کے پاس بطورِ دلیل صرف سلف کے اقوال ہیں، تو ہم انہیں حرفِ آخر نہیں مانتے۔ ①

کسی کا اپنی زیرِ ولایت خاتون سے خود شادی کرنے کا جواز

اگر یہ خاتون راضی ہے تو یہ جائز ہے اور نکاح منعقد کرانے کے لیے کسی اور ولی کی ضرورت نہ ہوگی، چنانچہ سعید بن خالد ام حکیم بنت قارظ سے راوی ہیں کہ انہوں نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے کئی اشخاص نے شادی کی پیش کش کی ہے، آپ ان میں سے جسے مناسب سمجھیں اس کی مجھ سے (بطورِ ولی) شادی کرادیں، وہ بولے: کیا تم کلی طور پر یہ حق مجھے سونپ رہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں تو، بولے: میں نے خود تم سے شادی کرلی۔ ② اسے بخاری نے النکاح میں معلقاً نقل کیا اور مسلم، ابوداود، نسائی اور ترمذی نے بھی کتاب النکاح میں بقول ترمذی یہ حسن صحیح ہے، مالک کہتے ہیں، اگر شبہ نے اپنے ولی سے کہا: جس جگہ چاہو میری شادی کرادو، تو اس نے خود سے اس کی شادی کردی یا کہیں بھی تو یہ عقد لازم ہوگا، اگرچہ اسے (بوقتِ نکاح) شوہر کے نام و پتہ سے آگاہ نہ بھی کیا ہو، یہی احناف، لیث، ثوری رحمہ اللہ اور اوزاعی کا مذہب ہے، امام شافعی اور داود (ظاہری) نے کہا: اس صورتحال میں حاکم اس کی شادی کا ولی بنے یا اس جیسا کوئی اور یا وہ جو رشتوں کی درجہ بندی میں اس کے بعد ہے، کیونکہ عقدِ نکاح میں ولایت شرط ہے اور ناکح (جس کی شادی ہو رہی ہے) منکح (شادی منعقد کرانے والا) نہیں بن سکتا، جیسا کہ کوئی اپنے

① الروضة الندية: ٢/ ١٤۔

② صحيح البخاري: قبل الرقم: ٥١٣١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو کوئی چیز فروخت نہیں کر سکتا، ابن حزم رحمہ اللہ نے امام شافعی اور امام داود رحمہ اللہ کی رائے کا مناقشہ کرتے ہوئے لکھا: جہاں تک ان کا قول کہ ناکح منکح نہیں بن سکتا تو اس میں ہم نے ان سے منازعت کی ہے، بلکہ ایسا ہونا جائز ہے، تو ہمارا بھی (نرا) دعویٰ ہے، جیسا کہ ان کا بھی (نرا) دعویٰ ہے (یعنی نہ ہمارے اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی نقلی دلیل ہے) اور جہاں تک یہ کہنا کہ کوئی اپنے آپ کو کوئی چیز فروخت نہیں کر سکتا، تو یہ قول صحیح نہیں بلکہ جائز ہے کہ (مثلاً) اگر اسے کسی نے کوئی چیز بیچ دینے کا وکیل بنایا تو وہ اسے خود خرید لے بشرطیکہ مؤکل کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اس کی دلیل یہ پیش کی کہ بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور خود ان سے شادی کر لی اور ان کی اس آزادی کو ہی اس شادی کا حق مہر بنا لیا۔① لکھتے ہیں: تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آزاد کردہ سے خود شادی کی ہے اور یہ مخالفین کے خلاف حجت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ (النور: ٣٢)

''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی۔''

تو جس نے کسی بے نکاح سے اس کی رضامندی سے شادی کر لی (یعنی وہ اس کا ولی بھی ہے) تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مذکور پر عمل کیا، اللہ نے منع نہیں کیا کہ بے نکاح کا منکح خود اس سے ناکح نہ بنے، لہٰذا ایسا کرنا جائز ہے۔

ولی کا موقع سے غائب ہونا

اگر شروطِ ولایت پوری کرنے والا زیادہ قریبی رشتہ دار موجود ہے، تب اس کی نسبت دور کے رشتہ والا ولی نہیں بن سکتا، مثلاً والد کی موجودگی میں بھائی کے لیے ولایتِ تزویج نہیں اور نہ چچا وغیرہ کے لیے، اگر بھائی یا چچا میں سے کسی نے نابالغ خاتون اور جو

① صحيح البخاري، ٥٠٨٦، ٥١٦٩؛ صحيح مسلم: ١٣٦٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے حکم میں ہے، کی شادی والد کی اذن یا اس کی طرف سے وکیل بنائے جانے کے بغیر کرادی تو یہ شادی (فقہی اصطلاح میں) فضولی کہلواتی ہے اور اس کا لازم النفاذ ہونا ولی کی اجازت پر متوقف ہے، یعنی اگر والد اور اقرب ولی غائب ہو اس طور پر کہ کفویت رکھنے والا شادی کا خواہشمند اس کی رائے جاننے کا انتظار نہیں کر سکتا، تو ولایت درجہ کے لحاظ سے اس کے بعد والے کی طرف منتقل ہو جائے گی، تاکہ مصلحت ضائع نہ ہو اور اس شکل میں غائب ولی کو آنے کے بعد اعتراض کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اپنی غیر موجودگی کے باوصف مثلِ معدوم اعتبار کیا گیا اور ولایت کا حق اسے ملا جو رشتے میں اس کے بعد ہے، یہ احناف کا مذہب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اگر اولیاء میں سے ابعد نے شادی کرادی جبکہ اقرب موجود تھا، تو نکاح باطل ہوگا، اگر اقرب ولی غائب ہے تو شادی کا ولی اس کے بعد کا رشتہ دار نہیں بلکہ قاضی بنے گا، مؤلف بدایۃ المجتہد نے لکھا اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول باہم مختلف ہوا ایک مرتبہ کہا: اگر ابعد نے اقرب کی موجودگی کے باوجود شادی کرادی، تو نکاح فسخ کرنا ہوگا، ایک مرتبہ کہا: اس صورت میں نکاح جائز ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اقرب کو حق حاصل ہے کہ نکاح برقرار رکھے یا فسخ کرادے! کہتے ہیں یہ سب اختلاف والد سے ماسوا کے بارے ہے، اپنی کنواری بیٹی کی بابت اسی طرح وصی سے ماسوا کے بارے اپنی مجورہ کی بابت (یعنی جس کا اسے سرپرست بنایا گیا ہے) ان دونوں کی نسبت ان کا ایک ہی قول ہے کہ نکاح مفسوخ ہے، یعنی اگر غیرِ والد نے والد کی موجودگی کے باوجود اس کی کنواری بیٹی کی شادی ولی بن کر کرادی یا غیر وصی نے وصی کی موجودگی کے باوجود، امام مالک رحمہ اللہ نے ولیِ قریب کے غیر موجود ہونے کی صورت میں ولایت بعید کی طرف منتقل ہو جانے کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے موافقت کی ہے۔

قیدی ولیِ قریب بعید کی مثل ہے۔

المغنی میں ہے کہ اگر قریبی ولی کسی ایسی جگہ محبوس یا اسیر ہے کہ اس سے مراجعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممکن نہیں، تو وہ بعید کی مثل ہے، تو بُعد کالعینہ اعتبار نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ شادی کی بابت اس سے مشورہ لینا ناممکن ہے (یعنی اگر باوجود بُعدِ مسافت کے مشاورت ممکن ہو تب اسے نظر انداز نہ کیا جائے گا) اسی طرح اگر یہ معلوم نہ ہو پائے کہ وہ قریب ہے یا بعید ہے، یا ہے تو قریب مگر اس کی جگہ (جہاں وہ قید ہے) نامعلوم ہے، تو وہ بعید کی مثل ہے۔

ایک خاتون کا دو اشخاص کی طرف سے بطورِ ولی دو جگہ نکاح منعقد کرانا

یا تو یہ ایک ہی وقت میں ہوگا یا ان دو نکاحوں میں سے ایک پہلے اور دوسرا بعد میں ہوگا، تو پہلی صورت میں دونوں نکاح باطل ہیں، لیکن دوسری صورت میں جو پہلے منعقد ہوا وہ صحیح ہے اور اسی کا اس خاتون پر حقِ زوجیت ہوگا، چاہے ثانی نے دخول کر لیا ہو یا نہیں، اگر یہ جاننے کے باوجود نکاح کر دیا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے، تو وہ (اگر دخول کر لیا تو) زانی ہے اور حد لگائے جانے کا حقدار ہے، اگر اسے معلوم نہ تھا، تو خاتون پہلے کی طرف لوٹا دی جائے گی اور اب وہ قابلِ حد نہیں، کیونکہ اسے پہلے نکاح کا علم نہ تھا، سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی خاتون کی شادی دو جگہ کرا دی گئی، تو وہ پہلے نکاح والے کی ہے۔''[1] اسے احمد اور اصحابِ سنن نے نقل کیا اور ترمذی نے صحت کا حکم لگایا، تو اس حدیث کا عموم مقتضی ہے کہ وہ اول کی ہے، چاہے ثانی نے دخول کر لیا ہو یا نہیں۔

جس خاتون کا کوئی ولی نہیں اور قاضی سے رجوع کرنے کی اس میں استطاعت نہیں

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر خاتون کسی ایسی جگہ ہے جہاں حکومتی ادارے (عدالت وغیرہ) نہیں اور نہ کوئی اس کا ولی ہے، تو اب اس کی شادی کا معاملہ وہاں کے کسی قابلِ بھروسہ شخص کے سپرد کیا جائے گا اور وہ ولی بن کر اس کی شادی کرا دے، کیونکہ شادی تو کرنا ہی ہے، تو اس قسم کی صورتِ احوال میں مناسب ترین راستہ دیکھا جائے گا۔[2]

---

[1] ضعیف، مسند أحمد: ٥/٨؛ سنن أبی داود: ٢٠٨٨؛ سنن ترمذی: ١١١٠۔

[2] الجامع لأحکام القرآن، ٣/ ٧٦۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: وہ شخص شادی کرائے جسے خاتون اپنا معاملہ سونپ دے، کیونکہ انتظامیہ کی طرف رجوع کرنے سے وہ عاجز ہے، لہٰذا جس کسی کو اپنا معاملہ سونپے، وہ اس کی نسبت حاکم متصور ہوگا تو فی الجملہ یہ معاملہ اس امر کی طرف راجع ہوا کہ (علاقہ کے) اہلِ اسلام اس کے اولیاء ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اس صورتحال میں عورت نے کسی کو اپنا ولی نامزد کر دیا تا کہ اس کی شادی کرادے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ تحکیم (یعنی ثالث بنانے) کی قبیل سے ہے اور جسے ثالث بنایا جائے، وہ حاکم کا قائم مقام ہوتا ہے۔

ولی کا رکاوٹ بننا

علماء متفق ہیں کہ ولی کو رکاوٹ بننے کا حق نہیں کہ اسے شادی سے منع کر کے اس پر ظلم وزیادتی کا مرتکب ہو، اگر کوئی مہرِ مثل (جو اس جیسیوں کا عرفِ عام میں مقرر کیا جاتا ہے) کے ساتھ اس کا کفو اس سے شادی پر تیار ہو، اگر منع کیا تو خاتون حق رکھتی ہے کہ اپنا معاملہ عدالت میں لے جائے تا کہ عدالت کے ذریعہ اس کی شادی ہو جائے اس حالت میں ولایت اس کے بعد والے رشتے دار کی طرف منتقل نہ ہوگی، بلکہ براہِ راست قاضی کی طرف راجع ہوگی، کیونکہ عضل (رکاوٹ بننا) ظلم ہے اور اس کی شکایت کا محل عدالت ہے، اگر ولی کا رکاوٹ بننا اور منع کرنا کسی معقول سبب سے ہے کہ مثلاً مرد جس سے شادی کی وہ خواہاں ہے، کفو نہیں یا مہر مثل سے کم ہے یا کوئی اور زیادہ مناسب رشتہ موجود ہے، تب وہ عاضل شمار نہ ہوگا اور ولایت اس سے (قاضی کی طرف) منتقل نہ ہوگی، سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میری بہن کے رشتے آئے اور ان میں میرا چچا زاد بھی تھا، تو میں نے اس سے اسے بیاہ دیا، اس نے طلاقِ رجعی دے دی پھر رجوع نہ کیا، حتی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی، جب پھر سے اس کے رشتے آنا شروع ہوئے، تو اس نے بھی رجوع کی خواہش کا اظہار کیا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ کبھی اس کی دوبارہ شادی نہ کروں گا، تو میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرة: ۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں۔''

کہتے ہیں: تو میں نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور انہیں رجوع کی اجازت دے دی۔

یتیمہ کی شادی

یتیمہ کی اس کے بالغ ہونے سے قبل شادی کرا دینا جائز ہے، اس کے اولیاء (یعنی جن کے وہ زیرِ کفالت ہے) اس کے عقدِ نکاح کے ولی ہوں گے اور بلوغت کے بعد اسے اختیار ہوگا (کہ چاہے تو یہ شادی فسخ کرا دے) یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، احمد اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، قرآن میں ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ (النساء: ۱۲۷)

''لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجئے اللہ تم کو ان کے بارے میں بتلاتا ہے اور جو حکم اس کتاب میں پہلے دیا گیا ہے، وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے، جنہیں تم ان کا حق تو دیتے نہیں لیکن خواہش رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ یہ وہ یتیمہ جو اپنے ولی کے ہاں زیرِ پرورش ہے اور وہ خود اس سے شادی کا خواہشمند ہے، لیکن اسے مہر دینے میں انصاف سے کام نہیں لے رہا، تو انہیں شادی کرنے سے منع کیا گیا، لیکن اگر مناسب مہر (یعنی جو اس علاقہ میں چلتا ہے) دیں تب جائز ہے! سنن اربعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ یتیمہ سے اس کی شادی کے بارے مشورہ لیا جائے، اگر (کسی کا نام ذکر کرنے پر) چپ رہے تو یہ (گویا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی طرف سے ہاں ہے، لیکن اگر انکار کر دے تب جائز نہیں۔[1] امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یتیمہ کی شادی کرانا صحیح نہیں جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''یتیمہ سے اس رائے معلوم کی جائے''[2] اور یہ بلوغت کے بعد ہی ممکن ہے، کیونکہ نابالغ کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔

دونوں طرف سے عقدِ نکاح کا ایک ہی ولی ہونا

اگر کوئی شخص دولہا اور دلہن دونوں کا ولی ہے، تو وہ یہ نکاح منعقد کرا سکتا ہے تو (مثلاً) دادے کو حقِ ولایت حاصل ہے کہ اپنے نابالغ پوتے کا اپنی کسی نابالغ پوتی سے شادی کر دے (یعنی اس صورت میں کہ دونوں یتیم ہیں) اسی طرح تب بھی اگر اسے (والدین نے) وکیل بنایا ہو (یعنی معاملہ اس کے حوالے کیا ہو)۔

قاضی بطورِ ولی

اس کی طرف حقِ ولایت درجِ ذیل دو صورتوں میں منتقل ہوگا:

① اگر اولیاء باہم اختلاف کرتے ہوں۔

② اگر ولی موجود نہیں یا تو مطلقاً ہی یا غائب ہے۔

(سفر یا جہاد وغیرہ پر ہے، جیسا کہ تفصیل گزری) اگر کفو موجود ہے اور بالغ خاتون راضی ہے اور اولیاء میں سے کوئی بھی حاضر نہیں، اس طور کہ وہ غائب ہے، اگرچہ کسی قریبی جگہ پہ ہو، مگر وہ شہر جہاں یہ دولہا دلہن ہیں سے خارج ہے، تو اس حالت میں قاضی نکاح کا متولی بن سکتا ہے، اِلّا یہ کہ دونوں غائب ولی کے انتظار پر راضی ہوں تو یہ خاتون کا حق ہے، چاہے انتظار لمبا ہو جائے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہے، تب شادی روکے رکھنے کا کوئی جواز نہیں، حدیث میں ہے، ''تین امور مؤخر نہ کیے جائیں: نماز جب اس کا وقت ہو جائے،

---

[1] صحیح، سنن أبی داود: ۲۰۹۳؛ سنن ترمذی: ۱۱۰۹؛ سنن نسائی: ۶/ ۸۷۔

[2] صحیح، سنن أبی داود: ۲۰۹۳؛ سنن ترمذی: ۱۱۰۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنازہ جب (غسل و تکفین کے بعد) حاضر ہو اور ایّم کا نکاح جب کفو رشتہ موجود ہو۔" ①
اسے بیہقی وغیرہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور اس کی سند ضعیف ہے، اس باب میں متعدد روایات ہیں، مگر سبھی ضعیف ہیں، یہی سب سے اچھی تھی۔ ②

شادی میں وکالت (کسی کو اپنا نمایندہ بنالینا)

فی الجملہ جائز عقود اور معاملات میں وکالت جائز ہے، کیونکہ کثیر معاملات میں لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے، فقہاء متفق ہیں کہ ہر عقد جو انسان خود طے کر سکنے کا مجاز ہے، اسے وہ بذریعہ وکیل بھی طے کرنے کا مجاز ہے، جیسے خرید و فروخت، اسی طرح اجارت، اقتضائے حقوق اور مقدمات اور شادی اور طلاق وغیرہ تمام معاملات و عقود جو نیابت کے قابل ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی بطورِ وکیل شادیاں کرائیں، ابو داود نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا: "کیا تم راضی ہو کہ فلاں سے تمھاری شادی کرادوں؟" اس نے کہا: جی ہاں، ایک عورت سے کہا تھا: "کیا راضی ہو کہ فلاں سے تمھاری شادی کرادوں؟ اس نے بھی ہاں کہا۔ اور اس کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا اور نہ اسے کچھ دیا، اس کا شوہر ان صحابہ میں سے تھا، جو حدیبیہ میں حاضر ہوئے اور ان حضرات کے لیے خیبر کی غنائم میں سے حصہ مقرر کیا گیا تھا، جب اس شخص کی وفات کا وقت ہوا، تو کہنے لگا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر مقرر کیے بغیر فلاں سے میری شادی کرادی تھی، میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا خیبر کا حصہ اسے بطورِ مہر کے دے دیا، چنانچہ اس نے اپنا یہ مہر اپنے قبضہ میں لیا اور بعد ازاں ایک لاکھ (درہم) میں یہ جائیداد فروخت کی۔ ③ اس حدیث میں دلیل ہے کہ طرفین کی جانب سے شادی کے لیے

---

① ضعیف، سنن ترمذی: ۱۰۷۵؛ سنن ابن ماجہ: ۱۴۸۶۔

② بقول محشی اسے ترمذی نے الجنائز میں نقل کیا اور کہا غریب ہے میں اس کی سند کو متصل نہیں خیال کرتا، حاکم نے اسے النکاح میں نقل کیا اور لکھا غریب صحیح ہے، شیخین نے تخریج نہیں کیا (یعنی ان کی شرط پر ہے) ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی، ابن ماجہ نے الجنائز اور بخاری نے اسے تاریخ کبیر میں نقل کیا۔

③ صحیح، سنن أبی داود: ۲۱۱۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کو اپنا نمایندہ بنالینا صحیح ہے، سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ارضِ حبشہ (اسے آجکل ایتھوپیا کہتے ہیں) کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں، تو وہ وہیں تھیں کہ سیدنا نجاشی رضی اللہ عنہ (بادشاہِ حبشہ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کرادی۔ ① اسے ابوداود نے نقل کیا۔

عقد کے متولی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بطورِ وکیل عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بنے تھے، آپ نے خود انہیں یہ کام سونپا تھا، جبکہ نجاشی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ولی (وکیل) بنے اور خود ہی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے) حقِ مہر ادا کیا۔

شرعاً کس کس کی وکالت صحیح ہے؟

عاقل، بالغ اور آزاد مرد کو وکیل بنانا صحیح ہے، کیونکہ وہ کامل الاہلیت ہے، اسی طرح ہر جو کامل اہلیت والا ہو، کیونکہ وہ خود اپنی شادی کرا سکتا ہے، تو ایسا شخص کسی کا نمایندہ بھی بن سکتا ہے، اگر کوئی ناقص یا فاقد الاہلیت ہے، تو اسے کسی کی وکالت کا حق نہیں، مثلاً مجنون، بچہ، غلام، اور ناسمجھ، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی خود اپنی شادی کے سلسلے میں مستقل اختیار نہیں رکھتا، فقہاء نے کسی عاقل اور بالغ خاتون کے اپنی شادی کے ضمن میں کسی کو اپنا نمایندہ بنالینے کی بابت اختلاف کیا ہے اور یہ ان کے خاتون کی عبارت کے ساتھ انعقادِ زواج کے بارے اختلاف کے بحسب ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اس کی طرف سے وکیل بنالینا درست ہے، جیسا کہ مرد کی طرف سے ہے، کیونکہ انشائے عقد اس کے حق میں سے ہے (یعنی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے) لہٰذا کسی کو اپنی جانب سے انشائے عقد کے لیے وکیل بنالینا بھی اس کا حق ہے، جمہور علماء نے کہا یہ اس کے ولی کا حق ہے کہ اس کا عقد کرے اسے اس کے لیے وکیل بنانے کی ضرورت نہیں، اگرچہ اس کی رضا کا اعتبار کرنا ضروری ہے، جیسا کہ گزرا، بعض علمائے شافعیہ نے والد اور دادا اور دیگر اولیاء کے مابین تفرقہ کیا، تو کہا: والد اور دادا کی توکیل کی ضرورت نہیں (کہ وہ تو بطورِ ولی اس کی شادی کرائیں گے ہی) البتہ ان سے دیگر کے لیے خاتون کی طرف سے وکیل بنانا ضروری ہے۔

① صحيح، سنن أبي داود: ٢٠٨٦؛ سنن نسائي: ٦/ ١١٩؛ مسند أحمد: ٦/ ٤٢٧۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلق اور مقید توکیل

توکیل دونوں طرح جائز ہے، مطلق بھی اور مقید بھی! مطلق یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر کسی خاص عورت کی تقیید کے شادی میں وکیل بنالے (کہ کہیں بھی میری شادی کرادو) یا مہر یا اس کی مقدار معین کیے بغیر، جبکہ مقید یہ ہے کہ کسی خاص عورت کے ساتھ اپنی شادی کرانا اس کے ذمہ کرے یا کسی خاندان کو مقید کرے یا مخصوص مہر کی قید لگائے، مطلق توکیل کا حکم یہ ہے کہ وکیل ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اب کسی بھی قید کے ساتھ مقید نہیں تو اگر (مثلاً) کسی معیب عورت یا غیر کفو یا بھاری مہر کے ساتھ شادی کرادی تو یہ جائز ہوگا، اور عقد صحیح و نافذ ہوگا کیونکہ اطلاق کا یہی اقتضا ہے، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا: معذوری سے سلامتی اور کفو ہونے کی قید لازمی امر ہے، البتہ مہر کے ضمن میں کچھ چھوٹ دی جاسکتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ کسی کو وکیل بنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا مناسب رشتہ تلاش کرے اور ترکِ تقیید کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی سی بھی عورت ڈھونڈ لائے کیونکہ یہ امر مفہوم تھا کہ اس کے حسبِ لائق عورت اور مہرِ مثل کے ساتھ شادی کرائے گا کہ عرفاً جو چیز معروف ہوتی ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے مشروط کیا ہو، بقول مؤلف یہی رائے اختیار کرنا لائق ہے۔

مقید توکیل کا حکم یہ ہے کہ اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی الا یہ کہ مخالفت اس کی بتلائی شروط سے احسن کی جانب ہو کہ مثلاً جیسی عورت اس نے تلاش کرنے کا کہا تھا، وہ اس سے بھی اچھی لے آیا، یا اس نے جتنا مہر مقرر کرنے کا کہا تھا، اس سے کم پر شادی کرادی، لیکن اگر مخالفت اس سے دیگر میں ہے، تو عقد تو صحیح ہوگا، مگر موکل پر اس کا اجراء اس کی اجازت اور رضا پر متوقف ہوگا، چاہے تو رد بھی کرسکتا ہے، احناف کے نزدیک اگر عورت نے وکیل بنایا ہے تو یا تو معین کی بابت وکیل بنائے گی یا غیر معین کی بابت، اگر اول ہے تب (خلاف ورزی کی صورت میں) عقد اس پر نافذ نہ ہوگا، وہ نافذ تبھی ہوگا جب اس کی سب ہدایات کی پابندی کی ہوگی اور اگر ثانی صورت تھی، مثلاً کہا: میں تجھے وکیل بناتی ہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ کسی (بھی) مرد کے ساتھ میری شادی کرادو، تو اس نے خود اپنے ساتھ، یا اپنے والد یا اپنے بیٹے کے ساتھ کرادی، تو بوجہ تہمت (کہ شاید کسی مالی یا دیگر مفاد کی وجہ سے ایسا کیا ہے) یہ عقد لازم نہ ہوگا اور یہ خاتون کی طرف سے برقرار رکھنے پر متوقف ہوگا، اگر کسی دیگر کے ساتھ شادی کرائی، تو اگر وہ کفو ہے اور مہر مثلی ہے، تو نکاح لازم النفاذ ہوگا، اب خاتون یا اس کے ولی کے لیے رد کردینے کا حق نہیں، اگر شوہر تو کفو ہے، لیکن مہر کم ہے اور صاف دھوکا دہی ہوئی ہے، تو عقد لازم نہ ہوگا، بلکہ یہ خاتون اور اس کے ولی کی اجازت پر متوقف ہوگا، کیونکہ دونوں یہ استحقاق رکھتے ہیں، اگر شوہر کفو نہ ہو تو عقد فاسد ہوگا، چاہے مہر صحیح بھی ہو، اب خاتون کی طرف سے برقرار رکھنے پر بھی اس کا توقف نہیں، کیونکہ یہ حق فاسد نکاح کے ساتھ لاحق نہیں بلکہ موقوف زواج کے ساتھ ہے۔

شادی میں وکیل سفیر اور معبر ہے (اس کے ارادے سے تعبیر کرنے اور آگاہ کرنے والا)

شادی کی وکالت دیگر عقود کی وکالت سے مختلف ہے، شادی میں اس کے اپنے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں، بلکہ وہ محض سفیر اور معبر ہے، تو عقد کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں تو نہ اس سے مہر کا مطالبہ کیا جائے گا (اگر شوہر انکار کرے) اور نہ بیوی کو شوہر کی مطیع بنانے کا (شادی ہو جانے کے بعد اب اس کی وکالت ختم، مابعد کے حالات کا وہ ذمہ دار نہیں) اگر وہ خاتون کا وکیل تھا، اسی طرح وہ اس کی طرف سے مہر وصول نہ کرے گا، اِلّا یہ کہ خاتون نے اس کی اجازت دے رکھی ہو اور یہ توکیل شادی کرانے کی توکیل سے دیگر ہے جو عقد پایہ تکمیل تک پہنچ جانے سے ختم ہوئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شادی میں کفو

کفو کی تعریف

کفو کفاءت سے ہے، جو مساوات اور مشاکلت ہے (یعنی ایک جیسے ہونا) تو کفو کا معنی ہوا مثیل اور نظیر، شادی کے باب میں اس سے مقصود یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کا مثیل ونظیر ہو، یعنی مرتبہ و مقام، سماجی رتبہ اور خِلقت اور مالی لحاظ سے اس کا ہم سر اور متقارب ہو، اس امر میں شک نہیں کہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے ہم سر ہوں تو اس سے ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار اور کامیاب رہنے میں بڑی مدد ملے گی اور دونوں کی ہم آہنگی ہوگی۔

کفو کا حکم

امام ابن حزم رحمہ اللہ شادی کے سلسلے میں کفاءت کے عدم اعتبار کے قائل ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: کوئی بھی مسلمان بشرطیکہ وہ زانی نہ ہو، کسی بھی مسلمان خاتون سے شادی کا اہل ہے اور اہلِ اسلام سب بھائی بھائی ہیں، کسی غیر معروف النسب حبشن کے بیٹے پر حرام نہیں کہ وہ ہاشمی خلیفہ کی بیٹی سے شادی کرے اور فاسق مسلمان جو فسق کی غایت تک پہنچ چکا ہے البتہ زانی نہیں، وہ ہر مسلمان فاسقہ عورت کا کفو ہے، بشرطیکہ وہ زانیہ نہ ہو! کہتے ہیں: اس کی حجت یہ آیت ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

''مومن بھائی بھائی ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (النساء:۳)

''جن عورتوں سے تمہیں رغبت ہو ان سے (شروط مدِ نظر رکھتے ہوئے) شادی کرلو۔''

اور نبی کریم ﷺ نے (اپنی پھوپھی زاد) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کی (لیکن اسی وجہ سے کہ دونوں کفو نہ تھے یہ شادی کامیاب نہ ہوسکی) اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کا نکاح ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب سے کیا، کہتے ہیں جہاں تک فاسق اور فاسقہ کے بارے ہمارا قولِ مذکور ہے تو ہماری مخالفت کرنے والے کو لازم ہے کہ وہ فاسق کے لیے جائز قرار نہ دے، مگر یہ کہ فاسقہ ہی سے شادی کرے اسی طرح فاسقہ کے لیے مگر کہ وہ فاسق ہی سے شادی کرے، مگر کوئی بھی اس کا قائل نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ ﴾ اور فرمایا: ﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبة: ۷۱)

''اہلِ ایمان ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔''

علماء کی ایک جماعت کا مؤقف ہے کہ کفویت کا اعتبار کرنا ہوگا، لیکن صرف خُلق اور ظاہری محاسن میں! حسب ونسب، پیشہ اور مالداری میں نہیں اور نہ کسی اور شے میں! تو ایک صالح آدمی کے لیے جائز ہے، جو کسی معروف نسب کا مالک نہیں کہ وہ کسی خاندانی وجاہت والی عورت سے شادی کرے، اسی طرح کوئی نیچ پیشہ والا کسی رفیع المنزلت خاتون سے (یعنی اگر باہمی رضامندی ہے) اور ظاہری جاہ وحشمت سے محروم شخص جاہ وشہرت والی سے اور فقیر کسی مالدار خاتون سے، اگر وہ عفیف ومسلمان ہے اور خاتون کے اولیاء میں سے کسی کو اعتراض نہیں اور نہ گھر بار چھوڑ دینے کا مطالبہ ہے، اگر مرد میں استقامت کی شرط نہ ہو تو وہ نیک خاتون کا کفو نہیں اور اسے حق حاصل ہے اگر وہ کنواری ہے اور والد نے زبردستی فاسق سے اس کی شادی کرادی ہے کہ فسخِ نکاح کا دعوی دائر کرے، بدایۃ المجتہد میں ہے کہ مالکیہ کے ہاں اس کے بارے کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کسی باکرہ کا اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے والد نے کسی شرابی یا فاسق سے نکاح کرنا چاہا تو وہ انکار کردے، اور اگر زبردستی شادی کرادی تو (مقدمہ دائر کرنے پر) حاکم علیحدگی کرادے اسی طرح کسی ایسے مرد سے جس کا مال حرام ہے یا وہ بات بات پر طلاق دینے کی قسمیں کھاتا ہے تو بھی، ان کا استدلال درج ذیل سے ہے:

① اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔''

تو اللہ نے واضح کیا کہ لوگ خِلقت اور انسانی قیمت و قدر میں باہم مساوی ہیں اور کوئی کسی سے عزت میں زیادہ نہیں، مگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اللہ کا تقوی اختیار کرنے کے ساتھ۔

② ترمذی نے حسن سند کے ساتھ ابو حاتم مزنی سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر دین وخُلق کے لحاظ سے پسندیدہ اور مناسب رشتہ آئے تو قبول کر لیا کرو، وگرنہ سخت فتنہ اور فساد ہو سکتا ہے۔''[1] تین مرتبہ یہ فرمایا تو اس میں آپ کا تخاطب اولیاء سے تھا کہ وہ اپنی زیرِ ولایت خواتین کا نکاح دین، امانت اور خُلق کے لحاظ سے اچھے لوگوں سے کر دیا کریں اور اگر صاحبِ خلق و دین کو ترجیح نہ دی اور حسب ونسب اور جاہ و مال میں راغب ہوئے تو سخت فتنہ وفساد برپا ہو سکتا ہے۔

③ ابوداود نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے بنی بیاضہ سے فرمایا: ''ابوہند کے خاندان سے رشتے ناطے کرو۔''[2] وہ سینگی لگانے والے

---

① حسن، سنن ترمذی: ۱۰۸۵۔

② حسن، سنن أبی داود: ۲۱۰۲؛ المستدرك للحاكم: ۲/ ۱۶۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، معالم السنن میں ہے کہ یہ حدیث امام مالک اوران کے موافقین کے لیے حجت ہے، جن کی رائے ہے کہ کفویت صرف دین میں ملحوظ رکھی جائے گی، کیونکہ ابو ہند بنی بیاضہ کے مولی تھے اوران میں سے نہ تھے۔

④ نبی کریم ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے شادی کا پیغام دیا، وہ اوران کے بھائی عبداللہ اپنے قریشی ہونے کے باوصف نہ مانے، یہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، جبکہ زید آزاد کردہ غلام تھے، تواللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الأحزاب: ٣٦)

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ واضح گمراہ ہو گیا۔''

توان کے بھائی نے کہا: حضور جو آپ کا حکم ہو تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے شادی کرادی۔

⑤ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ (جو قریشی تھے) نے سالم جو ایک انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے، کی شادی (اپنی بھتیجی) ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کرائی۔

⑥ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی شادی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن سے ہوئی۔ ①

⑦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کفو کے بارے میں سوال ہوا تو کہا: سبھی لوگ ایک دوسرے کے کفو ہیں عربی، عجمی، قریشی اور ہاشمی اور دیگر، اگر وہ اسلام و ایمان لائیں! یہی مالکیہ کا مذہب ہے شوکانی رحمہ اللہ کے بقول یہی سیدنا عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ سے منقول ہے، ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسے راجح قرار دیا اور لکھا:

① سنن دار قطنی ٣٠٢/٣۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی کو نبی کریم ﷺ کا کفویت میں دین ملحوظ رکھنے کا حکم مقتضی ہے، لہٰذا کسی مسلمہ کی کافر سے اور عفیفہ کی فاجر سے شادی نہ کرائی جائے، قرآن وسنت نے کفویت کے ضمن میں اس کے سوا کسی امر کا اعتبار نہیں کیا اس نے مسلمہ پر حرام کیا کہ کسی زانی خبیث سے شادی کرے، نسب، پیشہ، مالداری اور حریت کا اعتبار نہیں کیا، تو غلام کے لیے مجوز کیا کہ وہ خاندانی، مالدار اور آزاد خاتون سے شادی کر سکتا ہے، اگر وہ مسلمان اور عفیف ہے، اسی طرح غیر قریشیوں کے لیے کہ وہ قریشی خواتین سے نکاح کر سکتے ہیں اور غیرِ ہاشمی ہاشمی خواتین سے اور فقراء مالدار خواتین سے۔

جمہور فقہاء کا مذہب

جیسا کہ مالکیہ اور دیگر علماء جن کی طرف اس سے قبل اشارہ ہو چکا ہے، یہ رائے رکھتے ہیں کہ کفویت صرف استقامت اور صالحیت کے ساتھ ہی معتبر ہے، جبکہ دیگر کئی فقہاء کے نزدیک کفویت استقامت اور صالحیت کے ساتھ معتبر ہے اور فاسق آدمی عفیفہ کا کفو نہیں، البتہ یہ حضرات کفویت کو صرف اسی پر مقصور نہیں کرتے بلکہ خیال کرتے ہیں کہ کئی اور امور بھی ہیں جنہیں، اس ضمن میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور وہ ہیں:

① حسب ونسب

تو عرب ایک دوسرے کے (بلا امتیاز وقبیلہ) کفو ہیں اور قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں، عجمی کسی عربی خاتون کا اور غیر قریشی عربی مرد کسی قریشی خاتون کا کفو نہیں، اس کی دلیل حاکم کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَرَبُ اَكْفَاءٌ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ قَبِيلَةٌ لِقَبِيلَةٍ وَحَيٌّ لِحَيٍّ وَرَجُلٌ لِرَجُلٍ إِلَّا حَائِكاً أَوْ حَجَّاماً))[1]

---

① موضوع، تلخیص الحبیر: ۳/ ۱٦۔
بقول محشی صاحب التنقیح نے کہا: یہ منقطع ہے کیونکہ شجاع بن ولید نے اپنے بعض اصحاب کے نام ذکر نہیں کیے، اسے بیہقی نے بھی سنن کبریٰ میں نقل کیا ہے [۷/ ۲۱۷]۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"سب عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ہر قبیلہ دوسرے کا اور ہر شاخ دوسری کی اور ہر آدمی کسی بھی دوسرے کا ماسوائے جولاہے کے اور سینگی لگانے والے کے (یعنی وہ آپس میں شادیاں کریں)۔"

بزار نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْعَرَبُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَكْفَاءٌ وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ)) [1]

"اور موالی (یعنی آزاد کردہ غلام ولونڈی) بھی ایک دوسرے کے کفو ہیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں حکم دیتا ہوں کہ خاندانی وجاہت والی خواتین کا نکاح انہی جیسوں سے کیا جائے۔[2] اسے دار قطنی نے نقل کیا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے بارے میں ابو حاتم نے کہا کہ یہ کذب ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، دار قطنی نے العلل میں لکھا، یہ غیر صحیح ہے، بقول ابن عبد البر منکر وموضوع ہے! جہاں تک حدیثِ معاذ تو اس میں سلیمان بن ابوالجون ہیں جو امام ابن قطان رحمہ اللہ کے بقول غیر معروف ہیں، پھر یہ خالد بن معدان کی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں سے ہے اور ان کا ان سے سماع نہیں، صحیح یہ ہے کفویت کے ضمن میں حسب ونسب کو ملحوظ رکھنے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

شافعیہ اور حنفیہ نے اس مذکورہ طرز پر نسب کے ساتھ اعتبارِ کفویت میں باہم اختلاف نہیں کیا، لیکن ان کا قریشیوں کے درمیان تفاضل میں باہم اختلاف ہے: تو احناف کی رائے میں قریشی ہاشمی اور مطلبی کا کفو نہیں، اس کے لیے ان کا استدلال سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ نے کنانہ کو بنی اسماعیل میں سے چنا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے! تو میں خیار کی صلب میں سے خیار ہوں۔"[3] اسے مسلم نے نقل کیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب دوسروں پر مقدم

---

[1] ضعیف منقطع، مسند البزار: ۱٤۲٤۔ بقول محشی التعلیق المغنی، اس کی سند ضعیف ہے۔ [2] ضعیف، سنن الدارقطنی: ۲۹۸/۳۔ [3] صحیح مسلم: ۲۲۷٦۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور ان کے ماسوا سب ایک دوسرے کے مساوی ہیں، بقول مؤلف حق اس کے بر خلاف ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنی دو بیٹیوں کو (یکے بعد دیگرے) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہا تھا (جو ہاشمی نہ تھے) اسی طرح (اپنی بڑی بیٹی) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا ابوعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کی اور یہ دونوں عبدِ شمس سے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کی اور وہ بنی عدی قبیلہ کے تھے، بات یہ ہے کہ شرفِ علم ہر نسب اور ہر دیگر شرف سے بالا تر ہے تو عالم آدمی ہر عورت کا کفو ہے، چاہے کسی قبیلہ و قوم کی وہ ہو اور اگرچہ یہ عالم کسی معروف خاندان و قبیلہ کا نہ ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا))[1]

"لوگ سونے چاندی کی کانوں کی مانند ہیں، جاہلیت میں اعلیٰ خاندانی وقار والے اگر اسلام لے آئیں تو ان کا خاندانی وقار پہلے کی طرح قائم ہے بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔"

اور قرآن میں ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

"اللہ ایمان والوں اور اہلِ علم کے رتبے بڑھاتا ہے۔" (المجادلة: ١١)

یہ عربوں کی نسبت سے، جہاں تک عجم تو ان کے لیے کفویت میں نسب معتبر نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اکثر اصحاب سے مروی ہے کہ عربوں پر قیاس کرتے ہوئے ان کی نسبت نسبی کفاءت کا اعتبار ہے، کیونکہ ان کے ہاں کسی خاتون کی اپنے سے کمتر خاندان کے فرد کے ساتھ شادی ہونا باعثِ عار ہے، تو ان پر بھی اتحادِ علت کے مدِ نظر عربوں والا حکم ہی نافذ ہوگا۔

[1] صحیح البخاري: ٣٣٨٣؛ صحیح مسلم: ٢٦٣٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② حریت

تو غلام مرد آزاد خاتون کا کفو نہیں اور نہ آزاد کردہ غلام ہی اور نہ وہ شخص جس کے آباء و اجداد میں سے کسی نے غلامی کا طوق پہنا اس خاتون کا کفو ہے، جس کے آباء و اجداد میں سے کوئی غلام نہ تھا، کیونکہ ان کی آپس میں شادی ہونا خاتون کے لیے عار کا باعث ہوگا۔

③ اسلام

اصول (باپ دادے) کا اسلام میں باہم کفو ہونا، یہ غیر عربوں میں معتبر ہے! جہاں تک عرب تو ان میں اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ وہ اپنے انساب کے تفاخر کے ساتھ مکتفی ہیں اور اپنے اصول (بڑوں) کے مسلمان ہونے پر وہ تفاخر نہ کرتے تھے، جہاں تک غیر عرب موالی اور اعاجم تو وہ اپنے بڑوں کے مسلمان ہونے کے ساتھ متفاخر ہیں، تو اس پر اگر عورت مسلمان ہے اور اس کے آباء و اجداد بھی تو ایسا شخص اس کا کفو نہ ہوگا، جس کے باپ دادا مسلمان نہ تھے اور جس خاتون کا کوئی ایک اب یا جد مسلمان تھا، اس کا وہ مرد کفو ہوگا جس کا بھی کوئی ایک اب یا جد مسلمان تھا اور جس مرد کا باپ اور دادا مسلمان ہوں وہ اس عورت کا کفو ہے جس کا والد اور متعدد اجداد مسلمان تھے کیونکہ آدمی کا تعارف اس کے والد اور دادا کے ساتھ مکمل ہے، اس سے اوپر والے قابلِ التفات نہیں، ابو یوسف کی رائے ہے کہ جس کسی شخص کے بڑوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو، وہ اس خاتون کا کفو ہے، جس کے کئی بڑے مسلمان تھے، کیونکہ ان کے نزدیک ذاتی تعارف والد کے ذکر کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک والد اور دادا دونوں کے ساتھ تعارف مکمل ہوگا۔

④ پیشہ

اگر عورت ایسے خاندان کی ہے جس کا پیشہ محترم اور شریف ہے، تو کسی نیچ پیشہ والا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص اس کا کفو نہ ہوگا، اگر پیشے باہم قریب قریب ہیں، تو معمولی تفاوت مؤثر نہیں! پیشوں کے معزز اور غیر معزز ہونے کے بارے معیار عرفِ عام ہے، کبھی کوئی پیشہ کسی علاقہ میں شریف اور معزز باور ہوتا ہے، مگر وہی کسی اور علاقہ یا زمانہ میں ایسا متصور نہیں ہوتا، کفویت کے سلسلے میں پیشے کا اعتبار کرنے کے قائلین کا استدلال سابق الذکر اس حدیث سے ہے: ((اَلْعَرَبُ بَعْضُهُمْ)) الخ امام احمد رحمہ اللہ سے کہا گیا: آپ تو اس روایت کو ضعیف گردانتے ہیں، مگر فتوی یہی دیتے ہیں؟ کہنے لگے کیونکہ اسی پر عمل ہے۔ المغنی میں ہے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ حدیث اہلِ عرف کے موافق وارد ہوئی ہے اور اس لیے کہ معزز اور شریف پیشوں والے کمتر پیشے والوں مثلاً جولاہے، رنگساز، جھاڑو پھیرنے والے اور کوڑا اکٹھا کرنے والوں وغیرہ سے اپنی بیٹیوں کی شادی کرنا نقص و عار خیال کرتے ہیں اور لوگ اسے عار سے تعبیر کرتے ہیں، تو یہ نسب میں نقص کے مشابہ ہے، یہ شوافع اور حنفیہ میں سے امام محمد اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کا مذہب ہے، امام احمد اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی منقول ہے، ابویوسف سے ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا نہایت برا سمجھا جاتا ہے۔

⑤ مال

امام شافعیہ رحمہ اللہ کے ہاں کفویت میں اس کا اعتبار کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ان کے بعض اس کے قائل ہیں، ان کے نزدیک فقیر مالدار خاتون کا کفو نہیں، کیونکہ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسب: مال ہے اور کرم: تقوی ہے''[1] کہتے ہیں اور اس لیے کہ فقیر کا معیارِ زندگی ناز و نعمت میں پلی خاتون سے کمتر ہے، (لہٰذا وہ اس کے پاس خوش نہ رہ سکے گی) دیگر نے کہا: مال تو آنی جانی چیز ہے اور خاندانی لوگ اس پر غرور نہیں کیا کرتے، اور انہوں نے شاعر کا ایک قول بیان کیا:

---

① صحیح، سنن ترمذی: ۳۲۷۱؛ مسند أحمد: ۵/ ۱۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غنينا زماناً بالتّصعلك والفقر وكلّا سقاناه بكأسيهما الدّهر
فما زادنا بغياً على ذی قرابة غنانا ولا أزرى بأحسابنا الفقر

''ہم ایک عرصہ مفلسی اور فقر سے مستغنی رہے، دونوں نے ہمیں زمانے بھر کے جام پلائے ہماری غنیٰ نے ہمیں رشتہ داروں پر کبھی سرکشی نہ کرنے دی اور نہ فقر ہی نے ہمارے حسب پر عیب لگایا۔''

احناف کے نزدیک مالداری کا اس ضمن میں اعتبار کیا جائے گا اور اس سلسلے میں معتبر یہ ہے کہ وہ مہر دینے اور بیوی کے اخراجات اٹھانے کا متحمل ہو سکے، جو ان دونوں یا ان میں ایک کی سکت نہیں رکھتا وہ کفو نہیں، مہر سے مراد جو عرفِ عام میں معجلاً ادا کیا جاتا ہے، باقی تو عرفاً مؤجل ہوتا ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے صرف نفقہ کی سکت رکھنے کا اعتبار کیا مہر کا نہیں، کیونکہ اس میں تو مساہلت چل جاتی ہے اور آدمی اپنے والد کی مالی حالت سے بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی کفویت میں مالداری ملحوظ رکھے جانے کے بارے ایک قول منقول ہے کیونکہ مالدار خاتون فقیر شوہر ہونے کی صورت میں حرج اور تنگی محسوس کرے گی کیونکہ وہ اس کا اور اس کی اولاد کا خرچ صحیح طرح سے نہیں اٹھا سکے گا اور اس لیے کہ لوگ غریبی کو ایک نقص سمجھتے ہیں اور نسب سے بھی بڑھ کر اس میں باہم متفاضل ہوتے ہیں۔

⑥ عیوب سے سالم ہونا

اصحابِ شافعی اور ابن نصر رحمہ اللہ کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بھی کفویت کی شروط میں سے قرار دیا ہے، تو معذور اور عیب دار غیر معذور اور غیر معیب خاتون کا کفو نہیں ہو سکتا، احناف اور حنابلہ نے بھی اسے کفویت کی شروط میں سے قرار دیا، المغنی میں ہے: جہاں تک عیوب سے سلامتی تو یہ کفویت کی شروط میں سے نہیں، اس امر میں اختلاف نہیں کہ اس کا عدم نکاح باطل نہ کرے گا، لیکن خاتون کو نہ کہ اس کے اولیاء کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ اس کا ضرر اسی سے مختص ہے، اس کا ولی کوڑھی، برص اور مجنون کے ساتھ شادی کرنے سے اسے منع کرنے کا حق رکھتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفویت کس میں مدِ نظر رکھی جائے گی؟

یہ شوہر میں ملحوظ کی جائے گی نہ کہ بیوی میں، تو عورت کے بارے شرط نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی کفو ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس لونڈی ہو اور اس نے اسے خوب اچھی تعلیم و تربیت دی، پھر آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔''[1] اسے بخاری اور مسلم نے نقل کیا، نبی کریم ﷺ کا کفو کون ہو سکتا ہے؟ اور آپ نے مختلف عرب قبائل میں شادیاں کی تھیں اور آپ کی ازواج مطہرات میں سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جو یہودیہ تھیں پھر اسلام لائیں! عموماً ملحوظہ یہ ہے کہ رفیع المنزلت خاندان کی خاتون ہی اپنے قبیلہ و قوم کے لیے عار کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ غیر کفو سے شادی کر لے اس کے برعکس ایک شریف النسب مرد اگر کسی خسیس النسب خاتون سے شادی کر لے تو معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔

کفویت عورت اور ولی کا حق ہے

جمہور فقہاء کی رائے میں کفویت عورت اور ولی کا حق ہے، تو ولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی زیرِ ولایت خاتون کی غیر کفو سے شادی کرے، مگر اس کی اور دیگر سب اولیاء کی رضامندی سے، کیونکہ بغیر کفویت کے شادی کرانا باعثِ عار ہوگا، ہاں اگر خاتون اور دیگر سب راضی ہیں، تب جائز ہے، کیونکہ مانع ان کا حقِ کفویت تھا اور اگر وہ اس سے دستبردار ہوتے ہیں تو مانع زائل ہوا، شافعیہ کے نزدیک کفویت کا حق صرف اس کا ہے جو فی الحال (بوقتِ شادی) ولی ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ یہ قریب و بعید تمام متعلقہ اولیاء کا حق ہے تو جو بھی ان میں سے راضی نہ ہو اس کے لیے حقِ فسخ ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے دوسرا قول یہ منقول ہے کہ یہ اللہ کا حق ہے اور اگر خاتون اور اس کے اولیاء دستبردار ہو بھی جائیں تب بھی یہ صحیح نہ ہوگا، لیکن یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ کفویت فقط دینی اعتبار سے ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک قولِ منقول یہی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: ٢٥٤٤؛ صحیح مسلم: ٢٤١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفویت کب معتبر ہوگی؟

یہ عقد کے انشاء کے وقت، اگر عقد ہو جانے کے بعد کفویت کے اوصاف میں سے کوئی وصف موجود نہ پایا تو یہ ضار نہیں اور نہ اس سے امرِ واقع میں کوئی تبدیلی ہوگی اور نہ ہو چکا عقد متاثر ہوگا، کیونکہ شروطِ نکاح بوقتِ عقد ہی معتبر ہوتی ہیں، مثلاً اگر کوئی بوقتِ نکاح کسی معزز پیشہ سے وابستہ تھا یا مالی حالت ایسی تھی کہ بیوی کے اخراجات کا متحمل ہو جاتا یا مردِ صالح تھا (یا معذوری وغیرہ سے سالم تھا) پھر شادی کے بعد حالات بدل گئے اور نیچ پیشہ اختیار کر لیا یا اخراجات سے عاجز ہوا یا فسق کی روش اختیار کر لی تو اس سے عقد متاثر نہ ہوگا، کیونکہ یہ انقلابِ زمانہ ہے اور انسان سدا ایک حال پر دائم نہیں رہتا، تو خاتون کو چاہیے کہ وہ نئی حقیقت قبول کرے اور صبر وتقوی کا دامن نہ چھوڑے کہ یہی عزمِ امور سے ہے۔

حقوقِ زوجیت

اگر عقدِ نکاح صحیحاً ہوا اور نافذ العمل ہوا، تو اس کے کئی اثرات مرتب ہوں گے اور اس کے بموجب کئی طرح کے حقوقِ زوجیت واجب ہوں گے، ان حقوق کی درجِ ذیل تین اقسام ہیں:

① بیوی کے حقوق شوہر کے ذمہ

② شوہر کے حقوق بیوی کے ذمہ

③ دونوں کے مابین مشترکہ حقوق، تو ان سب حقوق کی بطریقِ احسن ادائیگی ہی کامیاب اور خوشگوار ازدواجی زندگی کی ضامن ہے، ذیل میں اس کی تفصیل اور بعض حقوق کا بیان کیا جاتا ہے:

میاں بیوی کے مشترکہ حقوق

① دونوں کا ایک دوسرے سے جنسی تعلق اور استمتاع: اور یہ دونوں کی رضا اور خواہش سے ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② حرمتِ مصاہرت: یعنی بیوی شوہر کے آباء و اجداد اور اس کے بیٹوں اور ان کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد کے لیے محرم ہو جائے گی، جیسا کہ شوہر بھی مصاہرت کی حرمت کی رو سے اپنی بیوی کی والدہ اور نانی/ پڑنانی، اس کی بیٹیوں اور اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کے لیے محرم بنے گا۔

③ مجرد عقد ہوتے ہی دونوں کے مابین توارُث ثابت ہو جائے گا، اگر اتمامِ عقد کے بعد دونوں میں سے ایک فوت ہو گیا، تو دوسرا اس کے ترکے سے اپنے حصے کا وارث بنے گا اگرچہ دخول نہ بھی ہوا ہو۔

④ صاحبِ فراش (یہ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کہ عورت کی جس سے نسبتِ نکاح معروف ہے یعنی شوہر) کی طرف ہی بچہ منسوب ہوگا۔

⑤ حسنِ معاشرت: یعنی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں، تاکہ ہم آہنگی ہو، قرآن پاک میں ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء: ١٩)
''بیویوں سے اچھا سلوک کرو۔''

شوہر کے ذمہ بیوی کے واجب الادا حقوق

ان میں مالی حقوق ہیں یعنی مہر اور نان ونفقہ کی ادائیگی اسی طرح غیر مالی حقوق مثلاً اگر متعدد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان عدل کرنا اور امتیازی سلوک نہ کرنا یا بیوی کو تکلیف نہ دینا، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہر

اسلام کی عورتوں کے ساتھ خاص عنایت ہے کہ انہیں حقِ تملّک عطا کیا، زمانہ جاہلیت میں عورت بالکل بے حقوق اور بے قدر و قیمت ہوتی تھی، حتی کہ اس کا ولی اس کے خالص مال میں بھی تصرف کرتا اور اس کے لیے تملک اور تصرف کا موقع بالکل نہ چھوڑتا تھا، تو اسلام نے اس حرماں نصیبی کا خاتمہ کیا اور بیوی کے لیے حقِ مہر کا اثبات کیا اور اس کی ادائیگی اس کے شوہر کے ذمہ عائد کی اور یہ خالص اس کا حق ہے، نہ اس کے والد کو اور نہ کسی دیگر رشتہ دار کو اس پر حقِ تصرف ہے یا یہ کہ اس میں سے کچھ لے لیں مگر اس کی رضا کے ساتھ، قرآن میں ہے:

﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا﴾ (النساء: ٤)

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں، تو اُسے بلا تردد ہنسی خوشی کھالو۔''

یعنی انہیں ان کے مقرر کردہ مہور طے شدہ عطاء کے بطور دو نہ کہ اس طور پر کہ استمتاع کا عوض متصور ہوں، اگر مالک بننے اور اپنے قبضہ میں لینے کے بعد بیوی اپنی خوشی سے کچھ اس میں سے دے تو حرج نہیں (یا کچھ حصہ معاف کر دے یا سارا ہی) لیکن اگر یہ دینا کسی جبر و اکراہ یا دھوکے یا حیا کے سبب ہو تب حلال نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴾

''اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا، بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟ اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد بھی لے چکی ہیں۔'' (النساء: ۲۰۔۲۱)

مہر عورت کے لیے مفروض ہے، اس سے وہ کھلے دل اور مرضی سے شوہر کو اپنا قوام (نگران و منتظم) تسلیم کرے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء: ۳٤)

''مرد عورتوں پر بالا دست (اور سرپرست) ہیں، اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

اس سے تعلق مضبوط اور محبت بڑھے گی۔

مہر کی مقدار

شریعت نے مہر کی کوئی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں کی، کیونکہ لوگوں کی مالی حالت باہم متفاوت ہوتی ہے اور پھر ہر خاندان کی اپنی عادات اور رسوم و رواج ہوتے ہیں، لہٰذا اسلام نے یہ تحدید نہیں کی تاکہ ہر کوئی اپنی بساط، اپنی حیثیت اور خاندانی رسم و رواج کے مطابق (اور فریقین باہمی رضامندی سے) جو بھی طے کر دیں، اور نصوص سے دلالت ملتی ہے کہ مہر کے سلسلہ میں کوئی چیز مشترط نہیں، بس ایسی چیز ہونی چاہیے جو ذی قیمت ہو، قطع نظر اس کے کہ قلیل یا کثیر! تو جائز ہے کہ وہ لوہے کی انگشتری ہی ہو یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً پیالہ بھر کھجوریں یا کتاب اللہ کی تعلیم اور اس جیسے امور، اگر دونوں اس پر راضی ہیں۔

سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی فزارہ کی ایک خاتون کی شادی ایک جوڑا جوتوں پر ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''کیا تم اس مہر پر راضی ہو؟'' اس نے اثبات کیا تو آپ نے عقد کی اجازت دی۔① اسے احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا اور اس پر حکمِ صحت لگایا، سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنا آپ آپ کی صوابدید پر چھوڑتی ہوں، تھوڑی دیر بعد ایک صحابی کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو میری کرادیں! فرمایا: کیا مہر دینے کو کچھ ہے؟ کہنے لگا: بس یہ میری چادر ہے! فرمایا: ''یہ اگر اسے (بطورِ مہر) دے دی، تو تم چادر کے بغیر بیٹھے رہو گے، کچھ اور تلاش کرو۔'' اس نے کہا: کچھ اور نہیں پاتا، فرمایا: ''ضرور طلب و جستجو کرو، چاہے لوہے کی انگشتری ہی ہو۔'' یہ بھی نہ ملی تو آپ نے کہا: ''کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟'' عرض کی: فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، فرمایا: ''میں نے انہی سورتوں (کی اسے تعلیم دینے کی شرط) پر اس کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا''② اسے بخاری اور مسلم نے نقل کیا، بعض صحیح روایات میں یہ الفاظ مذکور ہوئے: ((عَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ)) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اس کی مقدار بیس آیات ذکر کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابو طلحہ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا، تو انہوں نے کہلوایا: تمہارے جیسا آدمی رد نہیں کیا جاتا، لیکن تم کافر اور میں مسلمان ہوں، لہٰذا میرے لیے حلال نہیں کہ تم سے شادی کروں، ہاں! اگر اسلام قبول کر لو، تو یہی میرا مہر ہوگا۔ اور کچھ مزید نہ مانگوں گی، کہتے ہیں تو یہی ان کا مہر تھا۔③ تو یہ احادیث دلیل ہیں کہ کسی بھی قلیل چیز کو مہر مقرر کیا جا سکتا ہے، اسی طرح کسی طرح کی کوئی خدمت، منفعت یا عمل کو بھی، قرآن کی تعلیم بھی ایک منفعت ہے۔

---

① ضعیف، سنن ترمذی: ۱۱۱۳؛ سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۸۔

② صحیح البخاری: ۵۰۳۰، ۵۱۴۹؛ صحیح مسلم: ۱۴۲۵۔

③ صحیح، سنن نسائی: ۶/۱۱۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احناف نے مہر کی کم از کم مقدار دس درہم اور مالکیہ نے تین درہم مقرر کی ہے، لیکن دونوں کے پاس کوئی مستند دلیل نہیں، بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کم از کم مہر کے بارے کچھ روایات تو ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں، امام ابن قیم رحمہ اللہ مندرجہ بالا روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے یہی (بطورِ مہر) اختیار کیا کہ ابوطلحہ اسلام لے آئیں اور اسی کو اپنے لیے منفعت جانا اور قربانی دی اور اسے مال پر ترجیح دی، دراصل مہر بیوی کے انتفاع کے لیے ہی ہوتا ہے اگر وہ علم و دین اور خاوند کے اسلام لانے پر ہی راضی ہو یا قرآن کی تعلیم دینے پر تو یہ تو افضل اور انفع المهور رہوا، لہٰذا نکاح مہر سے خالی باور نہ کیا جائے! کسی نص سے مہر کی کم از کم مقدار دس یا تین دراہم ثابت نہیں، بعض نے مخالفت کرتے ہوئے قرار دیا کہ مہر صرف مال ہی ہو سکتا ہے دیگر منافع نہیں اور نہ تعلیم وتعلم، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے، بہرحال تحدیدِ مہر کے بارے کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں اور نہ اجماع اور قیاس سے! جو ان احادیث کو نبی کریم ﷺ کا اختصاص کہے اور کہ یہ منسوخ ہیں یا یہ کہ اہلِ مدینہ کا عمل اس کے برخلاف ہے، تو یہ ایسا دعویٰ ہوگا جس کی کوئی دلیل نہیں اور اصل اس کا رد کرتی ہے، اہلِ مدینہ کے سید التابعین سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے اپنی بیٹی کی شادی دو درہم مہر کے عوض کی تھی اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا، بلکہ اسے ان کے فضائل اور مناقب میں شمار کیا گیا، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پانچ درہم مہر پر شادی کی تھی اور نبی کریم ﷺ سے اس کی تائید ہوئی۔[1] لہٰذا مہر کی مقدار کے بارے کوئی چیز ثابت نہیں۔

جس طرح کم از کم مہر کی کوئی حد ثابت نہیں، اسی طرح زیادہ سے زیادہ کی بھی نہیں، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارے منقول ہے کہ ایک دفعہ برسرِ منبر چار سو درہم سے زیادہ حق مہر رکھنے سے منع کیا، پھر نیچے اترے تو ایک قریشی عورت آڑے آئی اور کہا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾ "اور تم ان میں سے کسی

---

[1] صحیح البخاری: ۵۰۷۲؛ صحیح مسلم: ۱۴۲۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کو خزانہ دے چکے ہوں۔" تو کہنے لگے: یا اللہ! معاف فرما، ہر آدمی ہی عمر سے افقہ ہے، پھر لوٹے، منبر پر چڑھے اور کہا: میں اپنی بات واپس لیتا ہوں، جو چاہو مہر مقرر کرو۔ اسے سعید بن منصور نے نقل کیا۔ ① عبداللہ بن مصعب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مہر چالیس اوقیہ چاندی سے زیادہ نہ رکھا کرو، جس نے زیادہ رکھا میں اسے بیت المال میں جمع کرلوں گا، تو ایک خاتون بول پڑی آپ کو یہ کرنے کا حق نہیں، بولے کیوں نہیں؟ کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ﴿وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا﴾ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، عورت کی بات درست اور مرد (یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کی غلط ہے۔ ②

بیش قیمت مہور مقرر کرنے کی کراہت

بہر صورت اسلام کی کوشش ہے کہ مرد و خواتین میں سے کوئی بھی شادی سے محروم نہ رہے، تاکہ ہر کوئی حلال وطیب سے مستمتع ہو اور یہ تبھی ممکن ہوگا، جب شادی آسانی اور سہل طریقہ سے عمل میں آسکے اور غرباء بھی اس دائرے میں آسکیں جن کے پاس زیادہ مہر دینے کی سکت نہیں اور امرِ واقع یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت غریب طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا اسلام نے بہت زیادہ اور بتکلف مہر دینے اور اس کی طلب کو مکروہ قرار دیا ہے اور خبر دی ہے کہ مہر جتنا کم مقدار میں ہوگا ازدواجی بندھن مبارک ثابت ہوگا اور قلتِ مہر عورت کی برکت سے ہے! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً)) ③

"زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس کا مہر آسان ہو۔"

اور فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يُمْنُ الْمَرْأَةِ خِفَّةُ مَهْرِهَا وَ يُسْرِ نِكَاحِهَا وَحُسْنُ خُلُقِهَا وَشُؤْمُهَا غَلَاءُ مَهْرِهَا وَعُسْرُ نِكَاحِهَا وَسُوْءُ خُلُقِهَا)) ④

---

① ضعیف، الدر المنثور: ۲/ ٤٦٦۔ ② ضعیف، مصنف عبدالرزاق: ۱۰٤۲۰۔
③ ضعیف، مسند أحمد: ٦/ ١٤٥۔ ④ یہ حدیث مبارکہ نہیں بلکہ امام غزالی رحمہ اللہ کی ایک حدیث کے مطابق وضاحت ہے۔ جس کو غلطی سے حدیث سمجھ لیا گیا۔ دیکھیے: احیاء العلوم: ۲/ ۲۱۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وہ عورت بابرکت ہے جس کا مہر کم ہو، اس سے شادی آسان ہوا اور وہ حسنِ خلق سے متصف ہو، جبکہ اس کی نحوست یہ ہے کہ بیش قیمت مہر والی ہو، بڑی مشکل سے اس سے شادی ہوئی ہوا اور وہ بداخلاق ہو۔''

کثیر لوگ اس حقیقت سے نابلد ہیں اور وہ زمانہ جاہلیت کی رسوم و رواج کے قیدی بنتے ہوئے نہایت گراں مہر مقرر کرتے اور اس کا مطالبہ کرتے ہیں، گویا عورت ایک سامانِ تجارت ہے، جس کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کی جائے، اس کا نتیجہ شادی مشکل ہونے کی صورت میں نکلا، جس کے نتیجہ میں بے شمار شرور اور مفاسد ظاہر ہوئے اور معاشرہ بے راہ روی کا شکار بنا اور حلال کا حصول حرام کے حصول سے زیادہ دشوار بنا۔

مہرِ معجّل اور مؤجل

مہر کا ادا کرنا معجلاً یا مؤجلاً لوگوں اور خاندانوں کے عرف اور رسم و رواج پر منحصر ہے، بہر حال اس کا کچھ حصہ معجلاً ادا کر دینا مستحب ہے، کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے سے قبل کچھ حق مہر ادا کرو، انہوں نے کہا: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، فرمایا: ''تمہاری حُطمی زرہ کہاں ہے؟'' چنانچہ وہ انہیں دے دی۔ (1) اسے ابو داود اور نسائی نے نقل کیا اور حاکم نے صحیح قرار دیا، ابو داود اور ابن ماجہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ ایک شادی کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ایک دلہن کو اس کے شوہر کی طرف رخصت کر دوں اور ابھی اس نے مہر میں سے کچھ ادا نہ کیا تھا۔ (2) تو یہ حدیث پورے مہر کی مؤجل ادائیگی کے جواز پر دال ہے، جبکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے دلالت ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دینا بطورِ ندب تھا، اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں، سلف اس امر کو مستحسن سمجھتے تھے کہ پہلے معجلاً کچھ مہر ادا کرے پھر رخصتی ہو، زہری رحمہ اللہ نے کہا:

(1) صحیح، سنن أبی داود: ۲۱۲۵؛ سنن نسائی: ۶/۱۲۹۔
(2) ضعیف، سنن أبی داود ۲۱۲۸؛ سنن ابن ماجه: ۱۹۹۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں پتہ چلا کہ سنت سے ہے کہ رخصتی سے قبل کچھ نفقہ یا لباس کی شکل میں کچھ دے اوراسی پر اہلِ اسلام کا عمل رہا۔

رخصتی کے بعد دلہن کے پاس شوہر آئے اور اس پہ واجب ہے کہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کرے اور گریز نہ کرے، اگرچہ مقررہ مہر میں سے معجلاً کچھ ادا نہ بھی کیا ہو، امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جس کی شادی ہوئی اور مہر کا ذکر ہوا ہو یا نہیں وہ دخول کرسکتا ہے، چاہے زوجہ کو یہ بات بری ہی لگے (کہ کچھ مہر معجلاً کیوں نہیں دیا) بہر حال وہ مقررہ مہر دینے سے انکار نہیں کرسکتا، لیکن اس کی وجہ سے رخصتی میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے، اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا تھا، تو مہرِ مثل دینا ہوگا، الّا یہ کم پر یا زیادہ پر دونوں راضی ہو جائیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تاجیلِ مہر سے شوہر کا حق ساقط نہ ہوگا، کیونکہ بیوی کی رضا مندی سے یہ شادی ہوئی، ہاں اگر مہر کا کچھ حصہ معجلاً ادا کرنا شرط تھا، تب دخول جائز نہ ہوگا اوراس صورت میں دلہن کو گریز کا حق ہے، امام ابن منذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تمام اہلِ علم جن سے دین نقل وحفظ کیا جاتا ہے، کا اجماع ہے کہ مہر ادا ہونے تک دلہن گریز کا حق رکھتی ہے۔ مؤلف المحلی (ابن حزم رحمہ اللہ) نے اس رائے کا مناقشہ کیا اور کہا: کسی بھی مسلمان کو اس امر سے اختلاف نہیں کہ جب عقد ہوگیا تو وہ اب اس کی زوجہ ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں، تو جس نے مہر کی ادائیگی ہونے تک اسے بیوی کے پاس جانے سے روکا، وہ کتاب وسنت کی نص کے بغیر اس کے اور اس کی زوجہ کے مابین حائل ہوا۔ لیکن حق وہی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ نہ شوہر کو اس کے حق سے روکا جائے اور نہ بیوی کو اس کے حق مہر سے، لیکن وہ اس کے نہ چاہنے کے باوجود اس کے پاس جا سکتا ہے اوراس کے پاس جو مال موجود ہے اس سے مہر کا اخذ کیا جائے اگرچہ اسے برا لگے، ایک قائل کی اس بات (أَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ) "ہر حقدار کو اس کا حق دو۔" کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی تھی۔ ①

① صحیح البخاری: ۱۹۶۸؛ سنن ترمذی: ۲۴۱۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کل مقررہ مہر کب شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا

یہ درجِ ذیل احوال میں سے کسی ایک حالت میں:

① جب حقیقی دخول ہو چکا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــــًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟ اور تم اسے کیسے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔'' (النساء: ۲۰-۲۱)

② جب دخول سے قبل دونوں میں سے ایک مر جائے، یہ مجمع علیہ امر ہے۔

③ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اگر خلوتِ صحیحہ واقع ہو چکی ہو، تو وہ مہر کی مستحق ہو جائے گی، وہ یہ کہ دونوں کسی ایسی جگہ باہم مجتمع ہو گئے ہوں، جہاں کسی کے ان پر مطلع ہونے کا امکان نہ تھا اور دونوں میں سے کسی کے بارے میں کوئی شرعی مانع بھی نہ تھا کہ مثلاً وہ فرض روزہ سے ہو یا عورت حائضہ ہو یا کوئی حسی مانع کہ بیمار ہوں، اس طرح کہ جماع سے عجز ہو یا قدرتی مانع کہ وہاں کوئی اور بھی ہو، ان کا استدلال ابو عبیدہ کی زرارہ بن ابو اوفی سے روایت ہے، کہتے ہیں: خلفائے راشدین کا فیصلہ تھا کہ اگر دونوں نے دروازہ بند کر لیا اور پردہ لٹکا لیا تھا، تو مہر کی ادائیگی واجب ہوئی۔ امام وکیع رحمہ اللہ نے نافع بن جبیر رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے، جب دروازہ بند کر لیا اور پردہ لٹکا لیا تو مہر واجب ہوا اور اس لیے کہ خود سپردگی خاتون کی جانب سے موجود ہوئی، لہٰذا اس کے بدل (یعنی مہر) کی وہ حقدار بنی، امام مالک، امام شافعی اور داود رحمہ اللہ نے مخالفت کی اور کہا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہر تبھی واجب ہوگا، جب جماع ہو اور صرف خلوتِ صحیحہ سے نصف مہر واجب ہوا، کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (البقرة: ٢٣٧)

''اور اگر تم عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے تھے تو آدھا مہر دینا ہوگا، الا یہ کہ وہ خود مہر معاف کر دیں یا وہ مرد جن کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح ہے۔''

(اس کا ولی) اور مسیس سے یہاں مراد جماع ہے اور خلوت کی حالت میں مسیس واقع نہیں ہوا، لہٰذا نصف مہر کی وہ مستحق بنے گی، شریح نے کہا: اللہ نے کتاب میں دروازے اور پردے کا ذکر نہیں کیا تو اگر شوہر دعوی کرے کہ اس نے اسے نہیں چھوا (یعنی جماع نہیں کیا) تو اس کے لیے نصف مہر ہے! اور سعید بن منصور نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ وہ اس شخص کی بابت کیا کرتے تھے جس کی منکوحہ اس کے پاس آئی، پھر اس نے طلاق دیدی اور زعم کیا کہ اس نے جماع نہیں کیا، لہٰذا اس کے ذمہ نصف مہر کی ادائیگی ہے، عبدالرزاق نے ان سے نقل کیا کہ پورا مہر ادا کرنا تبھی واجب ہوگا اگر جماع کیا ہو۔

فاسد نکاح میں دخول کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا وجوب

کسی کا عقد ہوا اور دخول بھی واقع ہوا، پھر کسی سبب اس عقد کا فاسد ہونا ظاہر ہوا تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا، کیونکہ ابو داود نے روایت نقل کی کہ بصرہ بن اکثم کی ایک کنواری سے شادی ہوئی، وہ جب اس کے ساتھ خلوت ہوئی تو اسے حاملہ پایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا: ''تم نے چونکہ جماع کر لیا ہے، لہٰذا اس کے لیے مہر واجب ہوا اور بچہ تمہارا غلام ہوگا اور وضعِ حمل کے بعد اسے حد مارو۔''[1] اور ان کی علیحدگی کرادی تو اس سے فاسد نکاح میں بھی مہر کے وجوب کا ثبوت ہے، جیسا کہ یہ بھی عیاں ہوا کہ پتہ لگنے پر عقدِ فاسد فسخ اور باطل ہو جائے گا۔

---

[1] سنن أبی داود: ٢١٣١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہر کے ذکر کیے بغیر نکاح کر لینا

ایسی شادی (زَوَاجُ التَّفْوِيضِ) کہلاتی ہے اور اکثر اہلِ علم کے قول کے مطابق صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (البقرة: ۲۳۶)

"تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جب تک تم نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو یا ان کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو۔"

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر گناہ نہیں جس نے مسیس سے قبل طلاق دی اور قبل اس کے کہ مہر مقرر کرے، اگر بغیر مہر کے ذکر کے شادی کی اور مشترط کیا کہ اس کے ذمہ کوئی مہر نہیں تو ایک قول ہے کہ یہ شادی صحیح نہیں، مالکیہ اور ابن حزم یہی رائے رکھتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ)) [1]

"ہر شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔"

اور یہ شرط بھی کتاب اللہ میں مذکور نہیں لہٰذا یہ باطل ہے، بلکہ قرآن سے تو اس کا ابطال واضح ہوتا ہے کیونکہ ارشاد ہوا:

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (النساء: ۴)

یعنی "بیویوں کے حق مہر خوشی سے ادا کیا کرو۔"

اور یہ نکاح غیر صحیح ہے، احناف جواز کے قائل ہیں کیونکہ مہر عقدِ نکاح کا رکن یا شرط نہیں۔

اس حالت میں اگر شوہر نے دخول کر لیا، یا دخول سے قبل ہی وفات پا گیا تو بیوی کے لیے مہرِ مثل ہے اور میراث میں بھی اسے مقررہ حصہ ملے گا، چنانچہ ابوداود نے

---

[1] صحیح مسلم: ۱۵۰۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ اس مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے کہا: میں اس بارے میں اپنی رائے سے فتوی دے رہا ہوں، اگر یہ درست ہے تو من جانب اللہ اور اگر خطا ہے، تو مجھ سے ہے، وہ یہ کہ اس کے خاندان کی عورتوں کے مہور کی مثل اسے مہر ملے گا، نہ کم اور نہ زیادہ اور اس کے ذمہ عدت ہے اور ترکے میں وہ حصہ دار ہے۔ اس پر سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بَرْوَع بنت واشق کے معاملے میں دیا تھا۔ [1] امام ابوحنیفہ، احمد اور داود رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کے دو میں سے اصح قول ہے۔

مہرِ مثل

یہ وہ مہر جسے عمر، جمال، مال، عقل، دین، بکارت یا ثیوبت کے لحاظ سے اس علاقے میں اس جیسی خواتین حقدار ہوتی ہیں اور ان کے لیے مقرر کیا جاتا ہے! عموما اس مماثلت کے ضمن میں معتبر خاتون کے اپنے خاندان کی دھدھیالی خواتین ہوں گی، امام احمد رحمہ اللہ کے مطابق ننھیالی بھی، اگر اپنے خاندان میں اس کی مثیل نہ ہو تو کسی دیگر اس جیسے خاندان کی خواتین کے مہور کے مثل۔

نابالغ خاتون کا مہرِ مثل سے کم مہر پر نکاح کرنا

امام شافعی، داود، ابن حزم رحمہم اللہ اور احناف کے صاحبین کا قول ہے کہ والد کے لیے جائز نہیں کہ اپنی نابالغ بیٹی کی مہرِ مثل سے کم مقدار کے مہر پر شادی کرے اور اگر کر دیا، تو خاتون کے لیے (بالغ ہونے پر) یہ نکاح لازم نہ ہوگا اور مہرِ مثل کا مطالبہ اس کا استحقاق ہوگا: کیونکہ مہر اس کا حق اور مال ہے اور اس پر اس کے والد کا کوئی حق نہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بقول: اگر کسی نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کر دیا اور مہر کم رکھا تو یہ جائز ہے، لیکن والد اور دادا کے سوا کسی اور ولی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

---

[1] صحیح، سنن أبی داود: ۲۱۱۴؛ سنن ترمذی: ۱۱٤٥؛ سنن ابن ماجه: ۱۸۹۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصف مہر کی ادائیگی

یہ تب اگر دخول سے قبل طلاق دے دی اور مہر مقرر کر دیا گیا تھا، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو اور تم اس کا حق مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (لازم) ہے۔''

کچھ متاع (ساز وسامان) دینے کا وجوب

اگر کسی نے اپنی بیوی کو دخول سے قبل طلاق دی اور مہر مقرر نہ کیا تو شوہر پر اسے کچھ ساز وسامان دینا واجب ہے، یہ اس (مہر) کے عوض جو اس سے چھوٹا، قرآن نے اسے تسریح باحسان کے ساتھ تعبیر کیا: جب کہا:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

''یا تو بھلے طریقہ سے بساؤ یا پھر عمدگی سے چھوڑ دو۔''

علماء کا اجماع ہے کہ جس خاتون کے لیے بوقتِ عقد مہر مقرر نہ کیا گیا اور دخول سے قبل علیحدگی عمل میں آگئی، تو اس کے لیے سوائے اس متاع کے کچھ اور نہیں اور یہ متاع کس مقدار میں ہو؟ اس کا تعلق آدمی کی مالی حالت سے ہے، اس کی کوئی معین حد نہیں، ارشاد ہوا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾ (البقرة: ۲۳۶)

''اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتب

www.KitaboSunnat.com

طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہاں! بھلائی کے ساتھ انہیں کچھ خرچہ ضرور دو، گنجائش والا اپنی بساط کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔''

مہر کا ساقط ہونا

شوہر پر واجب الاداء سارا مہر ساقط ہو جائے گا اور بیوی کو کچھ دینا اس کے ذمہ نہ ہوگا، اگر وہ مرتد ہوگئی یا شوہر کی غربت یا عیب یا بیوی کے کسی عیب کے سبب یا بلوغت کے اختیار (کسی خاتون کا نابالغی میں نکاح ہوا۔ رخصتی ابھی نہ ہوئی تھی۔ تو بالغ ہونے پر اسے اختیار ہے کہ یہ نکاح برقرار رکھے یا پھر توڑ دے) کی وجہ سے عقدِ نکاح فسخ کر دیا گیا، اب اس کے لیے متاع بھی واجب نہ ہوگا، کیونکہ رخصتی سے قبل ہی فسخ عمل میں آیا ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی کہ دخول سے قبل بیوی نے مہر معاف کر دیا یا ہبہ کر دیا اور وہ ایسا کرنے کی مجاز ہے، کیونکہ مہر خالص اس کا حق ہے۔

عقد کے بعد مقررہ مہر میں اضافہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: عقد کے بعد مہر میں اضافہ ثابت ہے، اگر دخول کر لیا ہو یا اگر فوت ہوا، لیکن اگر دخول سے قبل طلاق دیدی تب یہ ثابت نہیں اور اس کے لیے فقط مقررہ مہر کا نصف ہوگا، مالک کے بقول اضافہ ثابت ہے، اگر دخول کیا لیکن اگر دخول سے قبل طلاق دیدی تب نصف مہر ہے، اگر دخول سے قبل اور مہر اس کے قبضہ میں دینے سے قبل فوت ہوا تو یہ اضافہ باطل ہوا اور اس کے لیے وہی ہے جو عقد کے وقت ذکر کیا گیا تھا، امام شافعی رحمہ اللہ کے بقول یہ ایک نیا ہبہ ہے، اگر خاتون نے قبضہ میں لے لیا تھا، تب تو جائز وگرنہ باطل ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے بقول یہ طے شدہ اور اصل (مہر) کے حکم میں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خفیہ اور علانیہ مہر

اگر فریقین خفیہ طور پر کسی مہر پر متفق ہوئے پھر علانیہ عقد کے وقت اس سے زائد مہر پر نکاح کا انعقاد کیا پھران کا باہم اختلاف ہو گیا اور معاملہ عدالت تک پہنچا تو قاضی کس مہر کا مکلف کرے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بقول: اس کا جس پر دونوں کا خفیہ اتفاق ہوا تھا، کیونکہ وہی حقیقی ارادہ کا ممثل اور فریقین کا مقصد ہے بعض نے علانیہ کہا: کیونکہ بوقتِ عقد وہ مذکور ہوا، جو خفیہ تھا اس کا علم اللہ کو ہے اور فیصلے ظواہر کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں، یہی ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے، اثرم کے نقل کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا ظاہرِ قول بھی یہی ہے، اسی طرح امام شعبی، ابن ابو لیلیٰ اور ابو عبید رحمہم اللہ کا بھی۔

مہر کو قبضہ میں لینا

اگر منکوحہ نابالغ ہے تو اس کا والد مہر اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے، کیونکہ وہی اس کے مال کا قابض اور محافظ ہے، اگر اس کا والد اور دادا زندہ نہیں تو اس کا مالی سر پرست (ولی) مہر کو قبضہ میں لے اور اسے عائلی عدالتوں میں امانت کے بطور رکھوا دے اور متعلقہ محکمہ کی اذن کے بغیر اس میں تصرف نہ کرے، جہاں تک بالغ اور بیوہ اور مطلقہ خاتون تو اس کا حق مہر اس کی اذن سے ہی قبضہ میں لے اگر وہ سمجھ دار ہے کیونکہ وہ اپنے مال میں حقِ تصرف رکھتی ہے، اگر والد نے اس کی موجودگی میں اس کا مہر اپنے قبضہ میں لیا اور وہ چپ رہی تو یہ اس کی طرف سے اجازت متصور ہوگا اور شوہر اب بری الذمہ ہوا، کنواری عاقلہ بالغہ اگر سنِ رُشد میں ہے۔① تو اس کی اجازت سے ہی اس کا والد مہر قبضہ میں لے، بعض نے بغیر اذن جائز کہا، کیونکہ عرفاً یہی ہوتا ہے اور اس لیے کہ وہ نابالغہ سے مشابہ ہے۔

① بقول محشی مصری قوانین کی رو سے اکیس سال کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہیز

یہ وہ سامان و متاع جسے دلہن اور اس کے گھر والے اس کے نئے گھر کے لیے تیار کرتے اور شادی کے بعد اس کے ہمراہ روانہ کرتے ہیں، عرف یہی ہے کہ دلہن اور اس کے گھر والے یہ سامان تیار کرتے ہیں اور یہ اس کی رخصتی کی مناسبت سے، نسائی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز کے بطور ایک چادر، مشک اور تکیہ جس کی بھرائی اذخر گھاس کی تھی دیا۔ (1) جہیز محض ایک عرفِ عام اور رسم و رواج ہے، شرعاً نئے گھر کے ساز و سامان اور تمام اشیائے ضروریہ کی فراہمی شوہر کی ذمہ داری ہے، بیوی کسی شے کی مسئول نہیں جو بھی اس کا حق مہر ہو، حتی کہ اگرچہ گراں قدر مہر اسی غرض کے لیے رکھا ہو کہ نئے گھر کا سامان اس سے خریدا جائے! کیونکہ مہر خالص اس کا مال ہے، جو اس کے ساتھ استمتاع کا عوض اور مقابل ہے اور اسی کو اس میں تصرف کا حق ہے، جو وہ اپنی مرضی سے کرے گی، اس میں نہ اس کے والد اور نہ اس کے شوہر کا کوئی حق ہے، مالکیہ کی رائے میں مہر دلہن کا حقِ خالص نہیں، لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں کہ اسے صرف اپنی ذات پر خرچ کرے اور یہ کہ اپنے ذمہ قرض اس کی مدد سے نہ چکائے، عرف اور رسم و رواج یہی ہے کہ دلہن اور اس کے گھر والوں کی طرف سے کچھ ساز و سامان فراہم کیا جاتا ہے اور یہ جہیز بیوی کی ملکیت ہے، شوہر یا کسی اور کا اس پر حق نہیں، ہاں استعمال کر سکتا ہے البتہ اگر بیوی چاہے تو روک بھی سکتی ہے اور اگر ایسا کرے تو اس پر جبر نہ کیا جائے، اور مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ سامانِ جہیز کو استعمال کرے، اس طریق پر جس پر عرفِ عام جاری ہے۔

(1) سنن نسائی: ٦/ ١٣٥۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن حبان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، مگر اس میں مشک کا ذکر نہیں۔ (صحیح موارد: ٢/ ٣٦٤)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھریلو اخراجات

اس سے مراد وہ سب جس کی بیوی کو ضرورت ہے، مثلاً: طعام، رہائش، دوا اور علاج اور خدمت (گزاری کے لیے نوکر چاکر) اگرچہ وہ اپنی جگہ مالدار ہو، ان سب کی فراہمی شوہر کے ذمہ ہے اور یہ کتاب، سنت اور اجماع کی رو سے واجب ہے، چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۳۳)

''اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔''

مولود لہ سے مراد والد (اس کا شوہر) اور رزق سے مراد کفایت کرنے والا طعام جبکہ کسوۃ لباس ہے اور معروف سے مراد جو عرفِ عام میں چلتا ہے، بغیر افراط اور تفریط کے، ایک جگہ فرمایا:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''انہیں (مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو، جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو۔'' (الطلاق: ٦)

اور کہا:

﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهُ﴾ (الطلاق: ٧)

''صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو، وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کے موافق خرچ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے۔''

درجِ ذیل احادیث سے بھی اس کا وجوب ثابت ہے:

① مسلم نے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''اللہ سے اپنی بیویوں کے بارے میں ڈرو! تم نے اللہ کو گواہ بنا کر ان سے عقد کیا ہے، تمہارے ذمہ ان کا عرف کے مطابق نان ونفقہ اور کپڑا لتا ہے۔''[1]

② بخاری اور مسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابو سفیان (ان کا شوہر) ایک کنجوس آدمی ہے، کھلے دل سے مجھے اور میرے بچوں کو نہیں دیتا، مگر جو میں ان کی لاعلمی میں لے لوں، فرمایا: ''اپنا اور بچوں کا عرف کے مطابق گزارے لائق لے لینا تمہارا حق ہے۔''[2]

③ سیدنا حکیم بن معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ فرمایا: ''ان کا کھانا، پینا اور لباس اور یہ کہ چہرے پر نہ مارو اور برا بھلا مت کہو اور گھر سے نہ نکالو۔''[3] جہاں تک اجماع تو ابن قدامہ لکھتے ہیں، اہلِ علم کا اجماع ہے کہ شوہروں کے ذمہ ان کی بیویوں کا نان ونفقہ ہے، اگر شوہر بالغ ہوں اِلّا کہ ان میں سے کوئی نافرمان ہو، اسے امام ابن منذر رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا، لکھتے ہیں: چونکہ بیوی (گویا) اس کے گھر میں محبوس ہے، وہ اسے خود کمانے اور تصرف سے روکے ہوئے ہے، لہٰذا اس کا سب خرچ اس کے ذمہ ہے۔

وجوبِ نفقہ کا سبب

شارع نے اسے شوہر پر اس لیے واجب کیا، کیونکہ عقدِ صحیح کی رو سے بیوی اپنے شوہر پر مقصور اور اس کے حق کے لیے محبوس ہے، وہ اس سے متمتع ہوتا ہے اور بیوی کے ذمہ اس کی اطاعت ہے اور یہ کہ گھر سنبھالے، امورِ خانہ داری انجام دے اور اس کے

---

[1] صحیح البخاري: ١٥٥٧؛ صحیح مسلم: ١٢١٨۔ [2] صحیح البخاري: ٥٣٦٤؛ صحیح مسلم: ٧/ ١٧١٤۔ [3] صحیح، سنن أبي داود: ٢١٤٤؛ سنن ابن ماجه: ١٨٥٠؛ ابن حبان: ٤١٧٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچوں کی نگہداشت اور تربیت کرے، تو ان سب خدمات کے عوض کے بطور شوہر پر واجب ہے کہ اس کے تمام اخراجات اٹھائے اور اس کی سب ضروریات کا خیال رکھے، جب تک دونوں کے مابین زوجیت کا تعلق قائم ہے اور اس کی جانب سے نافرمانی یا کوئی اور سبب صادر نہ ہو جو خرچ برداشت کرنے سے مانع ہو اور اس میں اصلِ عام یہ ہے کہ جو کسی کے حقوق و خدمت کی خاطر محبوس ہوا، تو اس کا خرچ اور تمام ضروریات کا پورا کرنا محبوس لہ کی ذمہ داری ہے۔

استحقاقِ نفقہ کی شروط:

① کہ عقدِ نکاح صحیحاً واقع ہوا ہو

② وہ رخصت ہو کر اس کے ہاں آ گئی ہو

③ اس کی قربت سے ممتنع نہ ہو

④ شوہر جہاں رکھے رہنے پر راضی اور تیار ہو

⑤ دونوں باہم استمتاع پر قادر ہوں

اگر ان میں سے کوئی شرط ناقص ہو تو نفقہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ عقد صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے اور دونوں کی علیحدگی ضروری ہے تاکہ فتنہ و فساد واقع نہ ہو، نبی کریم ﷺ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا جو اس کے دو برس بعد (راجح تین سال ہے) رخصت ہو کر آپ کے ہاں آئیں اور رخصتی کے بعد آپ نے ان کا نان و نفقہ اٹھایا پہلے نہیں، اگر نابالغ لڑکی کا نکاح ہوا اور رخصتی بھی عمل میں آئی، لیکن چونکہ اس عمر کی لڑکی سے جماع ممکن نہیں ہوتا، تو مالکیہ کے نزدیک۔ شافعیہ کا اصح قول بھی یہی ہے۔ نفقہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ استمتاع موجود نہیں اور نفقہ اسی کا عوض و مقابل ہے، کہتے ہیں اگر دلہن بالغ مگر شوہر نابالغ ہے تب صحیح یہ ہے کہ نفقہ واجب ہوگا کیونکہ بیوی کی جانب سے خود سپردگی موجود ہے اور استمتاع کا عدم شوہر کی طرف سے ہے، لہٰذا اس کا نفقہ اس کے ذمہ ہے، احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر نابالغ بیوی کو شوہر اپنے گھر لے آیا اور وہاں لا بسایا ہے تاکہ وہ مانوس ہو جائے تو اس کا نفقہ اس کے ذمہ عائد ہے، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے اسے لایا ہے اور اس ناقص احتباس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راضی ہوا ہے، اگر اپنے گھر نہیں لایا تب نہیں اگر بیوی کی رخصتی ہو چکی لیکن وہ بیمار ہے اس طور کہ مباشرت ممکن نہیں تو نفقہ واجب ہے، کیونکہ اس سے محروم رکھنا، حسنِ معاشرت اور اس معروف کے منافی ہوگا، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اسی کے مثل اتقاء (جس کی شرمگاہ مسدود ہے) اور نحیفۃ الجسم اور کسی ایسے عیب میں مبتلا جو جماع سے مانع ہے، اسی طرح اس صورت بھی کہ شوہر مجنون یا مقطوع الذکر ہے یا کسی ایسے عیب میں مبتلا جو مباشرت سے مانع ہے یا جو خصی یا کسی جرم کی پاداش میں جیل میں ہے، کیونکہ بیوی کی طرف سے تو کوئی مانع نہیں اور یہ جو عدم امکان ہے شوہر کی جہت سے ہے اور استمتاع سے محرومی کا سبب خود وہی ہے، لہٰذا نفقہ اس کے ذمہ عائد ہے۔ [1]

اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اور بغیر کسی شرعی وجہ کے شوہر کا گھر چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے یا بغیر اجازت کے سفر کرے یا حج کا احرام باندھے، تب نفقہ واجب نہ ہوگا لیکن اگر اس کی اجازت سے یہ سب کیا تب نفقہ بدستور رہے گا، کیونکہ اس صورت میں وہ اس کی اطاعت کے دائرہ سے نہیں نکلی، اگر گھر میں رہتے ہوئے شوہر کو پاس آنے سے منع کیا تب نفقہ ساقط ہو جائے گا، اگر کہیں اور منتقل ہونے کا مطالبہ کیا، لیکن وہ نہ مانا تو پاس آنے سے روکا تب یہ ساقط نہ ہوگا، اگر بیوی کسی جرم کے باعث قید میں ڈال دی گئی تو نفقہ واجب نہ ہوگا، لیکن اگر ظلماً قید کی گئی تب نہیں، اسی طرح اگر کوئی غاصب اس کے اور شوہر کے مابین حائل ہوا تو بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا، اگر بیوی کوئی ملازمت کرتی ہے جس کے لیے باہر جانا پڑتا ہے اور شوہر منع کرتا ہے، لیکن باز نہیں آتی تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی، اسی طرح اگر نفلی روزہ یا اعتکاف بیٹھ کر شوہر کو دور رکھنے کا حیلہ کیا تو بھی کیونکہ یہ بغیر شرعی سبب کے شوہر کے حق کی تفویت ہے، اگر یہ تفویت کسی شرعی سبب سے ہے، تب نفقہ ساقط نہ ہوگا، اسی طرح اگر اس وجہ سے اس کی اطاعت سے نکلی کہ رہائش گاہ غیر شرعی ہے یا شوہر اس کے نفس یا مال کے حق میں غیر امین ہے تو بھی ساقط نہ ہوگا۔

---

[1] بقول محشی یہ ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے، ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کا موقف شوافع کے موقف کے مثل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر بیوی مسلمان ہوگئی اور شوہر ابھی کافر ہے

جب شادی ہوئی تو دونوں کافر تھے، بعد ازاں بیوی مسلمان ہوگئی اور شوہر اسلام نہ لایا اور دخول ہو چکا ہے، تو نفقہ ساقط نہ ہوگا، کیونکہ استمتاع شوہر کی جہت سے ناممکن ہوا ہے اور وہ (اسلام قبول کر کے) اس کے ازالہ پر قادر ہے، بخلاف اس کے کہ بیوی مرتد ہوجائے تب اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، کیونکہ بوجہ ارتداد عدم استمتاع اس کی جانب سے واقع ہوا ہے، تو وہ ناشز کی مانند ہوئی، ظاہر یہ کی رائے ہے کہ نفقہ کے وجوب کا سبب زوجیت کا تعلق ہے، تو اگر زوجیت (چاہے نام کی حد تک) موجود ہے، تب نفقہ برقرار رہے گا، دیگر شروط کو مدنظر رکھے بغیر جو دیگر فقہاء نے ذکر کیں، امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عقدِ نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمہ منکوحہ کا نفقہ شروع ہوجائے گا، چاہے رخصتی فی الحال عمل میں نہ آئی ہو اور چاہے منکوحہ ابھی مہد (پالنے) میں ہو اور چاہے وہ نافرمان ہی ہو اور چاہے مالدار ہو یا غریب، والد زندہ ہو یا وہ یتیم ہو یا کنواری ہو یا بیوہ اور مطلقہ، آزاد ہو یا لونڈی! لکھتے ہیں: ابوسلیمان، ان کے اصحاب اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: نابالغ منکوحہ کا نفقہ بھی عقد ہوتے ہی شوہر کے ذمہ ہوگا، حکم بن عتیبہ نے اس بیوی کے بارے میں جو ناراض ہو کر گھر چھوڑ گئی، کہا: اس کے لیے نفقہ برقرار رہے گا، نافرمان کے نفقہ کا منع ہونا کسی صحابی سے منقول نہیں، یہ دراصل امام نخعی، شعبی، حماد بن ابوسلیمان، حسن اور زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے اور ہمیں ان کی حجت معلوم نہیں، البتہ ان کا قول ہے کہ نفقہ مباشرت کا مقابل اور عوض ہے، تو جب یہ مفقود ہو تو نفقہ کی وہ حقدار نہ ہوگی۔

نفقہ کی مقدار اور اس کی اساس

اگر بیوی شوہر کے ساتھ مقیم ہے اور وہ اس کے تمام اخراجات پورے اور ضروریات فراہم کر رہا ہے، تو بیوی کو حق نہیں کہ نفقہ کی مقدار متعین کرنے کا مطالبہ کرے، کیونکہ اس کی سب ضروریات تو پوری ہو رہی ہیں ہاں اگر شوہر کنجوس ہے اور اس کی سب ضروریات پر دھیان نہیں دے رہا تو (معاملہ اگر عدالت تک پہنچے تو) قاضی صحتِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوی ثابت ہونے پر اسے خرچہ دینے کا پابند کر سکتا ہے اور بیوی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ عرفِ عام کے مطابق اس کے مال سے اپنا مناسب خرچہ اخذ کرے یعنی اگر وہ ضروری اشیاء کا خیال نہیں رکھ رہا اور یہ چاہے اس کے علم میں لائے بغیر ہو، اس کی دلیل احمد، بخاری، مسلم، ابوداود اور نسائی کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس میں ہے کہ ہند بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اور میری اولاد کو کفایت کے مطابق خرچ نہیں دیتا تو کیا میں مطلوبہ نفقہ اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے لے سکتی ہوں؟ فرمایا: ''کفایت کے مطابق لے سکتی ہو۔''[1] آپ نے (بِالْمَعْرُوْفِ) کا لفظ استعمال فرمایا: یعنی لوگوں کے عرف کے مطابق اور ظاہر ہے یہ زمان ومکان اور مالی حالت کے لحاظ سے مختلف ہوجاتا ہے۔

مؤلف الروضۃ الندیۃ کی رائے ہے کہ طعام میں پھل اور عیدین وغیرہ خوشی کی مناسبات میں پکائے جانے والے کھانے بھی شامل ہیں، اسی طرح ادویہ وغیرہ بھی اسی طرف یہ آیت اشارت کناں ہے: ﴿وَ عَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ: ۲۳۳) ''والد کے ذمہ عرف کے مطابق رضاعی دودھ پلانے والیوں کا نان ونفقہ ہے۔'' تو یہ نفقہ کی انواع میں سے ایک نوع میں نص ہے اور رزق ان سب کو شامل ہے جن کا ذکر کیا، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ نفقہ میں ادویہ اور طبیب کی اجرت داخل نہیں، کیونکہ ان کا تعلق حفظانِ بدن سے ہے، جیسے کرائے دار کا ذمہ نہیں ہوتا کہ وہ کرائے کے گھر کی درستگی کرے، اگر انہدام وغیرہ واقع ہو، لیکن راجح یہی ہے کہ علاج معالجہ بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ یہ ﴿مَا يَكْفِيْكِ﴾ کے عموم کے تحت ہے (یعنی جتنا ضروریات کے لیے کافی ہو) اسی طرح قولہ تعالیٰ: ﴿رِزْقُهُنَّ﴾ کے مدِ نظر تو پہلا صیغہ (ما) کے لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور دوسرا تو ویسے ہی عام ہے کیونکہ یہ مصدر مضاف ہے اور یہ عمومی صیغوں میں سے ہے! بعض مستحقین کے ساتھ اس کا اختصاص الحاق کرنے سے مانع نہیں، لکھتے ہیں مجموعی ادلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شوہر کے ذمہ بیوی کی سب ضروریات کا خیال رکھنا

[1] صحيح البخاري: ٢٢١١؛ صحيح مسلم: ١٧١٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوران کی فراہمی ہے، یہ مراد نہیں کہ پیسے اس کے ہاتھ میں دیدے اور یوں اسراف اور فضول خرچی کا وقوع ہو ہاں اگر ایسا خدشہ نہیں یا شوہر اپنی مصروفیات کی بناء پر خود خریداری نہیں کر سکتا تو ضروریات کا حساب کر کے عرفِ عام کے لحاظ سے یکمشت رقم دینا بھی غلط نہیں، بیوی کی عادات اور طرزِ عمل سے اس کے فضول خرچ ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چل جاتا ہے، اگر واضح ہو کہ اسراف پسند ہے، تب پیسے اپنے ہاتھ میں رکھے، کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ (النساء:٥)

''اور تم اپنے وہ مال نادانوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے گزر بسر کا ذریعے بنائے ہیں۔''

پھر کہا: اگر جس پر نفقہ دینا لازم ہے وہ خودسر ہے اور جس نے نفقہ لینا ہے، وہ ناسمجھ ہے تو ہم وہ ذمہ داری ضرور اس ناسمجھ کے ولی پر ڈال دیں گے۔ یا کسی دوسرے مصنف آدمی پر۔

اور واجب نفقہ میں اس کی ضروریات کی چیزیں مثلاً: کنگھی، صابن، تیل اور تمام حصولِ نظافت کی اشیاء وغیرہ شامل ہیں۔

اور شافعیہ کہتے ہیں: رہی خوشبو تو اگر اس کا استعمال بدبو کے ازالے کے لیے ہے تو یہ (فراہم کرنا) لازم ہے، کیونکہ وہ صفائی اور نظافت کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اگر مقصد حصولِ لذت استمتاع ہے تو لازم نہیں، کیونکہ یہ مرد کا حق ہے اور اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

نفقہ کی مقدار کے بارے احناف کی رائے

احناف کی رائے میں شرع نے اس کی کوئی حد متعین نہیں کی اور یہ شوہر پر ہے کہ عرف کے مطابق بیوی کی تمام ضروریات بقدر ضرورت جیسے: کھانا، سرکہ، گوشت، سبزیاں، پھل، زیتون، گھی وغیرہ فراہم کرے اور یہ زمان و مکان اور مالی حالت کے اعتبار سے ہوگا، قرآن میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾

''لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے، اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اسے اللہ نے دیا، اللہ کسی شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے دیا۔ اللہ تنگی کے بعد جلد آسانی فرما دے گا۔'' (الطلاق:۷)

اور فرمایا:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ (الطلاق: ٦)

''تم انہیں رہائش دو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق۔''

نفقہ کی مقدار کے بارے میں شافعیہ کی رائے

ان کے نزدیک یہ شرع میں محدود و متعین ہے، اگرچہ وہ شوہر کی مالی حالت تنگی یا وسعت کے اعتبار سے ملحوظ رکھنے میں احناف سے متفق ہیں، ان کے مطابق مالدار شوہر روزانہ دو مد کی مقدار میں طعام فراہم کرے، جبکہ تنگ دست ایک مد اور متوسط الحال ڈیڑھ مد دے، ان کا بھی استدلال اسی مذکورہ بالا آیت سے ہے: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ﴾ ''لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے۔'' مقدار کی تبیین نہیں کی، لہٰذا اس کا تعین بذریعہ اجتہاد ہوگا اور اسے کفارہ میں نکالے گئے طعام کی مقدار پر قیاس کرنا مناسب ہوگا، تو اس طرح مالدار اور تنگ دست کے درمیان تفرقہ کیا اور ہر ایک پر اس کے مناسب حال مقدار واجب کی البتہ کہتے ہیں کیونکہ یہ طعام شرع کے واسطہ سے واجب ہوا ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار دو مد اور کم از کم ایک مد ہے اور اگر متوسط الحال ہے تو ڈیڑھ مد ہونا چاہیے کیونکہ اسے مؤسر (مالدار) کے ساتھ تو ملحق نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس سے کمتر ہے اور نہ معسر (تنگ دست) کے ساتھ کیونکہ اس سے فائق ہے، کہتے ہیں، اگر اسے بلا تحدید رکھا گیا تو اس سے تنازعات پیدا ہو سکتے ہیں، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ عرف کے لحاظ سے اس کی مقدار متعین کر دی جائے اور اس میں طعام، ادویہ اور کپڑا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباس شامل ہے، اسی طرح رہائش گاہ بھی اور یہ سب شوہر کی مالی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس میں گھر کا وہ سب سامان بھی شامل ہوگا، جس کی ضرورت ہو! نفقہ کے ضمن میں اسے ماہانہ بنیاد پر اکٹھا دینا بھی درست ہے، اسی طرح سالانہ بھی یا پھر ہفتہ وار یا یومیہ، شوہر کو جو آسان ہو بہر حال اس سب میں میاں بیوی کی ہم آہنگی ہونا اہم ہے اور ازدواجی معاملات ہم آہنگی سے ہی مناسب طور سے چلتے ہیں، زندگی میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، کبھی مالدار تنگ دست ہو سکتا ہے، لہٰذا اس تغیر کو بھی ملحوظ رکھنا پڑے گا اور اسی کے مطابق نان و نفقہ بھی متغیر ہو سکتا ہے، اگر کسی بیوی کے لیے اس کے نفقہ کی مقدار متعین کر دی جائے اور بعد ازاں ظاہر ہو کہ وہ مناسبِ حال نہ تھی تو وہ اس پر نظرِ ثانی کا مطالبہ کر سکتی ہے اور معاملہ اگر عدالت تک جائے، تو قاضی سب اونچ نیچ ملاحظہ کر کے مناسب ترمیم کا فیصلہ دے سکتا ہے۔

اگر کوئی شوہر واجب نفقہ سے روگردانی کرے تو یہ اس کے ذمہ واجب الاداء قرض کی مانند ہوگی، جو صرف ادا کرنے یا پھر معاف کرانے سے ہی ساقط ہو سکتا ہے، دیگر قروض کی مانند، شوافع کی یہ رائے ہے اور مصری قانون بھی یہی کہتا ہے، اس پر یہ امر مرتب ہوگا کہ زوجہ یا (مثلاً) مطلقہ اس ساری مدت کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے، جو شوہر نے ادا نہیں کیا، اس ضمن میں مصری عائلی قوانین میں طے کیا گیا کہ تین گزشتہ برسوں کا نفقہ اگر نہیں دیا تو زوجہ بذریعہ عدالت اس کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور اگر چاہے تو اسے معاف بھی کر سکتی ہے لیکن مستقبل کے نفقہ سے وہ اسے بری الذمہ نہیں کر سکتی کیونکہ ابراء اس قرض سے کیا جاتا ہے جو بالفعل ثابت ہو چکا ہو اور مستقبل کا نفقہ تو بھی واجب الاداء نہیں ہوا، ہاں آمدہ ایک ماہ یا ایک سال کا نفقہ اس سے مستثنیٰ ہے اگر وہ ماہانہ یا سالانہ بنیاد پر وصول کرتی تھی، اگر اس نے یکمشت نفقہ دیا پھر درمیان میں ایسی صورتحال پیدا ہوگئی جس کے سبب وہ نفقہ کی حقدار نہیں رہی تو مرد باقی ماندہ مدت کا دیا گیا نفقہ واپس لے سکتا ہے، یہ شافعی اور محمد بن حسن رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ (1)

(1) بقول محشی ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے کہ شوہر کو دیا گیا نفقہ واپس لینے کا اختیار نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران عدت میں خاتون کا نفقہ

طلاقِ رجعی والی خاتون جو عدت میں ہے اور حاملہ مطلقہ خاتون دونوں نفقہ کی حقدار ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ (الطلاق: ٦)

''انہیں رہائش دو جہاں تک خود رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق۔''

اور حاملہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''اگر وہ حاملہ ہوں تو وضعِ حمل تک انہیں خرچ دیتے رہو'' (الطلاق: ٦)

اس سے حاملہ کے لیے وجوبِ نفقہ کا ثبوت ہے چاہے وہ طلاقِ رجعی کی عدت میں ہو یا طلاقِ بائنہ کی عدت میں یا جو شوہر کی وفات کی عدت میں ہو، طلاقِ بائنہ والی خاتون (جو حاملہ نہیں) کے نفقہ میں فقہاء کے ہاں تین اقوال ہیں:

① اس کے لیے رہائش گاہ تو ہے مگر دیگر نفقہ نہیں، یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اس آیت سے استدلال کیا: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم﴾ الخ

② رہائش بھی ہے اور نفقہ بھی، یہ سیدنا عمر، عمر بن عبدالعزیز، احناف اور ثوری کا موقف ہے، اس کے لیے اس آیت کے عموم سے استدلال کیا: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم﴾ الخ، تو یہ وجوبِ رہائش کے بارے تو نص ہے اور شرعاً جہاں رہائش واجب ہو وہیں نفقہ بھی ہے، کیونکہ نفقہ رجعیہ میں وجوبِ اسکان کے تابع ہے، اسی طرح حاملہ میں اور نفسِ زوجہ میں! سیدنا عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی بات کا رد کیا تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، ہم اللہ کی کتاب (ان کا اشارہ اسی مندرجہ بالا آیت کی طرف تھا) اور سنتِ نبوی کو ایک عورت کے قول پر نہیں چھوڑ سکتے کہ نہیں جانتے شاید یاد رکھا ہو یا کچھ بھول گئی ہو، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ بات پہنچی تو کہنے لگیں: میرے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے، جس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے: ﴿ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ﴾ (الطلاق:۱) ''جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں (طہر کے شروع میں تا کہ وہ عدت میں شمار ہو) طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔'' کہنے لگیں: یہ اس خاتون سے متعلق ہے، جسے طلاقِ رجعی ہوئی ہو، لیکن جسے تین طلاق ہو گئیں، اب اس کے بعد کیا اِحداث امر (واپسی کی توقع) کی جا سکتی ہے؟ آپ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ حاملہ (مطلقہ) کے لیے نفقہ نہیں؟ پھر کیونکر اسے (شوہر کے گھر) محبوس رکھو گے؟ (وہاں پھر کیوں رہے اگر نفقہ نہیں ملنا)۔[1]

۳۔ نہ اس کے لیے نفقہ ہے اور نہ رہائش، یہ امام احمد، داود اور ابو ثور رحمہم اللہ کا قول ہے، سیدنا علی، ابن عباس، جابر رضی اللہ عنہم، حسن، عطاء، شعبی، ابن ابو لیلی اور اوزاعی رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے، ان کی بنائے استدلال بخاری و مسلم کی سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے نقل کردہ روایت ہے کہتی ہیں: مجھے عہد نبوی میں میرے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں، تو آپ نے میرے لیے نفقہ اور رہائش کا استحقاق نہیں رکھا، بعض روایات کے الفاظ ہیں کہ فرمایا: رہائش اور نفقہ تو اسے ملے گا جس کے لیے رجوع کا موقع ہے۔[2] احمد، مسلم، ابو داود اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: ''تمہارے لیے نفقہ نہیں اِلّا یہ کہ تم حاملہ ہو۔''[3]

غیر مادی حقوق

مادی حقوق کی تفصیل بیان ہو چکی، اب غیر مادی حقوق کا بیان کیا جاتا ہے جو حسبِ ذیل ہیں:

---

[1] صحيح مسلم: ١٤٨٠؛ سنن أبي داود: ٢٢٩٠۔

[2] صحيح مسلم: ١٤٨٠؛ سنن أبي داود: ٢٢٨٨۔

[3] صحيح مسلم: ١٤٨٠؛ سنن أبي داود: ٢٢٩٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① حسنِ معاشرت

شوہر کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنی منکوحہ کا اِکرام کرے اور اس سے حسنِ سلوک سے پیش آئے اور بھلائی کا معاملہ کرے اور اس کی قلبی تالیف وتانیس کی ہر ممکن کوشش کرے، کیونکہ وہ ایک بالکل نئے ماحول میں آئی ہے، لہٰذا ہر ممکن کوشش کرے کہ اس کی لغزشیں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ١٩)

''اور بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہو سہو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔''

حسنِ خلاق اور صاحبِ ایمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ نرم مزاجی کا مظاہرہ کرتا ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَاناً وَأَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ)) ①

''تم میں سے مکمل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے اور بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے۔''

بیوی کو احترام دینا ایک کامل شخص کی علامت اور برا سلوک کرنا خسیس اور کمینہ ہونے کی نشانی ہے، ایک روایت میں ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَكْرَمَهُنَّ إِلَّا كَرِيمٌ وَمَا أَهَانَهُنَّ إِلَّا لَئِيمٌ)) ②

''بیویوں کا احترام کرنے والے کریم اور اہانت کرنے والے کمینے ہوتے ہیں۔''

---

① صحیح، سنن أبی داود: ٤٦٨٢؛ سنن ترمذی: ١١٦٢؛ صحیح ابن حبان: ٤١٦٤۔

② موضوع، سلسلة الصغیفة: ٨٤٥؛ اسے طبرانی نے نقل کیا بقول البانی موضوع ہے، البتہ بعض طرق سے یہ الفاظ وارد ہیں: مَا أَكْرَمَ النِّسَاءَ إِلَّا كَرِيمٌ یعنی عزت دار ہی عورتوں کی عزت کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکرام سے مراد یہ ہے کہ لطف و مہربانی سے پیش آئے اور لاڈ کرے، نبی کریم ﷺ کا ازواج مطہرات سے یہی سلوک تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ کم سن تھیں، تو آپ ازرہِ تلطف ان سے دوڑنے کا مقابلہ کرتے، کہتی ہیں شروع میں میں جیت گئی پھر ایک موقع پر جب میرا بدن ذرا ضخیم ہوا تو آپ جیت گئے اور فرمایا: "یہ اس شکست کا میں نے بدلہ لے لیا۔" ① اسے احمد اور ابوداود نے تخریج کیا، احمد اور اصحابِ سنن نے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر شے جس کے ساتھ ابن آدم لہو کرے، وہ باطل ہے، ماسوائے ان اشیاء کے: تیر اندازی کی مشق کرنا (اور اس طرح کے جسم کو مضبوط اور قوی بنانے والی دیگر کھیلیں) گھوڑے کو سدھانا اور بیوی سے لاڈ و پیار کہ یہ سب حق سے ہیں۔" ②

اکرام کا حصہ ہے کہ اسے وہی سہولتیں دے جو خود وہ استعمال کرتا ہے اور اس کی ایذا رسانی سے اجتناب کرے، چاہے یہ سخت الفاظ کے ساتھ ہو، حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ فرمایا: "اپنے جیسا طعام انہیں بھی دو اور لباس بھی اور چہرے پر نہ مارو اور بد صورت مت کہو اور گھر سے نہ نکالو۔" ③ شوہر کو چاہیے کہ ذرا اونچ نیچ کو برداشت کرلے، کون کمال کا دعوی کرسکتا ہے، آپ نے فرمایا: "بیویوں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے تخلیق کی گئی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھ پن پسلی کے بالائی حصہ میں ہوتا ہے اگر چاہو کہ اسے سیدھا کردو تو توڑ دو گے اور اگر یونہی چھوڑے رکھو تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا عورتوں سے ہمیشہ نرمی اور خیر سے پیش آؤ۔" ④ اس میں صنفِ نازک کے قدرتی ٹیڑھ پن کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے اور یہ کہ اس کی اصلاح کی کوشش کرنا غیر ممکن الوقوع ہے، تو اس کے باوصف نہایت برداشت کا مظاہرہ اور اچھا معاملہ کرنا چاہیے، یہ اس کی تادیب اور درستی سے ممانعت مقصود نہیں، دراصل ہوتا یہ ہے کہ کئی دفعہ بیوی کی اچھی صفات اور

① صحيح، سنن أبي داود: ٢٥٧٨۔
② ضعيف، سنن ترمذي: ١٦٣٧؛ ابن ماجه: ٢٨١١۔
③ صحيح، سنن أبي داود: ٢١٤٢؛ ابن ماجه: ١٨٥٠۔
④ صحيح البخاري: ٣٣٣١؛ صحيح مسلم: ١٤٦٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اچھے اطوار نظرانداز کر دیے جاتے ہیں اور اس کے خصائل سے اسے ناپسند آنے والی چیزوں کو اہمیت دی جاتی ہے، تو اسلام نصیحت کرتا ہے کہ توازن سے کام لیا جائے کہ اگر کچھ عادات ناپسند ہیں، تو کئی عادات پسندیدہ بھی تو ہیں۔ اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

((لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ کَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا خُلُقًا آخَرَ))[1]

''مومن مومنہ سے نفرت نہیں کرتا کہ اگر اس کی کوئی ایک چیز اسے ناپسند ہو تو ممکن ہے کوئی اور اس کی صفت اسے پسند آ جائے۔''

② زوجہ کی حفاظت

شوہر کا فرض ہے کہ اپنی زوجہ کی حفاظت کرے اور اس کی عصمت کو مخدوش کرنے والے ہر امر اور جس سے اس کی شہرت داغدار ہو، سے بچائے یہ اس کی غیرت کا تقاضا ہے جو اللہ کو بہت محبوب ہے، بخاری نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ غیرت والا ہے اور مومن بھی غیرت والا ہے۔ اللہ کو اس امر سے غیرت آتی ہے کہ مومن حرام کردہ چیزوں کو اختیار کرے۔''[2] بخاری نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ''کوئی اللہ سے زیادہ غیرت والا نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ظاہری اور باطنی سب بے حیائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو تعریف پسند نہیں، اسی وجہ سے اس نے اپنی خود تعریف بیان کی، اور اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نہیں اسی لیے اس نے خواہش کو حرام کہا ہے، اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو عذر پسند نہیں، اسی لیے اس نے رسولوں کو خوش خبری سنانے والے، اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔''[3] انھی کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے پاس پاؤں، تو اس کا سر قلم کر دوں، آپ نے صحابہ سے کہا: ''کیا تم سعد کی غیرت پر متعجب ہو رہے ہو، میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں

---

① صحیح مسلم: ۱۴۶۹؛ مسند أحمد: ۲/ ۳۲۹۔ ② صحیح البخاري: ۵۲۲۳؛ صحیح مسلم: ۲۷۶۱۔ ③ صحیح البخاري: ۵۲۲۳؛ صحیح مسلم: ۲۷۶۰، ۲۷۶۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے، اسی وجہ سے اس نے فواحش کو حرام کیا ہے۔''①

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے: والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور رجلۃ النساء عورت۔''② اسے نسائی، بزار اور حاکم نے تخریج کیا، بقول حاکم سند صحیح ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین قسم کے افراد کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے: دیوث، رجلۃ من النساء، اور عادی شرابی۔'' صحابہ نے دیوث کا معنی پوچھا: تو فرمایا: ''جسے کوئی پروا نہیں کہ کون اس کے گھر آ جا رہا ہے، رجلۃ من النساء کا معنی پوچھا، تو فرمایا: ''جو مردوں سے (چال ڈھال، بولنے کے انداز، عادات اور لباس وغیرہ میں) مشابہت کرتی ہے۔''③ اسے طبرانی نے نقل کیا، بقول منذری رحمہ اللہ سند میں کوئی مجروح راوی نہیں۔

شوہر سے غیرت اگرچہ مطلوب ہے، لیکن اسے چاہیے کہ میانہ روی اور اعتدال کی روش اپنائے، خواہ مخواہ بیوی کی حرکات وسکنات پر نظر نہ رکھے اور نہ شک کی نظروں سے دیکھے اور بات کا بتنگڑ نہ بناتا پھرے کہ اس طرح ازدواجی تعلقات میں ناگواری پیدا ہوگی اور قطع رحمی ہوگی، ابوداود، نسائی اور ابن حبان نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کچھ غیرت ایسی ہے، جو اللہ کو محبوب ہے، اور کچھ وہ جو اسے مبغوض ہے، اسی طرح تکبر کی ایک نوع ایسی بھی ہے جو اللہ کو پسند ہے، تو وہ غیرت جو اللہ کو پسند ہے، وہ مشکوک حرکات صادر ہونے پر غیرت کھانا، جبکہ مبغوض غیرت جو بغیر کسی مشکوک حرکت کے ہو اور تکبر جو اللہ کو پسند ہے وہ جو ایک مجاہد میدانِ جہاد میں دشمن کے سامنے کرے، اس طرح صدمہ ومصیبت کے وقت④ (باوقار انداز سے رہے، اسے تکبر سے تعبیر کیا) باقی ہر طرح کا تکبر اللہ کو ناپسند ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بیوی کے معاملہ میں خوامخواہ غیرت کھانے سے شکر رنجی (رنجش) ہوسکتی ہے۔

---

① صحیح البخاری تعلیقا: ۹/ ۳۱۹؛ صحیح مسلم: ۱۴۹۹۔ ② صحیح، سنن نسائی فی الکبری: ۲۳۴۳؛ مسند البزار: ۱۸۷۵۔ ③ صحیح، شعب الایمان: ۱۰۸۰۰؛ مجمع الزوائد: ۴/ ۳۲۷۔

④ حسن، سنن أبی داود: ۲۶۵۹؛ صحیح ابن حبان ۲۹۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی سے مباشرت

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شوہر پر فرض ہے کہ اپنی اہلیہ سے مباشرت کرے اور کم از کم طہر کے ایام میں ایک مرتبہ، اگر اس پر قادر ہے، وگرنہ وہ اللہ تعالیٰ کا عاصی بنے گا، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ﴾ (البقرة: ٢٢٢)

''جب حیض سے پاک ہوں تو جہاں سے اللہ نے حکم دیا ہے، وہاں سے جماع کرو۔''

جمہور علماء نے یہی رائے اختیار کی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ واجب نہیں، کیونکہ یہ شوہر کا حق ہے (نہ کہ زوجہ کا)، لہٰذا دیگر سب حقوق کی مانند یہ اس پر واجب نہیں، امام احمد رحمہ اللہ کی نص ہے کہ ہر چار ماہ میں ایک مرتبہ ضرور ہو، کیونکہ اللہ نے مُولی (ایلاء کرنے والا، جس نے قسم کھائی کہ بیوی کے پاس نہ جائے گا) کے حق میں اس مدت کو مقدر کر رکھا ہے، تو اسی طرح اس کے غیر کے حق میں ہے، اگر شوہر سفر پر گیا ہے اور واپسی میں کوئی مانع عذر نہیں تب امام احمد رحمہ اللہ نے چھ ماہ کہا (کہ ہر چھ ماہ بعد ضرور واپس آئے اور بیوی سے قربت کرے) ان سے سوال ہوا آدمی کتنی مدت بیوی سے غائب رہ سکتا ہے؟ کہا: چھ ماہ، پھر اسے خط لکھ کر واپس آنے کا کہا جائے اگر انکار کرے تو قاضی علیحدگی کرا سکتا ہے، ان کی دلیل ابو حفص کی اپنی سند کے ساتھ زید بن اسلم سے روایت ہے، کہتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک گھر سے کسی خاتون کے عاشقانہ شعر پڑھنے کی آواز سنائی دی جو سفر پر گئے اپنے شوہر کو یاد کر رہی تھی۔

تطاول هذا اللّيل واسود جانبه   وطال عليّ أن لاخليل ألاعبهُ

واللّه لولا خشية اللّه وحده   لحرّك من هذا السّرير جوانبهٔ

ولكن ربي والحياء يكفني   وأكرم بعلى أن توطأ مراكبه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ رات مجھ پر طویل ہوگئی اور اس کے اطراف سیاہ ہوگئے، اس لیے طویل ہوگئی کہ میرا دوست نہیں، جن کے ساتھ میں کھیلوں، اللہ کی قسم! اگر مجھے ایک رب کا خوف نہ ہوتا تو اس چارپائی کے پائے ضرور حرکت کرتے۔ (یعنی میں زنا کر لیتی) لیکن میرا رب اور شرم میرے لیے کافی ہیں، میرا خاوند اس سے کہیں عظمت والا ہے کہ اس کی سواری روندی جائے۔"

اس کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو پتہ چلا، اس کا شوہر عرصہ سے جہاد کے لیے گیا ہوا ہے، تو اسے واپس آنے کا لکھا اور اپنی بیٹی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے بیٹی! بیوی شوہر سے کتنا عرصہ صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: سبحان اللہ! آپ مجھ سے یہ پوچھ رہے ہیں؟ کہا: اگر مسلمانوں کے امور کا خیال نہ ہوتا، تو تم سے نہ پوچھتا، انہوں نے کہا: پانچ یا چھ ماہ۔ تو حکم جاری کر دیا کہ مجاہدین ہر چھ ماہ بعد گھر کا چکر لگایا کریں، شافعیہ کے امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ہر چوتھی رات کو جماع کرنا مناسب ہے اور یہ اعدل رائے ہے، کیونکہ بیویوں کی (زیادہ سے زیادہ) تعداد چار ہے تو ہر ایک کی باری (اگر روزانہ کسی سے مباشرت کرے) چوتھے دن آئے گی، بہر حال ہر کوئی اپنے اشغال کے لحاظ سے یہ کرے گا، البتہ بیوی کی تحصین (یعنی اس سے بیویوں والا سلوک) واجب ہے، اگرچہ یہ مقصد فقط مباشرت کے ساتھ ہی پورا نہیں ہوتا (دیگر اقدامات بھی ہیں) محمد بن معن غفاری راوی ہیں کہ ایک خاتون سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور عرض کی: اے امیر المومنین! میرا شوہر روزانہ روزہ رکھتا ہے اور رات قیام و تہجد میں گزار دیتا ہے اور مجھے برا لگتا ہے کہ شکوہ کروں، کیونکہ وہ اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہے، کہنے لگے: تمہارا شوہر تب اچھا آدمی ہے، وہ بار بار یہی جملہ کہتی رہی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جواب میں یہی کہتے رہے، اس پر کعب اسدی رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین! یہ خاتون شوہر کی اپنے سے بے اعتنائی اور دوری کی شکایت کر رہی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم چونکہ اس کی کلام سمجھے ہو، تمہی ان کا تصفیہ کرا دو، چنانچہ کعب نے اس کے خاوند کو طلب کیا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کہا: یہ عورت تیری شکایت کر رہی ہے:

یا ایها القاضی الحکیم رشده   ألهیٰ خلیلی عن فراشی مسجده
زهده فی مضجعی تعبد   فاقض القضا کعب ولا تردده
نهاره ولیله مایرقده   فلست فی امر النساء أحمده

"اے دانا و حکیم قاضی! میرے خاوند کو اس کی مسجد نے میرے بستر سے غافل کر دیا، اس کی عبادت نے اسے میرے بستر سے بے زار کر دیا، اے کعب فیصلہ کرنے والے! فیصلہ کر اور اسے جانے مت دے، دن اور رات کو یہ سوتا نہیں، میں عورتوں کے معاملے میں ہرگز اس کی تعریف نہیں کرتی۔"

اس شخص نے کہا:

زهدنی فی النساء وفی الحجل   أنّی امرؤ أذهلنی مانزل
فی سورة النحل وفی السّبع الطّول   وفی کتاب اللّٰه تخویف جلل

"عورتوں اور محلۂ عروسی سے مجھے بے زار کر دیا گیا، میں وہ شخص ہوں جسے نازل ہونے والے نے غافل کر دیا۔ جو سورۂ نحل اور سبع طوال میں ہے۔ اور واضح ڈرانے والی کتاب اللہ میں ہے۔"

پھر کعب کہتے ہیں:

إن لها علیك حقاً یا رجل   نصیبها فی أربع لمنْ عقل
فأعطها ذاك   ودع عنك العلل

"اے شخص! بے شک اس کا تجھ پر حق ہے، چار میں سے ایک کا جو سمجھ رکھتا ہے۔ پس وہ اسے دے دو اور حیلے بہانے چھوڑ دو۔"

پھر فرمایا: اللہ نے تجھے چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے، تیرے لیے تین دن اور رات ہیں، اُن میں تو اپنے رب کی عبادت کر (ایک دن اور رات اپنی بیوی کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے) یعنی ہر چار راتوں میں ایک مرتبہ اس سے قربت کیا کرے، یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تحسین فرماتے ہوئے کہا: میں کہہ نہیں سکتا تمہاری اس خاتون کی کلام کی فہم کی زیادہ تعریف کروں یا اس فیصلہ کی، جاؤ تمہیں بصرہ کا قاضی مقرر کرتا ہوں![1]

حدیث سے ثابت ہے کہ آدمی کا بیوی سے مباشرت کرنا صدقہ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ ثواب دے گا، چنانچہ مسلم نے نبی کریم ﷺ کی حدیث نقل کی کہ ''تمہارے اپنی بیوی سے جماع کرنے میں بھی اجر ہے۔'' صحابہ متعجب ہوئے اور کہا: شوہر تو اپنی شہوت پوری کرتا ہے، اس پر بھی وہ ماجور ہے؟ فرمایا: ''کیا خیال ہے، اگر یہی شہوت وہ حرام ذریعے سے پوری کرے، تو گناہ لازم نہ آئے گا؟ تو اسی طرح اگر حلال ذریعے سے اسے پورا کیا تو اجر ہے۔''[2] مباشرت کے علاوہ بوس و کنار، گلے لگانا اور لاڈ پیار بھی مستحب ہے ،ابویعلی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا جَامَعَ أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَصْدُقْهَا فَإِذَا قَضٰى حَاجَتَهُ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَ حَاجَتَهَا فَلَا يُعْجِلْهَا حَتّٰى تَقْضِيَ حَاجَتَهَا))[3]

''جب تمہارا کوئی اپنی بیوی سے ہمبستری کرے تو بیوی کو بھی پورا موقع دے کہ اس کی بھی تسکین ہو جلدی سے اپنی شہوت پوری کر کے اٹھ کھڑا نہ ہو۔''

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کا ذکر گزرا جس میں تھا:

((هَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ))[4]

''یعنی کیوں نہ کسی کنواری سے عقد کیا، کہ تم اس سے لاڈ کرتے اور وہ تم سے۔''

جماع کے وقت مکمل ستر پوشی

اسلام نے ہر حال میں ستر پوشی کا حکم دیا ہے، اِلّا یہ کہ کشف کی حاجت ہو، چنانچہ بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم اپنی

---

(1) المنتظم لابن الجوزی: ۵/۱۱۵؛ بغیة الطلب: ۵/۲٤٤٥۔
(2) صحیح مسلم: ۱۰۰٦؛ مسند أحمد: ۵/۱٦۹۔ (3) ضعیف الجامع: ٤۵۰؛ ارواء الغلیل: ۲۰۱۰۔ (4) صحیح البخاری: ۵۲٤۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرمگاہ کا کہاں کہاں خیال رکھیں؟ فرمایا: ”ہمہ وقت حفاظت کرو، مگر اپنی بیوی اور لونڈی سے۔“ عرض کی: اگر کسی قوم کے لوگ آپس میں ہی ہوں؟ فرمایا: ”اگر تجھ سے ہو سکے کہ تو اپنی شرمگاہ کسی کو نہ دکھائے تو ایسا ہی کر“ عرض کی اور خلوت میں؟ فرمایا: ”اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کیا جائے۔“① اسے ترمذی نے نقل کیا اور حسن قرار دیا، اس سے جماع کے وقت کشف کا جواز ملتا ہے، لیکن میاں بیوی کا مکمل ننگے ہونا مناسب نہیں، چنانچہ عتبہ بن عبد سلیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تمہارا کوئی بیوی کے پاس آئے تو پردہ میں ہی ہو، گدھوں کی مانند مکمل ننگے نہ ہوا کرو۔“② ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ننگے ہونے سے بچو، کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے بھی ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے، مگر قضائے حاجت کے وقت اور جب کوئی اپنی بیوی سے قربت کرے تو ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔“③ اسے ترمذی نے نقل کیا اور کہا غریب ہے! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی شرمگاہ نہیں دیکھی اور نہ آپ نے میری۔④

جماع کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

مسنون ہے کہ جماع کے وقت آدمی اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے، بخاری اور مسلم وغیرہما نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تمہارا کوئی جماع کے لیے بیوی کے پاس آئے تو کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا))⑤

”اے اللہ! شیطان سے ہمیں محفوظ رکھ اور اسے بھی جو تو ہمیں اولاد دے۔“

اگر اس سے اولاد مقدر ہوئی تو اسے شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

---

① حسن، سنن أبي داود: ٤٠١٧؛ سنن ترمذي: ٢٧٦٩؛ سنن ابن ماجه: ١٩٢٠۔

② ضعيف، سنن ابن ماجه: ١٩٢١۔ ③ ضعيف، سنن ترمذي: ٢٨٠٠۔

④ ضعيف، مسند أحمد: ٢٤٣٤٤؛ مفهوماً: ابن ماجه: ٦٦٢۔

⑤ صحيح البخاري: ٥١٦٥؛ صحيح مسلم: ١٤٣٤۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثنائے مباشرت اسی کے بارے میں گفتگو کرنے کی حرمت

کیونکہ یہ شرفِ انسانی کے مخالف اور لغو ہے، جس میں کوئی فائدہ نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے، انسان کو چاہیے کہ اس سے پرہیز کرے، صحیح حدیث میں ہے:

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))[1]

''آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی (باتوں اور کاموں) کا ترک کرے۔''

اللہ نے لغو سے اعراض کرنے والوں کی تعریف کی چنانچہ کہا:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (المؤمنون: ٣)

''جو فضول گوئی اور لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔'' (یہ اہلِ ایمان کی صفت بتلائی)

ہاں ضروری گفتگو کرنے میں حرج نہیں، ایک خاتون نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر دعویٰ کیا کہ اس کا شوہر جماع سے عاجز ہے، اس کے شوہر نے آکر کہا: یا رسول اللہ: ((إِنِّي لَأَنْفُضُهَا نَفْضَ الْأَدِيمِ))[2] ''میں اسے چمڑے کی طرح بھینچتا ہوں۔'' (یعنی خوب ساتھ چمٹاتا ہوں) (دراصل یہ خاتون سابقہ شوہر کے پاس واپس جانا چاہتی تھی، تو یہ بہانا گھڑا) اگر میاں بیوی نے مباشرت کے بارے گفتگو میں توسع کیا اور اپنے اپنے حلقہ احباب میں اس کی تفاصیل بیان کیں تو یہ حرام ہے، ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے برے مقام والا وہ شخص ہوگا، جو اپنے جماع کی باتیں بیان کرتا پھرے۔''[3] اسے احمد نے نقل کیا (اور مسلم و ابو داود نے بھی) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ سلام پھیر کر رخ مبارک

---

[1] صحیح، سنن ترمذی: ٢٣١٧؛ الموطا امام مالك: ٢/ ٩٠٣۔

[2] صحیح البخاری: ١٨٢٥۔

[3] صحیح، مسند أحمد: ٦/ ٣٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہماری طرف کیا اور فرمایا: ''جب کوئی اہلیہ کے پاس جائے تو دروازہ بند کرے اور پردہ لٹکائے پھر باہر نکل کر اس کی تفصیل بیان نہ کرتا پھرے، کیا ایسا کرتے ہو؟'' صحابہ خاموش رہے، آپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم میں سے ایسی ہیں جو یہ بیان کرتی ہیں؟'' اس پر ایک جوان خاتون گھٹنوں کے بل اٹھی تا کہ نبی کریم ﷺ کی اس پر نظر پڑے اور کہا: اللہ کی قسم! مرد بھی یہ باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی، آپ نے فرمایا: ''جو ایسا کرے اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شیطان اور شیطانہ سرِ بازار مباشرت کریں اور لوگ ان کی طرف دیکھتے ہوں۔''① اسے احمد اور ابو داود نے تخریج کیا۔

دبر میں جماع کرنا

عورت کی دبر میں جماع کرنا فطرت کے برخلاف ہے اور طبعِ سلیم اس کا انکار کرتی ہے اور شرع میں یہ حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ (البقرة: ٢٢٣) ''عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تو جس طریقہ سے چاہو ان سے جماع کرو۔'' اور حرث وہی ہوتا ہے جہاں کھیتی اگتی ہو، یہاں اس سے مراد محلِ ولد ہے، لہٰذا حرث میں جماع کرنے کا حکم (گویا) اگلی شرمگاہ میں جماع کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة: ٢٢٢) ''جہاں سے اللہ نے حکم دیا ہے وہاں سے آؤ'' اس آیت کا سبب نزول وہ جو بخاری اور مسلم نے روایت کیا کہ یہود عہدِ نبوی میں دعوی کرتے تھے کہ اگر آدمی اپنی بیوی کے ساتھ دبر کی جانب سے ہو کر اگلی شرمگاہ میں جماع کرے، تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا، انصار بھی ان کی اتباع میں یہی سمجھتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی نفی کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ یعنی دخول اگلی شرمگاہ ہی میں کرنا ہے۔② لیکن کیفیت کوئی بھی ہو، حرج نہیں، کئی احادیث میں صراحت کے ساتھ دبر میں دخول کرنے سے نہی وارد ہے۔

---

① حسن، مسند أحمد: ٢/ ٥٤٠، ٥٤١؛ سنن أبي داود: ٢١٧٤۔

② صحيح البخاري: ٤٥٢٨؛ صحيح مسلم: ١٤٣٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اہلیہ کی دبر میں جماع نہ کیا کرو۔''[1] اس کے راوی ثقہ ہیں، عمرو بن شعیب نے عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے بیوی کے ساتھ دبر میں جماع کرنے کے بارے میں فرمایا: ((هِيَ اللُّوطِيَّةُ الصُّغْرىٰ))[2] ''یہ چھوٹی لواطت ہے۔'' احمد اور اصحابِ سنن نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ملعون ہے وہ آدمی جو عورت سے دبر میں جماع کرے۔''[3] ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو میاں بیوی باہمی رضامندی سے ایسا کریں، تو دونوں کو تعزیری سزا دی جائے، وگرنہ (اگر شوہر زبردستی بیوی کے نہ چاہنے کے باوجود یہ کرے تو) دونوں کی علیحدگی کرادی جائے۔

عزل اور خاندانی منصوبہ بندی کے دیگر طریقے

پہلے گزرا چکا ہے کہ دین اسلام کثرتِ نسل میں راغب ہے، کیونکہ یہ اقوام و ملل کی قوت و شوکت کے مظاہر میں سے ایک ہے، ایک عرب کہاوت ہے: ''إِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْكَاثِرِ'' یعنی عزت کثرت والے کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے زواج کی مشروعیت کے اسباب میں سے قرار دیا، فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ الْوَدُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[4]
''زیادہ بچے جننے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو، بے شک میں روز قیامت تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔''

مگر اس کے باوجود مخصوص خالات میں اسلام نسل کی تحدید بندی کرنے سے منع نہیں کرتا کہ کوئی مانعِ حمل دوا استعمال کر لی جائے یا اس غرض سے کوئی اور وسیلہ اختیار کیا جائے! شوہر اگر کثیر العیال ہے اور اولاد کی صحیح تربیت پر اس وجہ سے قادر نہیں یا

---

① حسن، سنن ترمذی: ١١٦٤؛ مسند أحمد: ٢/ ١٨٢۔
② حسن، مسند احمد: ٢/ ١٨٠، ٢١٠؛ مجمع الزوائد: ٤/ ٢٩٨۔
③ حسن، سنن أبی داود: ٢١٦٢؛ سنن ترمذی: ١١٦٥۔
④ صحیح، سنن أبی داود: ٢٠٥٠؛ سنن نسائی: ٦/ ٦٦۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی کی صحت کمزور ہو چکی یا وہ ایسی ہے کہ بار بار حمل ہوتا ہے یا مالی حالت کثرتِ اولاد کی متحمل نہیں، تو ان احوال میں تحدیدِ نسل مباح ہے، بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو ان حالات میں مستحب ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا احوال کے ساتھ ساتھ یہ حالت بھی ذکر کی کہ بیوی کو اپنی خوبصورتی کے زائل ہو جانے کا ڈر ہو، کئی اہلِ علم تو مطلقاً ہی (یعنی چاہے ضرورت نہ ہو) اس کی اباحت کے قائل ہیں، اس کے لیے درج ذیل سے استدلال کیا:

① بخاری اور مسلم نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ہم عہدِ نبوی میں عزل کرتے تھے، جبکہ یہ زمانہ نزولِ قرآن کا تھا (یعنی اگر منع کرنا ہوتا تو اللہ تعالی کر دیتا) [1]

① مسلم نے ان سے نقل کیا کہ ہمارے عزل کرنے کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا لیکن منع نہ کیا۔ [2] امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہم نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عزل کی رخصت نقل کی ہے، وہ اس میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے، بیہقی کہتے ہیں اس کے بارے میں سیدنا سعد بن ابی وقاص، ابو ایوب انصاری، زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے رخصت منقول ہے اور یہی مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا مذہب ہے، سیدنا عمر اور علی رضی اللہ عنہما اس بات پر باہم متفق ہوئے کہ سات تارات (یعنی احوال و کیفیات) گزرنے سے پہلے پہلے (حمل کا) اخراج (یعنی اسقاط) کرایا جا سکتا ہے اور یہ ﴿ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴾ (التکویر: ۸) کے زمرہ میں نہ آئے گا (انسانی قالب اور ڈھانچا (اور یہ چار ماہ بعد ہوتا ہے) تشکیل پانے سے قبل اسقاط کرانا جائز ہے) ابویعلی وغیرہ نے اپنی سند کے ساتھ عبید بن رفاعہ عن ابیہ سے نقل کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں سیدنا علی، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم مع دیگر کئی صحابہ کرام کے جمع تھے کہ عزل کا تذکرہ چھڑا، تو انہوں نے کہا: اس میں حرج نہیں، کسی نے کہا: بعض لوگ اسے موء ودہ صغری (چھوٹی سطح کی زندہ درگوری) قرار دیتے ہیں تو

① صحیح البخاری: ۵۲۰۸؛ صحیح مسلم: ۱۴۴۰۔
② صحیح مسلم: ۱۴۴۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: موءودہ تب بنے گی، جب اس پر سات تارات گزر چکے ہوں، جو یہ ہیں:

(۱) سلالۃ من طین (مٹی کا خلاصہ)

(۲) پھر نطفہ

(۳) پھر خون کا جما ہوا لوتھڑا

(۴) پھر مضغۃ (بوٹی)

(۵) پھر ہڈیاں

(۶) پھر ان پر گوشت آئے

(۷) پھر ایک ڈھانچہ کی شکل اختیار کرتا ہے (یعنی جسم میں روح پھونکی جانے سے قبل تک جو چار ماہ بعد پھونکی جاتی ہے)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: آپ نے ٹھیک کہا، اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔[1]

اہلِ ظاہر کی رائے ہے کہ حمل روکنے کی کوشش یا نہ ٹھہرنے کا کوئی وسیلہ استعمال کرنا حرام ہے، ان کا استدلال جُذامہ بنت وہب کی روایت سے ہے، جس میں ہے کہ کچھ صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل بارے سوال کیا تو فرمایا: ((هُوَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ))[2] ''یعنی یہ مخفی زندہ درگوری ہے۔'' امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ صحیح کی متعدد روایات میں اس کی اباحت وارد ہے اس میں آپ کا یہ قول: ((هُوَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ)) ایک روایت میں مذکور: ((اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ))[3] کی نظیر پر ہے اور یہ اس کی کراہیت پر دال ہے، نہ کہ تحریم پر اور کراہت سے یہاں مقصود خلافِ اولیٰ ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے کے لیے مکروہ ہے کہ فارغ بیٹھے کسی ذکر یا نماز کے ساتھ مشغول نہ ہو (یعنی یہاں بھی مراد اس کا خلافِ اولیٰ ہونا ہے) احناف وغیرہ بعض ائمہ عزل کی اس صورت میں اباحت کے قائل ہیں کہ بیوی کی اجازت حاصل ہو، بغیر اذن عزل کرنا، ان کے ہاں مکروہ ہے۔

---

[1] شرح معانی الآثار: ٤٣٥٠۔

[2] صحیح مسلم: ١٤٤٢؛ مسند أحمد: ٦/٣٦١۔

[3] حسن، سنن ابن ماجه: ٤٢٠٤؛ مسند أحمد: ٣/٣٠۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسقاطِ حمل کا حکم

رحم میں نطفہ کے استقرار کے بعد اگر ایک سو بیس دن گزر چکے ہوں، تو حمل ساقط کرانا حلال نہیں، کیونکہ تب ایسا کرنا ایک جان پر زیادتی کے مترادف ہے، جس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی عقوبت کا مستحق ہوگا، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے، البتہ یہ مدت گزرنے سے قبل ضرورت کے تحت اسقاط کرالینا مباح ہے، لیکن اگر کوئی حقیقی سبب نہیں تب مکروہ ہے، مؤلف سبل السلام لکھتے ہیں:

''روح پھونکی جانے سے قبل نطفہ کا اسقاط اور اخراج کرالینے کا جواز عزل کرنے کے جواز اور عدم جواز کے بارے اختلاف پر متفرع اور متوقف ہے، تو جو عزل کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس مدت سے قبل اسقاط بھی جائز ہے دیگر کے ہاں نہیں، اسی سے رحم نکلوا دینے کا معاملہ ملحق ہے۔''

امام غزالی رحمہ اللہ کی رائے میں اسقاط ایک حاصل و موجود پر جنایت (ظلم) ہے، کہتے ہیں اس کے لیے کئی مراتب ہیں کہ نطفہ رحمِ مادر میں جا چکا اور عورت کے پانی کے ساتھ اس کا اختلاط ہو چکا ہو اور اب قبولِ حیات کی استعداد پیدا ہو چکی ہو، تو اس کا افساد و اسقاط جنایت ہے اور اگر (اگلا مرحلہ ہو اور وہ) مضغہ اور علقہ بن چکا تھا، تب تو جنایت اشد ہے اور اگر روح پھونکی جا چکی اور یوں تخلیق ہو چکی تھی۔ ①

① تب جنایت مزید سنگین باور ہوگی (بلکہ یہ تو سیدھا سادھا قتل ہے، راقم کے خیال میں معتدل رائے یہ ہے کہ ہڈیاں بننے کے مرحلے سے قبل اسقاط کرالینے میں حرج نہیں اور یہ مرحلہ اسی (۸۰) روز بعد آتا ہے۔ مزید احتیاط یہ ہونی چاہیے کہ پہلے مہینہ کے اندر اندر یہ فیصلہ کر لینا چاہیے اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اسے معمول نہیں بنانا چاہیے بلکہ اشد ضرورت کے تحت ہی ہو)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایلاء

ایلاء کی تعریف

لغت میں ایلاء کسی معاملہ یا چیز سے دور اور باز رہنے کی قسم کھا لینا، شرع میں اس سے مراد بیوی سے مباشرت نہ کرنے کی قسم اٹھا لینا، یا قسم اٹھانے کی بجائے وہ روزے رکھنے یا صدقہ دینے یا حج کرنے کے ساتھ مشروط کر لے یا کہے کہ اگر جماع کیا تو طلاق ہو! جاہلیت میں عرب قسم اٹھا لیتے کہ ایک سال یا دو سال یا کوئی سی مدت تک وہ بیوی کی قربت نہ کریں گے اور اس سے ان کا مقصد بیوی کا اِضرار ہوتا (تنگ کرنا اور سزا دینا) تو یوں اسے معلق چھوڑ دیتے کہ نہ (عملاً) وہ زوجہ ہے اور نہ ہی مطلقہ، تو اللہ تعالیٰ نے اس ضار فعل کی حد مقرر کر دی اور اسے چار ماہ تک محدود کر دیا کہ اس مدت میں شوہر اچھی طرح سوچ و بچار کر لے کہ بیوی کو بسانا ہے یا چھوڑنا ہے، تو اس دوران میں یا پوری مدت کے بعد وہ رجوع کر لے، بایں طور کہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور پھر قربت کرے یا پھر طلاق دے دے! قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرة: ٢٢٦)

”جو اپنی بیویوں سے ایلاء کریں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے، اگر رجوع کر لیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔“

مدتِ ایلاء

فقہاء متفق ہیں کہ جس نے قسم کھائی کہ چار ماہ سے زائد عرصہ وہ بیوی سے جماع نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے گا، تو وہ ایلاء کا فاعل ہوا، اگر کسی نے چار ماہ کی قسم کھائی تو اس کی بابت اختلافِ اقوال ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ بھی ایلاء ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور کہتے ہیں ایسے شخص کے لیے حکمِ ایلاء ثابت نہیں، کیونکہ اللہ نے چار ماہ کی مدت مقرر کی ہے اور اس کے گزرنے کے بعد اس کے ذمہ عائد کیا ہے کہ یا تو طلاق دے دے یا پھر رجوع کر لے۔

حکمِ ایلاء

اگر قسم اٹھائی کہ بیوی سے قربت نہ کرے گا، تو اگر چار ماہ کے اندر جماع کر لیا تب تو ایلاء ختم ہوا اور اسے قسم کا کفارہ دینا لازم ہوا اور اگر چار ماہ بیت گئے اور اس نے قربت نہیں، کی تو جمہور علماء کی رائے میں اب بیوی کو یہ مطالبہ کرنے کا حق ہے کہ یا تو طلاق دے دے یا پھر رجوع کر لے، اگر دونوں باتیں نہیں مانتا، تو امام مالک رحمہ اللہ کا فتوی ہے کہ قاضی دفعِ ضرر کے مدِ نظر طلاق کا اجرا کر دے، امام احمد، شافعی رحمہما اللہ اور اہل ظاہر کے نزدیک قاضی خود طلاق نہیں دے سکتا، بلکہ وہ شوہر پر سختی کرے اور اسے قید میں ڈال دے، تاکہ وہ خود طلاق دے، احناف کے خیال میں اگر مذکورہ مدت گزر گئی اور اس نے رجوع نہیں کیا، تو یہ مجرد مدت کے گزرنے سے خود بخود طلاقِ بائنہ سمجھی جائے گی اور اب خاوند کو رجوع کا حق حاصل نہیں، کیونکہ اس نے اپنے حق کے استعمال کے ضمن میں اِساءت سے کام لیا ہے، جب بغیر عذر قربت کرنے سے ممتنع ہوا اور یوں بیوی کے حق کی تفویت کی اور ظالم قرار پایا، امام مالک رحمہ اللہ رائے دیتے ہیں کہ اگر شوہر کا ترکِ جماع کے ساتھ قصد اضرار کا ہے، تب تو اسے حکمِ ایلاء لازم ہے، اگرچہ اس پر اس نے قسم نہ اٹھائی ہو (بغیر کچھ کہے بیوی سے دوری اختیار کر لی، تو وہ بھی ایلاء کے حکم میں ہے، بشرطیکہ یہ طرزِ عمل اس نے بیوی کو تنگ کرنے یا اپنے تئیں سزا دینے کی نیت سے کیا ہو) کیونکہ بیوی کے لیے تنگی و حرج تو واقع ہوا، جیسا کہ اس حالت میں ہے کہ اگر قسم اٹھائی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طلاق کا حکم جو ایلاء کے ساتھ واقع ہوگی

یہ طلاقِ بائنہ شمار ہوگی، کیونکہ اگر رجعی ہو تو وہ بیوی کو رجوع پر مجبور کرسکتا ہے اور رجوع شوہر کا حق ہوتا ہے، لہٰذا اگر رجعی کہیں تو اس سے بیوی کی مصلحت کا ضیاع ہے اور اس سے ضرر اور تنگی دور نہ ہوگی، یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، امام مالک، شافعی، سعید بن مسیب اور ابوبکر بن عبد الرحمن رحمہم اللہ اسے رجعی طلاق قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس کے بائن طلاق ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور اس لیے کہ یہ مدخول بہا زوجہ کی طلاق ہے، بغیر عوض اور رجوع کا حق استعمال کیے۔

ایلاء کے نتیجہ میں علیحدہ ہونے والی زوجہ کی عدت

جمہور کے نزدیک ایسی خاتون بھی دیگر مطلقات کی مانند عدت گزارے گی، کیونکہ یہ بھی ایک نوع کی مطلقہ ہے، جابر بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر ان چار ماہ کے دوران اسے تین حیض آچکے ہوں تو اسے عدت گزارنا لازم نہیں، امام ابن رشد رحمہ اللہ کے مطابق ایک جماعت نے یہی کہا اور یہی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ عدت دراصل براءتِ رحم کی خاطر وضع کی گئی ہے (کہ تاکہ پتہ چلے کہ وہ حاملہ تو نہیں تاکہ نئی شادی کرنے کی صورت میں نسب کا مسئلہ نہ کھڑا ہو) اور یہ غرض ان چار ماہ میں حاصل ہوچکی ہے۔

بیوی پر شوہر کے حقوق

اس کی اطاعت کرے بشرطیکہ کوئی معصیت کا حکم نہ ہو اور اپنی عصمت کی اور اس کے مال کی حفاظت کرے اور کسی بھی ایسی چیز سے دور رہے جس سے شوہر تنگ ہوتا ہو اور اس سے خوش روئی سے پیش آئے اور یہ سب سے اعظم حق ہے، حاکم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کس کا عورت پر سب سے اعظم حق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ فرمایا: ''شوہر کا۔'' پھر پوچھا اور مرد پر سب سے اعظم حق کس کا ہے؟ فرمایا: ''اس کی والدہ کا۔''① ایک حدیث میں فرمایا: ''اگر انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اور یہ اس پر عائد اس کے حق کی عظمت کی وجہ سے۔② اسے ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، اور ابن حبان نے تخریج کیا، اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ٣٤) ''تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) نگہداشت کرتی ہیں۔''

یہ سب سے اعلیٰ و اشرف صفات ہیں جو ایک اچھی بیوی میں ہونی چاہئیں اور انہی سے ازدواجی زندگی خوشگوار اور پرمسرت ہوگی، حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بہترین بیوی وہ ہے کہ اسے دیکھو تو خوشی ملے، حکم دو تو طاعت کرے، غائب ہو تو اپنی عصمت کی اور تمہارے مال کی حفاظت کرے۔''③ بیوی کا ان صفات سے آراستہ ہونا جہاد فی سبیل اللہ کے ہم پلہ ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک خاتون نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: مجھے خواتین نے اپنا ایلچی بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ گزارش کروں، مرد اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اگر فتحیاب رہیں تو ماجور ہوتے ہیں اور اگر جان سے گزر جائیں تو مقامِ شہادت پر فائز ہوتے ہیں اور اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جبکہ ہم خواتین ان کے امورِ خانہ داری سنبھالتی ہیں تو ہمارے لیے اس میں کیا اجر ہے؟ فرمایا: ''سب خواتین تک جن سے ملو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق کی نگہداشت ان کے جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے ثمرہ کے مساوی ہے، مگر تم میں سے قلیل ہی یہ کرتی ہیں۔''④

---

① ضعيف، المستدرك للحاكم: ٤/ ١٧٥۔

② صحيح، سنن ترمذی: ١١٥٩؛ سنن ابن ماجه: ١٨٥٢، ١٨٥٣۔

③ حسن، سنن أبي داود للطيالسي: ٢٣٢٥؛ مسند أحمد: ٧٤٢١۔

④ صحيح، مسند البزار: ١٤٧٤ مجمع الزوائد: ٤/ ٣٠٥؛ سلسلة الصحيحة: ١٨٣٨۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوہر کے حق کی عظمت پر دال یہ امر ہے کہ اسلام نے اسے دینی فرائض کی بجا آوری اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ مقرون کر کے ذکر کیا، چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر عورت نمازِ پنجگانہ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عزت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے، تو اسے کہا جائے گا جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔''[1] اسے احمد اور طبرانی نے نقل کیا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو عورت اس حال میں فوت ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، وہ جنت میں داخل ہوئی۔''[2] عورتوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بڑی وجہ شوہر کی نافرمانی اور ناشکری ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے (ایک دفعہ) جہنم کی طرف دیکھا تو اس میں زیادہ تر عورتیں ہیں، جو شوہر کی ناشکری کرتی تھیں۔''[3] اگر زمانہ بھر حسنِ سلوک کرو پھر ایک معاملہ اسے اچھا نہ لگے تو کہے گی، میں نے کبھی تجھ سے خیر نہ پائی۔''[4] اسے بخاری نے نقل کیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر شوہر بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور یوں اس نے غصہ میں رات گزاری، تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''[5] اسے احمد، بخاری اور مسلم نے نقل کیا، بیوی کو شوہر کی اطاعت کرنے کا یہ حق اور حکم (عام نہیں بلکہ) بھلے کاموں میں ہے (جو خلافِ شرع نہ ہوں) کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ خالق کی معصیت پر مبنی کسی کے حکم کو ماننا روا نہیں۔[6] اگر شوہر کوئی ناجائز اور معصیت والا حکم دے تو بیوی وہ نہ مانے، شوہر کی اطاعت میں یہ بھی داخل ہے کہ نفلی روزے اس کی اجازت سے رکھے،

---

① حسن، مسند أحمد: ١/١٩١؛ مجمع الزوائد: ٤/٣٠٤۔

② ضعیف، سنن ترمذی: ١١٦١؛ سنن ابن ماجہ: ١٨٥٤۔

③ بقول علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ یعنی اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نظر ڈالی، یہ حکم عمومی نہیں

④ صحیح البخاری: ٢٩؛ صحیح مسلم: ٩٠٧۔

⑤ صحیح البخاری: ٥١٩٤؛ صحیح مسلم: ١٤٣٦۔

⑥ صحیح، مسند أحمد: ١/٤٠٩؛ مسند ابی داود للطیالسی: ١٧۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح نفلی حج بھی اور اس کی اجازت سے ہی گھر سے باہر نکلے، ابوداود طیالسی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شوہر کا بیوی پر حق ہے کہ اسے اپنی قربت سے نہ روکے، اگرچہ وہ اونٹ کے پالان میں ہو اور ایک روزہ بھی اس کی اجازت کے بنا نہ رکھے مگر فرض روزے، اگر ایسا کیا تو وہ گناہگار ہوگی اور روزہ قبول نہ ہوگا اور اس کی اذن کے بغیر اس کے مال سے صدقہ نہ کرے، اگر کیا تو شوہر کو اجر ملے گا، مگر اسے گناہ ہوگا اور گھر سے اس کی اذن کے بغیر نہ نکلے، اگر نکلی تو اس پر اللہ اور فرشتوں کی لعنت ہوگی، حتی کہ توبہ کرے یا واپس آجائے، اگرچہ شوہر ظالم ہو۔'' ①

شوہر کے حقوق میں سے یہ بھی کہ کسی ایسے رشتہ دار کو گھر نہ آنے دے جو اسے پسند نہیں، سیدنا عمرو بن احوص جشمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں سنا، اللہ کی حمد وثناء اور تذکیر و وعظ کرنے کے بعد کہا: ''میں تمہیں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، بیشک وہ تمہاری قیدی ہیں، اس کے سوا تم ان سے کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اِلّا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کا ارتکاب کریں، اگر ایسا کریں تو انہیں بستر سے الگ کرو۔ اور اس قدر ہی مارو جو واضح نہ ہو، اگر تمہاری بات مان لیں تو ان پر کوئی اور راستہ تلاش نہ کرو۔ سنو! تمہاری بیویوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، وہ انہیں تمہارے بستروں پر نہ بیٹھنے دیں اور تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو تمہارے گھر نہ آنے دیں اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ ان کا کھانا اور لباس اچھے طریقے سے فراہم کرو۔'' ② اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا اور کہا حسن صحیح ہے۔

بیوی کا شوہر کے کام کرنا

ازدواجی تعلق کی اساس حقوق اور واجبات میں دونوں کے مابین مساوات ہے اور

---

① ضعیف، ضعیف الجامع: ٢٧٣٠؛ السلسلة الضعيفة: ٣٥١٥۔

② حسن، سنن ترمذی: ١١٦٣؛ سنن ابن ماجہ: ١٨٥١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی اصل یہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

''بیویوں کے جیسے کچھ فرائض ہیں اسی طرح ان کے حقوق بھی ہیں اور شوہروں کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔'' (البقرۃ: ۲۲۸)

تو یہ آیت بیوی کے لیے انہی حقوق کے مثل کا اثبات کرتی ہے، جو شوہر کے لیے ہیں جس چیز کا عورت سے مطالبہ کیا جائے گا، اسی کا مرد سے بھی، اساس جو اسلام نے میاں بیوی کے باہمی تعامل اور دونوں کی زندگی سنوارنے کو وضع کی، وہ قدرتی اور فطری ہے تو مرد گھر سے باہر کے معاملات کو نمٹانے اور پُر مشقت کام اور کسبِ معاش کرنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے، جبکہ بیوی امورِ خانہ داری انجام دینے، اولاد کی تربیت کرنے اور گھر کو ایک پرسکون ماحول فراہم کرنے پر تو آدمی کو ہر اس کا مکلف کیا جو اس کی طبیعت و فطرت کے مناسب ہے اور بیوی کو اس کا جو اس کے حسبِ حال ہے، اسی سے گھر کی گاڑی رواں دواں رہے گی اور خوشگوار ماحول میسر ہوگا اور گھروں کے اندرونی اور بیرونی معاملات بحسن و خوبی انجام پائیں گے، نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین یہ تقسیمِ کار فرمائی تھی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ امورِ خانہ داری کی بجا آوری اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ کسبِ معاش اور باہر کے کام کاج ہوں گے۔[1] بخاری اور مسلم نے روایت نقل کی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور چکی پیسنے سے ہاتھوں کا جو حال ہوا، اس کا ذکر کر کے کوئی خادمہ عطا کرنے کا مطالبہ کیا، تو آپ نے فرمایا: ''تم دونوں کو اس مطالبے سے بہتر کی راہ نہ دکھلاؤں؟ وہ یہ کہ جب رات کو بستر پر جاؤ تو ۳۳، ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہوگا۔''[2] سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں اپنے شوہر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر کے تمام کام کرتی تھیں، ان کا ایک گھوڑا تھا، اس کا بھی خیال رکھتی اور گھر کے دیگر

---

[1] ضعیف، أقضیة رسول اللہ ﷺ للقرطبی: ۷۲؛ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مرسل قرار دیا ہے۔ [2] صحیح البخاری: ۵۳۶۲؛ صحیح مسلم: ۲۷۲۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام اور کئی باہر کے کام بھی حتی کہ دو میل دور سے گٹھلیاں لے کر آتی[1] ان دونوں حدیثوں سے دلالت ملی کہ بیوی کے ذمہ گھر کے کام کاج اور شوہر کے ذمہ گھر کے اخراجات کا بندوبست ہے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اپنا حال بیان کرنے پر انہیں گھر کے کام کرنے سے منع نہیں کیا، اسی طرح سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو بھی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس امر میں کوئی شک نہیں اور اس ضمن میں یہ تفریق نہ کی جائے گی کہ یہ اونچے اور فلاں طبقے کی یا کسی نچلے خاندان کی ہے یا وہ مالدار ہے اور یہ غریب۔ اب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جہان کی تمام عورتوں سے اشرف و برتر ہیں، مگر گھر کے کام کاج اپنے ہاتھ سے کیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مشقت کی شکایت کی، لیکن آپ نے ان کو غلام نہ دیا بعض علمائے مالکیہ کہتے ہیں کہ بیوی کے ذمہ گھر کی خدمت ہے، اگر کوئی مالدار گھرانے کی ہے تو وہ خود (اگر گھر کے کام کاج نہیں کرنا چاہتی تو) نوکر چاکر کا بندوبست کرے (شرعاً شوہر کی یہ ذمہ داری نہیں) ازواج مطہرات ہانڈی روٹی اور صفائی ستھرائی جیسے کام خود ہی انجام دیا کرتی تھیں، کسی کے بارے معلوم نہیں کہ اس سے انکار کیا ہو اور انکار کرنا روا بھی نہ تھا، بلکہ اس زمانہ میں اگر بیویاں اس ضمن میں تقصیر و کوتاہی کرتیں تو لوگ مار پیٹ بھی کر لیتے تھے، یہی اس ضمن میں صحیح مذہب ہے، برخلاف اس کے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے ہوئی کہ شرعاً بیوی پر شوہر کی خدمت واجب نہیں، وہ کہتے ہیں شادی کا اصل مقصد استمتاع (حظ و تسکین حاصل کرنا) ہے نہ کہ خدمت اور کام کرانا، ان کے نزدیک احادیث میں جو بیویوں کے امورِ خانہ داری انجام دینے کا مذکور ہے وہ رضا کارانہ اور مکارمِ اخلاق کے طور سے ہے۔

گھریلو زندگی میں بوقتِ ضرورت کچھ کذب بیانی کر لینے کا جواز

شادی کی اصل غرض و غایت خوشگوار اور شک و شبہ سے پاک زندگی گزارنا، پرسکون ماحول مہیا کرنا اور گھر کی فضا کو کسی قسم کے تکدر سے محفوظ رکھنا ہے، اس مقصد

[1] صحیح البخاری: ٥٢٢٤؛ صحیح مسلم: ٢١٨٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے اگر کبھی سچائی کا دامن چھوڑنا بھی پڑے تو حرج نہیں، مروی ہے کہ ابن ابو عذرہ دؤلی بیویوں سے علیحدگی ہو جانے میں معروف تھے اور اس وجہ سے خواتین میں ان کی شہرت اچھی نہ تھی، ایک دفعہ انہوں نے عبداللہ بن ارقم کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لائے اور ان کے سامنے اپنی بیوی کو قسم دے کر پوچھا کہ سچ سچ بتلاؤ کیا مجھے ناپسند کرتی ہو؟ وہ کہنے لگی: قسم نہ دو، مگر وہ مصر رہے، تو کہا: ہاں! ابن ارقم سے کہنے لگے: سن رہے ہو، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: آپ سمجھتے ہیں کہ میں عورتوں پر ظلم کرتا اور انہیں علیحدہ کر دیتا ہوں، آپ ابن ارقم سے پوچھ لیں (ان کے سامنے میری بیوی نے کہا ہے کہ تم مجھے پسند نہیں) انہوں نے اس کی تصدیق کی تو ابن ابو عذرہ کی اس زوجہ کو طلب کیا، وہ اپنی پھوپھی کے ہمراہ آئی، تو اس سے کہا: تم نے اپنے شوہر سے کہا ہے کہ وہ تجھے اچھے نہیں لگتے؟ کہنے لگی: میں سب سے پہلے تو اللہ سے توبہ کرتی ہوں، دراصل انہوں نے مجھے قسم دے کر کہا کہ سچ سچ بتلاؤ تو میں نے جھوٹ بولنے میں حرج سمجھا، تو کیا: اے امیر المومنین! میں جھوٹ بولتی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، ہاں جھوٹ بول لیتی، اگر کسی بیوی کو اپنے شوہر سے پیار نہ ہو، تو وہ اسے بتلائے نہیں، کیا سب گھرانے باہمی محبت پر ہی قائم ہیں؟ ہم نے اسلام اور خاندان کا خیال کر کے ایک دوسرے کے ساتھ گزارا کرنا ہے۔ ①

بخاری اور مسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو صلح کرانے کے لیے کچھ غلط بیانی کرے، وہ جھوٹا شمار نہ ہوگا، کیونکہ اس کی نیت خیر کی ہے۔ ② کہتی ہیں میں نے سوائے ان تین امور کے آپ کو کذب کی رخصت دیتے نہیں سنا: جنگی معاملات، لوگوں کے مابین صلح کرانے میں اور میاں بیوی کے باہمی معاملہ میں تو یہ مصلحت کے لیے کچھ غلط بول سن لینے کی اباحت پر دال ہے۔

عورت شمعِ محفل نہیں بلکہ چراغِ خانہ ہے

تو لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر کو ہی اپنے قرار و سکون کی جگہ سمجھے اور اس کی

① المعرفة والتاريخ: ١/ ٢٩٣۔ ② صحيح البخاري: ٢٦٩٢؛ صحيح مسلم: ٢٦٠٥۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجازت کے بغیر باہر نہ جائے، البتہ کوشش کی جائے کہ گھر مناسب حال ہو اور اس میں ضروریاتِ زندگی کی تمام سہولتیں فراہم ہوں، ایسا گھر ہی شرعی مسکن کہلانے کا حقدار ہوگا، اگر ایسا گھر ہے کہ شادی سے مقصود ازواجی حقوق وہاں پورے نہیں کیے جاتے، تب بیوی کو لازم نہیں کہ ادھر ہی رہے، کیونکہ ایسا گھر غیر شرعی ہے، مثلاً: یہ کہ گھر میں اور افراد بھی رہتے ہوں، جن کی وجہ سے ازدواجی معاشرت ممکن نہیں یا اسے ان کے باعث ضرر لاحق ہوتا ہے یا اس کا سامان ومتاع غیر محفوظ ہے یا پڑوسی برے لوگ ہیں یا اس سے وہ وحشت محسوس کرتی ہے۔

میاں بیوی کا (والدین سے) الگ گھر میں رہنا

یہ ان کا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ ﴾

''انہیں (یعنی مطلقہ) عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور انہیں تنگ نہ کرو۔'' (الطلاق:٦)

تنگ کرنے سے یہ نہی مقتضی ہے کہ بیوی کے ساتھ (کسی نئے گھر) منتقل ہونا اس غرض سے نہ ہو کہ اسے تنگی لاحق ہو بلکہ مقصد ازدواجی معاشرت میں آسانی کا حصول اور پرسکون ماحول اور فضا میسر ہو، لیکن اگر اس سے مقصد اسے تنگی میں ڈالنا ہے کہ مثلاً تاکہ حقِ مہر سارا یا کچھ معاف کردے یا اپنا واجب الاداء نفقہ چھوڑ دے، اگر نئے گھر میں وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال نہیں کرتی، تو وہ انکار کا حق رکھتی ہے اور عدالت اسے یہ حق دلا سکتی ہے (لیکن انکار کی یہ وجہ کہ وہ اپنے ماں باپ سے دور نہیں جانا چاہتی، شرعی نہ ہوگی کیونکہ شرعاً شادی کے بعد اسے شوہر کی رضا مقدم سمجھنی چاہیے) فقہاء نے اس حق کے استعمال کو مقید کیا ہے، اس امر کے ساتھ کہ نقلِ مکانی میں اسے ضرر ہونے کا خدشہ نہ ہو، بایں طور کہ راستہ غیر محفوظ ہو یا اسے شدید مشقت ہو، جس کی وہ عادۃً متحمل نہیں یا دشمن (اور ڈاکو) کا خوف ہو تب وہ سفر سے انکار کر سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی کو اس کے (آبائی) گھر سے نہ نکالنے کی شرط پر عقدِ نکاح

اگر کوئی ایسی شرط طے ہوئی تھی، تب اس کا پورا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے:

((إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ)) [1]

''یعنی شادی بیاہ کے وقت جو شروط آپس میں طے کیں وہ سب سے بڑھ کر پوری کی جانے کی حقدار ہیں۔''

اسے بخاری و مسلم وغیرہما نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، یہی امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا مذہب ہے، دیگر فقہاء کے نزدیک ایسی شرط کا پورا کرنا لازم نہیں اور وہ نقل مکانی کرا سکتا ہے، انہوں نے اس حدیث کا جواب یہ دیا کہ اس سے مراد مہر اور ازدواجی حقوق کے بارے کوئی شرط جو عقد کے مقتضا سے ہو نہ کہ وہ جو اس کے اقتضاء میں سے نہ ہو! بہر حال شروطِ عقد کے بارے تفصیلی بحث گزری ہے، جس میں علماء کے اختلافِ اقوال کا مفصلاً ذکر ہوا۔

بیوی کو ملازمت سے روک دینا

علماء نے بیوی کی اس ملازمت جس کے باعث شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ پیش آتی ہو اور اس ملازمت جس سے ایسا نہ ہوتا ہو، کے مابین تفریق کی ہے تو اول کی ممانعت اور دوم کو جائز کہا، بقول علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ بعض فقہائے احناف نے ہر اس امر سے اور گھر سے نکلنے سے منع کیا ہے، جو شوہر کے حقوق کی تنقیص کا سبب بنے یا اسے اس وجہ سے ضرر لاحق ہو، البتہ جس میں یہ نہ ہوا اس سے منع کرنے کی کوئی سبیل نہیں اسی طرح اگر بیوی کا گھر سے نکلنا بیوی کی نسبت فرضِ کفایہ میں سے ہو، تو اس سے روکنا بھی روا نہیں۔

[1] صحیح البخاری: ۲۷۲۱؛ صحیح مسلم: ۱۴۱۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلبِ علم کے لیے بیوی کا گھر سے نکلنا

اگر یہ علم فرض علم ہے، تو اگر شوہر خود اس علم کی اسے تعلیم دے سکتا ہے، تب یہی کرے، وگرنہ اسے مجالسِ تعلیم میں حاضری کی اذن دے تاکہ وہ دین کے احکام و مسائل سیکھے، اس کے لیے شوہر کی اذن لینا بھی ضروری نہیں، لیکن اگر بیوی کے پاس یہ علم موجود ہے یا اس کا شوہر عالم ہے، تب پہلے اس سے کہے کہ وہ خود اسے تعلیم دے، اگر کسی باعث اس کے پاس وقت نہیں، تب اس سے کسی ایسے ادارے میں بغرض تعلیم جانے کی اجازت مانگے۔

نافرمانی پر بیوی کی گوشمالی

قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا﴾ (النساء: ٣٤)

''اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو، اس پر بھی اگر باز نہ آئیں) تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں، تب انہیں ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔''

نشوز سے مراد خاوند کی نافرمانی، اس کی عدم اطاعت یا اس کے بستر پر آنے سے اعراض یا اس کی اذن کے بغیر گھر سے نکل جانا ہے، اولاً اس کا مداوا اسے وعظ و نصیحت کرنے، اللہ کی تذکیر و تخویف اور اس کی کوتاہی پر تنبیہ کرنے اور شوہر کے حقوق کو اجاگر کرنے سے ہونی چاہیے اور باور کرائے کہ اس پاداش میں اسے نان و نفقہ سے محرومی اور شوہر سے دوری کی شکل میں بھگتنا پڑ سکتا ہے، جہاں تک بول چال کی بندش تو یہ تین دن سے زیادہ رکھنا جائز نہیں، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ تین ایام سے زیادہ کسی مسلمان سے بول چال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترک کرے۔"① بیوی کی طرف سے اس قسم کا رویہ شروع ہوتے ہی مار پیٹ نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ آیت میں ﴿فَعِظُوهُنَّ﴾ کے بعد تقدیر کلام ہے، فَإِنْ ''نَشَزْنَ'' اور ﴿وَاضْرِبُوهُنَّ﴾ سے قبل تقدیرِ کلام ہے: ''فَإِنْ أَصَرَّنَ'' یعنی اگر وہ وعظ و نصیحت سے باز نہیں آتی، تو اگلے مرحلہ میں بستر الگ کریں اور اگر اس سے بھی باز نہ آئے، تب ضرب ہے اور اس کی تحدید و تقیید کی گئی ہے کہ کس طرح کی ضرب لگانی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: ((فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ))② یعنی جو شدید نہ ہو اور چہرے (اور دیگر حساس جگہوں) پر مارنے سے اجتناب کرے، کیونکہ مقصود تادیب ہے نہ کہ نقصان پہنچانا، ابوداود نے حکیم بن معاویہ قشیری عن ابیہ سے نقل کیا کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ فرمایا: ''جب کھاؤ اسے بھی کھلاؤ، پہنو تو اسے بھی پہناؤ اور چہرے پر نہ مارو، بدشکل نہ کہو اور گھر سے نہ نکالو۔''③

بیوی کا شوہر کے لیے زینت و آرائش کرنا

یہ مستحسن ہے کہ سرمہ، تیل اور خوشبو اور خضاب وغیرہ سامانِ آرائش و زیبائش استعمال کرے، احمد نے کریمہ بنت ہمام سے روایت نقل کی کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، آپ مہندی لگانے کے بارے کیا فرماتی ہیں؟ کہا: میرے محبوب کو اس کا رنگ اچھا لگتا تھا، لیکن اس کی بو نہیں، تم مہندی لگا سکتی ہو بالخصوص حیض کے وقت۔④

تبرُّج

تبرج سے مراد اس چیز کا اظہار جس کا اخفاء واجب ہے، اس کی اصل (الخروج من البُرْج) ہے، یعنی محل سے نکلنا پھر عورت کے جاہ و حشمت کے ساتھ نکلنے اور اس کے

---

① صحیح، سنن أبی داود: ٤٩١٤۔

② حسن، سنن ترمذی: ١١٦٣؛ سنن ابن ماجہ: ١٨٥١۔

③ صحیح، سنن أبی داود: ٢١٤٣۔ ④ ضعیف، مسند أحمد: ٦/١١٧؛ شعیب الارناؤط نے ضعیف قرار دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے محاسن ومفاتن کے اظہار پر اطلاق ہوا، قرآن میں تبرج دو جگہوں میں وارد ہوا، اولاً سورۂ نور کی اس آیت میں:

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ﴾ (النور: ٦٠)

"اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو اب نکاح کی توقع نہیں رہی تو حرج نہیں کہ وہ زائد کپڑے اتار لیا کریں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں، تو ان کے لیے بہتر ہے۔"

پھر سورۂ احزاب کی اس آیت میں اس سے نہی وارد ہوئی اور اس کی مذمت بیان کی گئی:

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ﴾ (الأحزاب: ٣٣)

"اور زمانۂ جاہلیت کی طرح سرِ عام زیب وزینت کا اظہار نہ کرو۔"

اس کا دین اور مدنیت کے منافی ہونا

انسان کا حیوانات سے سب سے بڑا امتیاز لباس اور سامانِ زینت وآرائش کا استعمال ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ رِیْشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ﴾ (الأعراف:٢٦)

"اے بنی آدم! ہم نے تمہاری ستر پوشی کے لیے لباس نازل کیا ہے اور زینت کے لیے بھی اور بہترین لباس تو تقوی کا ہے۔"

ملبوسات اور تزیین وآرائش تہذیب وشہریت کے مظاہر میں سے ہیں اور ان سے تجرد حیوانیت (اور ابتدائی طرزِ زندگی) کی طرف رجوع ہے، جبکہ حیات کا جو اپنی فطرتی رفتار سے چل رہی ہے، دوبارہ اس ابتدائی عہد کے نقوش کی طرف لوٹ جانا ممکن نہیں اِلّا یہ کہ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں اور آراء وخیالات میں ایسا جوہری کوئی تغیر پیدا ہو کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجعتِ قہقری مناسب لگے، جب لباس کا استعمال ترقی یافتہ انسان کی زندگی کا لازمی جزو ہے تو عورت کی نسبت تو یہ زیادہ ضروری ہے، کیونکہ یہ اس کے دین، شرف، عصمت اور عفت وحیا کا محافظ ہے اور یہ ایسی صفات ہیں کہ مردوں کی نسبت عورتوں کو ان کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اسی وجہ سے جاہ وحشمت کی وہی زیادہ حقدار ہے۔ عورت کی قیمتی ترین متاع شرف وحیا ہے اور عفاف وعصمت اوران کی حفاظت گویا عورت کی شرف و انسانیت کی محافظت ہے، عورت کے اور معاشرے کے مفاد میں نہیں کہ عورت اس حفاظتی پردے سے باہر نکل آئے اور اپنی اس قیمتی متاع کو معرضِ خطر میں ڈالے، کیونکہ جتنی وہ عریاں ہوگی ہوس بھری نظریں اس کا طواف کریں گی اور فتنے کی ایسی آگ بھڑکے گی کہ اس کی عزت کی حفاظت دشوار ہو جائے گی، لہٰذا گھر کی چار دیواری، مناسب لباس، حجاب اور مستور ہونا ایسی حدود و قیود ہیں جو اس کی اس قیمتی متاع کو بچانے اور اس کی حفاظت کے لیے از حد ضروری ہیں، اسی وجہ سے اسلام نے اس پر خاص توجہ دی ہے اور مفصلاً ان کا تذکرہ کیا ہے، حالانکہ قرآن کی یہ عادت نہیں کہ وہ جزئیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرے، قرآن میں ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ ﴾ (الأحزاب:٥٩)

”اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی چادریں اپنے پہ جھکا لیا کریں (گھونگٹ نکال لیا کریں) یہ امر ان کے لیے موجب شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی انہیں ایذا نہ دے گا۔“

یہاں تخاطب نبی کریم ﷺ کی ازواج، بنات اور اہلِ ایمان کی خواتین کی طرف کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ سبھی خواتین سے اس حکم کی تنفیذ کا مطالبہ ہے، بغیر کسی کے استثناء کے، اب نبی کریم ﷺ کی ازواج اور بنات سے بڑھ کر کون طاہر، مقدس اور حیا دار ہو سکتی ہے؟ لیکن دوسروں سے پہلے انہی کو مکمل حجاب کرنے کا مکلف کیا اور اسی ضمن میں یہ ہدایت بھی دی:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ (النور: ٣١)

’’اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں، اور اپنی آرائش (زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں، مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو، اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں، ماسوائے اپنے خاوند اور اپنے باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور عورتوں اور لونڈی غلاموں کے۔‘‘

حتی کہ اگر بوڑھی بھی ہے جسے کسی میں نہ کوئی رغبت ہے اور نہ اس میں کسی کو تو اسے بھی عدم تبرج کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ﴾ (النور: ٦٠)

’’بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش) نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں، تاہم اگر ان سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے۔‘‘

اسلام نے اس معاملے کو بہت اہمیت دی ہے اور سنِ شعور ہی سے عورت کو پابند کیا کہ وہ مکمل پردے کا اہتمام کرے، نبی کریم ﷺ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا (جو آپ کی سالی تھیں) کو مخاطب کر کے فرمایا: ’’اے اسماء! عورت جب حیض کی عمر کو پہنچ جائے، تو اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے صحیح نہیں کہ (گھر کے اندر) سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے اس کے جسم کی کوئی چیز دکھائی دے۔''① مردوں کے لیے عورت سے بڑا فتنہ کوئی نہیں، ایک حدیث میں ہے: ''جب عورت آتی ہے تو شیطان بھی اس کے ہمراہ آتا ہے اور جاتی ہے تو شیطان بھی اس کے ہمراہ جاتا ہے۔''② لہٰذا اس فتنہ سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ مکمل پردے کا اہتمام کیا جائے، ایک حدیث میں ارشاد ہوا:

((صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: رِجَالٌ بِأَيْدِيهِمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَ إِنَّ رِيحَهَا لَيُشَمُّ مِنْ مَسَافَةِ كَذَا وَكَذَا)) ③

''دو قسم کے لوگ اہلِ نار میں سے ہیں: ایک مرد جن کے ہاتھوں میں کوڑے ہیں، جیسے گائے کی دمیں پکڑ رکھی ہوں اور دوم باریک لباس پہننے والی عورتیں جو مائل ہوتی اور کرتی ہیں، یہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھ سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے محسوس ہوگی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی طرف سے اس معاملے میں کوتاہی ملاحظہ کرتے تو فوراً تنبیہ کرتے اور کسی قسم کی ڈھیل سے کام نہ لیتے تھے! موسیٰ بن یسار رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے کہ ایک عورت کا گزر ہوا، جس سے خوشبو اٹھ رہی تھی، اس سے کہا: اے جبار کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟ کہا: مسجد کو، پوچھا خوشبو لگائی ہے؟ کہا: ہاں! کہا: واپس جاؤ! خوشبو دھو کر آؤ، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ فرماتے تھے: ''اللہ اس عورت کی نماز قبول نہ کرے گا، جس سے خوشبو کی مہک اٹھ رہی ہو، جب تک وہ واپس جا کر اسے دھو نہ لے۔''④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس

① صحیح، سنن أبی داود: ٤١٠٤۔ ② صحیح، سنن أبی داود: 2151؛ سنن ترمذی: ١١٥٨۔ ③ صحیح مسلم: ٢١٢٨۔ ④ صحیح، سنن أبی داود: ٤١٧٤؛ سنن ابن ماجه: ٤٠٠٢؛ صحیح ابن خزیمه: ١٦٨٢۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت نے خوشبو لگائی ہے، وہ عشاء کی نماز پڑھنے مسجد میں نہ آئے۔''[1] اسے ابوداود اورنسائی نے تخریج کیا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ مزینہ کی ایک عورت داخل ہوئی، جو بن سنور کر تکبر سے چل رہی تھی، آپ نے فرمایا: اے لوگو! اپنی خواتین کو بن سنور کر مسجد آنے سے روکو، بنی اسرائیل پر اس وقت تک لعنت نہ ہوئی جب تک ان کی خواتین نے مسجد میں بن سنور کر آنا شروع نہ کیا۔''[2] اسے ابن ماجہ نے نقل کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس فتنے کا ازحد احساس تھا، وہ اس کے وقوع سے قبل ہی اس کے تدارک کی تدبیریں سوچتے تھے، ایک رات ان کی سماعتوں میں یہ عاشقانہ شعر پڑا، جو ایک خاتون پڑھ رہی تھی:

هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ إِلىٰ خَمْرٍ فَأَشْرَبْهَا
أَمْ هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ إِلىٰ نَصْرِ بْنِ حَجَّاجٍ

''کیا مجھے تھوڑی سی شراب مل سکتی ہے، یا کیا نصر بن حجاج سے ملنے کی کوئی سبیل ہے؟''

فوراً کہا: عہدِ عمری میں تو ایسا نہ ہوگا، صبح اٹھ کر نصر بن حجاج کو طلب کیا تو دیکھا نہایت حسین وجمیل ہے، تو اس کی ٹنڈ کرانے کا حکم دیا، جب دیکھا کہ اس سے تو خوبصورتی اور بڑھی ہے، تو اسے شام جا کر رہنے کا حکم دے دیا۔

دورِ حاضر کی بے راہ روی کا بڑا سبب

آج ہر طرف مغربی ثقافت کا زور ہے، اس کے حملے شدید اور زوروں پر ہیں اور عریاں ڈراموں اور فلموں اور دیگر وسائلِ نشرو اشاعت کے سبب بے راہ روی اپنے عروج پر ہے، اس کی سنگینی میں عورتوں کے شتر بے مہار کی طرح بے پردہ گھروں سے نکلنے نے اضافہ کر دیا ہے، گریبانوں سے سینے اور ننگے بازو، ہر کسی کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں!

[1] صحيح مسلم: ٤٤٤؛ سنن أبي داود: ٤١٧٥؛ سنن نسائي: ٨/ ١٥٤۔
[2] ضعيف، سنن ابن ماجه: ٤٠٠١۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پنڈلیوں سے پہنچے اوپر کو اٹھ چکے اور شرعی پردے کی تو بات ہی کیا، اب تو سروں سے دوپٹہ ڈھلک چکا، پھر اس پر مستزادنت نئے ڈیزائنوں کے ملبوسات اور شرم وحیا سے عاری نگاہیں اور خوشبوؤں کی مہک، معاملہ اس حد تک آگے بڑھ چکا کہ فیشن کی محافل منعقد کی جاتی ہیں، جن میں عورتیں طرح طرح کے لباس پہنے کیٹ واک کرتی ہیں، پھر جو چھوٹی اور بڑی سکرین پر بے حیائی کے مناظر اور فحش فلمیں اور ڈرامے پیش کیے جارہے ہیں (اور اب تو نیٹ اور فیس بک کا مرحلہ ہے) اس عریانی اور فحاشی کو رواج دینے اور اوج تک پہنچا دینے کا سب سے بڑا کردار ملبوسات کو تیار کرنے والی کمپنیوں اور اداروں کا ہے۔

اس کے نتائج

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فسق کثیر اور زنا منتشر ہوا اور دینی فرائض و واجبات مہمل بنے اور خاندانی نظام کو ٹھیس لگی، اب نہ اولاد کی تربیت کے لیے وقت ہے اور نہ شوہروں کے حقوق کی نگہداشت کا، بے شمار خاندانوں کا نظام منہدم ہوا اور حرام کا حصول حلال سے بھی اسہل ہو گیا! بالجملہ یہ آزادانہ روش اخلاقی انحطاط اور تدمیرِ اقدار کا باعث بنی ہے، جو تمام مذاہب و ادیان میں متعارف تھے، معاملہ اس انتہاء کو پہنچ چکا ہے کہ کسی کو خیال تک نہ تھا کہ اس قدر بگاڑ ہو جائے گا، اب تو فحاشی اور آزادروی کے اسالیب سکھلانے کو ادارے کام کر رہے ہیں، پھر قسما قسم کے بیوٹی پارلر کھل گئے، جو بھاری اخراجات کے عوض دلہا اور دلہن کو میک اپ کرتے اور انہیں تیار کرتے ہیں، الغرض مسلمانوں کو اسلامی معاشرے کے انہدام کے لیے ایک ہمہ گیر قسم کی ثقافتی یلغار کا سامنا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ تعلیمی اداروں کے زیر اہتمام مخلوط پارٹیاں منعقد کی جاتی ہیں، جن میں گانوں پر رقص اور خوب ہلا گلا ہوتا اور ایسی حرکات کی جاتی ہیں کہ شیاطین بھی شرما جائیں اور اب اکثر ماڈرن تعلیمی اداروں میں طلبہ و طالبات اس غرض سے نہیں جاتے کہ تعلیم حاصل کریں، بلکہ اس لیے جاتے ہیں تاکہ جنسی جذبات کی تسکین کی سبیل کریں اور ایک دوسرے کو شکار کرنے کی سعی کریں، اب تصور کر لیا گیا ہے کہ تہذیب وتمدن اور ماڈرن پسندی یہ ہے کہ بلا سوچے سمجھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مغرب کی تقلید کی جائے اوران کے معاشرے کے محاسن چھوڑ کر مفاسد کو اپنایا جائے۔

اسلام نے جو حدود و قیود مشروع کی ہیں، وہ عزت وشرف کی صیانت وحفاظت اور معاشرتی نظام کو انہدام و انحطاط سے محفوظ رکھنے کی غرض سے تھیں اور ان میں ہم سب کا نفع تھا، اسی سے رشتوں کا احترام اور بقائے باہمی کی نوید تھی اوران پر عمل پیرا ہوکر اورانہیں اپنا کر ہی موجودہ بے راہ روی سے ہم خلاصی حاصل کر سکتے ہیں، ہمیں اسلامی پردے اور عدم اختلاط کو رواج دینا ہوگا اوران حدود کی پابندی کرنا ہوگی، اسی میں ہماری سلامتی اور نجات ہے، اہلِ یورپ کا خاندانی نظام منہدم اور رشتوں کا احترام ختم ہو چکا ہے، ہمارا معاشرہ قطعاً اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، دشمنانِ دین کی ثقافتی یلغار بھیس بدل بدل کر حملہ آور ہورہی ہے، ان کا اولین اور آخرین ہدف مسلمان نوجوان مرد و خاتون کو تباہ کرنا ہے، نوجوانوں کو گوناگوں نشے کی لت ڈالنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کی وجہ سے مفقود اور معطل الحواس نوجوان لڑکے لڑکیوں کی ایک کھیپ ہے، جو کسی کام کی نہیں رہی (پاکستان میں تازہ حملہ شیشہ کلب ہیں، افسوس کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں اور ہماری نظروں کے سامنے ہمارا اثاثہ لوٹا جا رہا ہے سب کو اس کی خبر ہے، اگر کسی کو اس کی خبر نہیں تو وہ ہمارے حکمران ہیں! یا اللہ ہمارا کیا بنے گا)۔

اس صورتحال کا علاج اور تدارک

اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اس کے علاج و تدارک کے لیے ایک دانشمندانہ پالیسی وضع کی جائے، اس ضمن میں مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کیے جاتے ہیں:

① دینی شعور وآگہی کی وسیع پیمانہ پر نشر و اشاعت کی جائے اور لوگوں کو اس بے راہ روی کے اَضرار و مفاسد سے آگاہ کیا جائے، تاکہ اس یلغار کے مقابلہ کو وہ مستعد و تیار ہوں۔

② اس کے ذمہ داروں کو قانون کے سخت شکنجہ میں کسا جائے اور اس ضمن میں کوئی سفارش یا دباؤ قبول نہ کیا جائے۔

③ ذرائع ابلاغ بالخصوص اخبارات وجرائد اور الکٹرانک میڈیا کو اس امر کا پابند کیا جائے

کہ وہ مخربِ اخلاق تصویروں اور تحریروں کو نشر کرنے سے باز رہے اور ان پر کڑی نظر رکھی جائے۔

④ ملبوسات اور ڈیزائنز کی آڑ میں منعقد کیے جانے والے شو اور رقص کی محافل پر پابندی عائد ہو۔

⑤ ورکر خواتین پر لازم کیا جائے کہ وہ مناسب لباس پہنیں۔

⑥ ہر کوئی اس اصلاحی مہم کا آغاز اپنے آپ اور اپنے گھر سے کرے، پھر دوسروں کو دعوت دے۔

⑦ حیا، حجاب اور دیگر اسلامی آداب کا شعور عام کیا جائے۔

⑧ صحتمندانہ سرگرمیوں کی فضا قائم کی جائے اور اس کے لیے مناسب اقدامات اٹھائے جائیں اور کھیل کے میدان وافر تعداد میں مہیا کیے جائیں، تاکہ نوجوانوں کا ذہن تخریبی سرگرمیوں کے بارے میں سوچ ہی نہ پائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات کو اچھا لگتا ہے کہ وہ زمانے کی رفتار کا ساتھ دیں، اسے وہ ترقی کا زینہ خیال کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نئے زمانے اور تمدنِ حاضر کے یہی تقاضے ہیں؛ ہم زمانۂ حاضر کی ترقی کے مظاہر و سہولیات اختیار کرنے سے منع نہیں کرتے اور نہ دین میں ایسی کوئی ممانعت اور بندش ہے، لیکن یہ سب دینی اور اخلاقی اقدار کی قیمت پر نہ کیا جائے، کیونکہ یہ اقدار وحیِ الٰہی کی دین اور ہر زمان و مکان کے لیے مشروع ہیں، دین ہی نے تو اس ترقی کی راہ سجھائی ہے اور عقلِ انسانی کو ہدایت دی کہ کون و کائنات میں تامل کرے اور اس کی تسخیر کا سامان کرے اور اس کے منافع کو اپنے کام میں لائے اور اس کی برکات سمیٹے اور اپنی زندگی سہل و آسان بنائے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنی عقبیٰ و آخرت کو بھلا کر حال میں مست ہو جائے اور دین کو اپنی خواہشات کا تابع اور اپنی شہوت و رغبات کو ہی اپنا مطمحِ نظر بنا لے۔

شوہر کا بیوی کے لیے تزین

یہ مستحب ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جس طرح میری زوجہ میرے لیے متزین و آراستہ ہوتی ہے، میں بھی اس کے لیے ہوتا ہوں، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس سے تو اپنا حق وصول کروں اور اس کا مجھ پر جو حق ہے، اس میں سستی اور کوتاہی کروں جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة: ٢٢٨)

''عورتوں کے بھی مناسب طور پر مردوں پر حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی بابت کہتے ہیں، علماء کا کہنا ہے کہ جہاں تک شوہروں کے تزین کا معاملہ ہے، تو یہ ان کے احوال کے تفاوت پر ہے، انہیں کئی قسم کے کام کاج اور محنت مزدوری کرنی ہوتی ہے، پھر عمروں کا حساب بھی مدِ نظر رہے، لہٰذا ہمہ وقت ان سے بنے سنورے رہنے کی طلب مناسب نہیں، پھر جوان عمری کا بننا سنورنا عمر کے مابعد مراحل سے مختلف ہوگا، لباس کے ضمن میں مالی حالت بھی پیش نظر رکھنا ہوتی ہے! بہر حال ہر کوئی مناسبِ حال تزین کرے، کئی کام ایسے ہیں جو ہمہ وقت کیے جا سکتے ہیں مثلاً کہ دانت صاف ہوں، بدن میں میل کچیل جمع نہ ہو اور بالوں کی تراش خراش کی ہو اور ناخن کٹے ہوں، یہ تو ہر عمر اور ہر طرح کے مردوں کے لیے! بوڑھوں کو (جب تک عمر کا آخری دور نہ ہو) خضاب لگانے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے، اسی طرح سبھی مرد خوشبو استعمال کریں، جوان و پیر سب انگوٹھی پہن سکتے ہیں، یہ ان کا زیور ہے، قربت کے لمحات کے لیے بطورِ خاص صفائی ستھرائی کرنا چاہیے اگر کسی کو کسی مرحلہ پر قربت سے کمزوری کا احساس ہو، تو کوئی حرج نہیں کہ مقویِ باہ ادویہ استعمال کرے، بیوی کی عفت و عصمت کی حفاظت اور اسے تانک جھانک سے باز رکھنے میں اس کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

حدیث ام زرع

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

گیارہ عورتوں کا ایک اجتماع ہوا، جس میں انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ مجلس میں وہ اپنے اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کریں کوئی بات نہ چھپائیں۔ چنانچہ پہلی عورت (نام نامعلوم) بولی: میرے خاوند کی مثال ایسی ہے جیسے دبلے اونٹ کا گوشت جو پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو، نہ تو وہاں تک جانے کا راستہ صاف ہے کہ آسانی سے چڑھ کر اس کو کوئی لے آئے اور نہ وہ گوشت ہی ایسا موٹا تازہ ہے، جسے لانے کے لیے کوئی اس پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف گوارا کرے۔ دوسری عورت (عمرہ بنت عمرو تمیمی نامی) کہنے لگی: میں اپنے خاوند کا حال بیان کروں تو کہاں تک بیان کروں (اس میں اتنے عیب ہیں) میں ڈرتی ہوں کہ سب بیان نہ کرسکوں گی، اس پر بھی اگر بیان کروں تو اس کے کھلے اور چھپے سارے عیب بیان کرسکتی ہوں۔ تیسری عورت (حیی بنت کعب یمانی) کہنے لگی: میرا خاوند کیا ہے ایک تاڑ کا تاڑ (لمبا تڑنگا) ہے، اگر اس کے عیب بیان کروں تو طلاق تیار ہے، اگر خاموش رہوں تو ادھر لٹکی رہوں۔ چوتھی عورت (مہدو بنت ابی ہردمہ) کہنے لگی: میرا خاوند ملک تہامہ کی رات کی طرح معتدل ہے نہ زیادہ گرم نہ بہت ٹھنڈا، نہ اس سے مجھے خوف ہے نہ اکتاہٹ ہے، پانچویں عورت (کبشہ نامی) کہنے لگی: میرا خاوند ایسا ہے کہ گھر میں آتا تو وہ ایک چیتا ہے اور جب باہر نکلتا ہے تو شیر (بہادر) کی طرح ہے، جو چیز گھر میں چھوڑ کر جاتا ہے، اس کے بارے میں پوچھتا ہی نہیں (کہ وہ کہاں گئی؟) اتنا بے پرواہ ہے جو آج کمایا اسے کل کے لیے اٹھا کر رکھتا ہی نہیں اتنا سخی ہے۔ چھٹی عورت (ہند نامی) کہنے لگی: میرا خاوند جب کھانے پر آتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے اور جب پینے پر آتا ہے تو ایک بوند

بھی باقی نہیں چھوڑتا اور جب لیٹتا ہے تو تنہا ہی اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لیتا ہے اور الگ پڑ کر سو جاتا ہے، میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ بھی نہیں ڈالتا کہ کبھی میرا دکھ درد معلوم کرے۔ ساتویں عورت (حبی بنت علقمہ) کہنے لگی: میرا خاوند تو جاہل مست ہے، صحبت کے وقت اپنا سینہ میرے سینے سے لگا کر اوندھا پڑ جاتا ہے۔ دنیا میں جتنے عیب لوگوں میں ایک ایک کر کے جمع ہیں، وہ سب اس کی ذات میں جمع ہیں (کم بخت سے بات کروں تو) سر پھوڑ ڈالے یا ہاتھ توڑ ڈالے یا دونوں کام کر ڈالے۔ آٹھویں عورت (یاسر بن اوس) کہنے لگی: میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں سونگھو تو زعفران جیسا خوشبودار ہے۔ نویں عورت (نامعلوم) کہنی لگی: میرا خاوند کا گھر بہت اونچا اور بلند ہے اور وہ قد آور بہادر ہے۔ اس کے یہاں کھانا اس در پکتا ہے کہ راکھ کے ڈھیر کے ڈھیر جمع ہیں (غریبوں کو خوب کھلاتا ہے) لوگ جہاں صلاح ومشورہ کے لیے (پنچایت گھر میں) بیٹھتے ہیں وہاں سے اس کا گھر بہت نزدیک ہے۔ دسویں عورت (کبشہ بنت رافع) کہنے لگی: میرے خاوند کا کیا پوچھنا: جائداد والا ہے، جائیداد بھی ایسی بڑی کہ ویسی کسی کے پاس نہیں ہوسکتی، بہت سارے اونٹ جو جابجا اس کے گھر کے پاس جٹے رہتے ہیں، جنگل میں چرنے کم جاتے ہیں، جہاں ان اونٹوں نے باجے کی آواز سنی بس ان کو اپنے ذبح ہونے کا یقین ہوگیا۔ گیارھویں عورت (ام زرع بنت اکیمل بن ساعدہ) کہنے لگی: میرا خاوند ابوزرع ہے، اس کا کیا کہنا، اس نے میرے کانوں کو زیوروں سے بوجھل کر دیا ہے اور میرے دونوں بازو چربی سے پھلا دیے ہیں، مجھے خوب کھلا کر موٹا کر دیا ہے کہ میں اپنے تئیں خوب موٹی سمجھنے لگی ہوں شادی سے پہلے میں تھوڑی سی بھیڑ بکریوں میں تنگی سے گزر بسر کرتی تھی۔ ابوزرعہ نے مجھ کو گھوڑوں، اونٹوں اور کھیت کھلیان سب کا مالک بنا

دیا ہے اتنی زیادہ جائیداد ملنے پر بھی اس کا مزاج اتنا عمدہ ہے کہ بات کہوں تو برا نہیں مانتا مجھے کبھی برا بھی نہیں کہتا۔ سوئی پڑی رہوں تو صبح تک مجھے کوئی نہیں جگاتا۔ پانی پیوں تو خوب سیراب ہو کر پی لوں، رہی ابوزرعہ کی ماں! (میری ساس) تو میں اس کی کیا خوبیاں بیان کروں، اس کا توشہ خانہ مال واسباب سے بھرا ہوا، اس کا گھر بہت ہی کشادہ۔ ابوزرعہ کا بیٹا وہ بھی کیسا اچھا خوبصورت (نازک بدن دبلا پتلا) ہری چھالی یا ننگی تلوار کے برابر اس کے سونے کی جگہ ایسا کم خوارک کہ بکری کے چار ماہ کے بچے کے دست کا گوشت اس کا پیٹ بھر دے۔ ابوزرعہ کی بیٹی! وہ بھی سبحان اللہ! کیا کہنا، اپنے باپ کی پیاری، اپنی ماں کی پیاری (تابع فرمان، اطاعت گزار) کپڑا بھرپور پہننے والی (موٹی تازی) سوتن کی جلن، ابوزرعہ کی لونڈی! اس کی بھی کیا پوچھتے ہو کبھی کوئی بات ہماری مشہور نہیں کرتی (گھر کا بھید ہمیشہ پوشیدہ رکھتی ہے) کھانے تک نہیں چراتی، گھر میں کوڑا کچرا نہیں چھوڑتی، مگر ایک دن ابوزرعہ باہر گیا، اچانک اس نے ایک عورت دیکھی، جس کے دو بچے چیتوں کی طرح اس کی کمر کے تلے دو اناروں سے کھیل رہے تھے (مراد اس کی دونوں چھاتیاں ہیں جو انار کی طرح تھی) ابوزرعہ نے مجھے طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد میں نے ایک اور شریف سردار سے نکاح کر لیا جو گھوڑے کا اچھا سوار، عمدہ نیزہ باز ہے، اس نے بھی مجھے بہت سے جانور دے دیے ہیں اور ہر قسم کے اسباب میں سے ایک ایک جوڑا دیا ہوا ہے اور مجھ سے کہا کرتا ہے کہ ام زرعہ! خوب کھا پی، اپنے عزیز واقربا کو بھی خوب کھلا پلا تیرے لیے عام اجازت ہے، مگر یہ سب کچھ جو بھی میں نے تجھے دیا ہوا ہے اگر اکٹھا کروں تو تیرے پہلے خاوند ابوزرعہ نے جو تجھے دیا تھا، اس میں ایک چھوٹا برتن بھی نہ بھرے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں تیرے لیے ایسے ہوں جیسے ام زرعہ کے لیے ابوزرعہ تھے۔“ ①

عقدِ نکاح کا آغاز خطبہ مسنونہ سے کرنا

یہ مستحب ہے اور اس کا کم از کم یہ: (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ) کہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر خطبہ (یعنی تمہیدی کلام و گفتگو) جس میں تشہد کے مسنون کلمات نہیں وہ کوڑھ زدہ ہاتھ کی مانند ہے۔“ ② اسے ابو داود اور ترمذی نے تخریج کیا اور کہا: یہ حسن غریب حدیث ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر اہم معاملہ جس کی ابتدا اللہ کی حمد سے نہ کی جائے، وہ اقطع ہے۔“ ③ اسے ابو داود اور ابن ماجہ نے نقل کیا، مفہوم یہ کہ ایسا معاملہ برکت سے مقطوع اور خالی ہوتا ہے اور مراد خصوصیت کے ساتھ حمد یہ الفاظ ہی نہیں بلکہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے، کلمات جو بھی ہوں (اگر مسنون کلمات ہوں، تو یہ اولی اور افضل ہوگا، تاکہ دوسری روایت سے اس کی تطبیق ہو) افضل یہ ہے کہ خطبۂ حاجت پڑھ دے، چنانچہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جوامع الکلم (جامع مانع) اور اس کے خواتیم عطا ہوئے (یعنی جن کے بعد مزید تفصیل یا کلام کی ضرورت محسوس نہ ہو) یا انہوں نے (فَوَاتِحُ الْخَیْرِ) (خیر کے مقدمات) کہا، چنانچہ آپ نے ہمیں خطبۂ نماز اور خطبۂ حاجت (یعنی وہ تمہیدی کلمات جو ہر اہم معاملہ و ضرورت کے آغاز میں کہے جائیں) کی تعلیم دی تو خطبۂ نماز یہ ہے:

(اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ) ④ اور خطبۂ حاجت کے یہ الفاظ سکھلائے: (إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِهٖ مِنْ

---

① صحیح البخاری: ۵۱۸۹؛ صحیح مسلم: ۲۴۴۸۔ ② سنن أبی داود: ۴۸۴۱؛ سنن ترمذی: ۱۱۰۶۔ ③ ضعیف، سنن ابن ماجه: ۱۸۹۴؛ سنن أبی داود: ۴۸۴۰۔
④ صحیح، سنن ابن ماجه: ۱۸۹۲۔

شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ) اس کے بعد (عموماً خطبہ نکاح میں) یہ تین آیات پڑھی جائیں: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)، ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ (النساء: ۱) اور ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾[1] (الأحزاب: ۷۰۔ ۷۱) اسے اصحابِ سنن نے نقل کیا، اگر بغیر خطبہ پڑھے بھی نکاح (ایجاب وقبول) کرادیا جائے تو صحیح ہے، چنانچہ بنی سلیم کے ایک شخص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میرا ایک خاتون کے ساتھ یہ کہتے ہوئے عقد کرادیا: ((زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ))[2] یعنی "میں نے اس کی تجھ سے اس قرآن کے بعوض جو تمہیں یاد ہے شادی کرادی (یعنی حق مہر یہ کہ تم اسے بھی وہ یاد کرادو)" اور خطبہ نہ پڑھا۔

اس کی حکمت

حجۃ اللہ البالغہ (جو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے) میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب عقدِ نکاح منعقد کرانے سے قبل بطورِ تمہید اپنی قوم وقبیلہ کے فخریہ کارناموں کا ذکر کرتے تھے اور یہ رسم بن چکا تھا اور اس میں ایک مصلحت تھی، وہ یہ کہ نکاح کا معاملہ تشہیر کا متقاضی ہوتا ہے اور یہ کہ برسرِ مجلس اس کا انتظام ہو (اور مجلس کو گرمانے اور سامعین کی توجہ مبذول کرانے کی غرض سے) یہ تمہیدی کلمات کہے جاتے تھے، نکاح کی تشہیر اور اس کے علانیہ ہونے سے مقصود حرام معاملہ اور زنا کاری سے اس کا

[1] صحیح، سنن ترمذی: ۱۱۳۱؛ سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۲۔
[2] صحیح البخاری: ۲۳۱۰؛ صحیح مسلم: ۱۴۲۵۔

تمیز اجاگر کرنا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس اصل کو برقرار رکھا، البتہ اس کی ماہیت تبدیل فرمادی کہ ان فخر و مباہات پر مبنی الفاظ کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد، تشہد اور درود و سلام پر مشتمل کلمات کہنے کی نیوڈالی اور برکت کے لیے موضوع سے مناسبت رکھنے والی آیات کی تلاوت بھی، تو یوں ایک اور مصلحت کا اضافہ کیا اور پھر اللہ کے حوالے سے اس کے انعقاد میں مصلحت اس کے شعائر کا اظہار اور یہ باور کرانا ہے کہ فریقین اسے ایک عظیم اور رفیع اقدام سمجھیں اور اسے جی جان سے کامیاب بنانے کا عزم کریں، اس میں کئی قسم کے ذکر جاری کیے مثلاً: حمد، استعانت، استغفار، تعوّذ، توکّل، تشہد اور قرآنی آیات، اس مصلحت کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا: ((كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ أَجْذَمُ)) ''ہر کلام جس کا آغاز اللہ کی حمد کے ساتھ نہ ہو وہ ناقص ہے۔'' اور فرمایا: ((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ اَلصَّوْتُ وَالدَّفُّ فِي النِّكَاحِ)) ''حلال (شرعی نکاح) اور حرام (زنا اور متعہ) کے درمیان فرق یہ ہے کہ حلال میں آواز (خوب ہلا گلا) اور دف بجایا جاتا ہے۔ (جبکہ دیگر دو خاموشی سے روبعمل لائے جاتے ہیں)۔''[1]

عقدِ نکاح کے بعد کی دعا

اس موقع پر درج ذیل ماثور دعائیں ہیں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی کی شادی پہ موجود ہوتے، تو اسے یہ دعا دیتے: ((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ))[2] ''اللہ تمہیں برکت دے اور تم دونوں کو خیر پر جمع کرے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے میری شادی ہوئی، رخصتی کے وقت گھر میں موجود انصار خواتین نے یہ دعا دی: عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ[3] ''خیر و برکت اور

---

[1] حسن، سنن ترمذی: ١٠٨٨؛ سنن نسائی: ٦/١٢٧؛ سنن ابن ماجه: ١٨٩٦۔

[2] صحيح، سنن أبی داود: ٢١٣٠؛ سنن ترمذی: ١٠٩١؛ سنن أبن ماجه: ١٩٠٥۔

[3] صحيح البخاری: ٣٨٩٤؛ صحيح مسلم: ١٤٢٢؛ سنن أبی داود: ٤٩٣٣۔

اچھی امیدیں لے کر۔'' اسے بخاری اور ابوداود نے نقل کیا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عقیل بن ابوطالب کی بنی جشم کی ایک خاتون سے شادی ہوئی، تو حاضرین نے یہ دعا دی: بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِيْنَ ''تم دونوں میں اتفاق رہے اور بیٹے پیدا ہوں'' تو وہ بولے وہ دعا دو جو نبی کریم ﷺ دیا کرتے تھے: ((بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ)) [1] ''اللہ تم میں برکت دے اور تم پر برکت دے۔'' اسے نسائی نے نقل کیا۔

شادی کا اعلان وتشہیر

شرعاً اس کا اعلان (علانیہ ہونا) مستحسن ہے، تاکہ منہی عنہ خفیہ نکاح سے مشابہ نہ ہو اور تاکہ خوشی ومسرت کا اظہار ہو اس عمل کے ساتھ جو اللہ نے طیبات میں سے حلال کیا اور حقیقۃً یہ ایسا عمل ہے جو تشہیر کا مستحق ہے تاکہ ہر خاص وعام اور قریب وبعید جان لے اور تاکہ دیگر کنواروں کے لیے اس میں ہلہ شیری ہو، نکاح کا علانیہ انعقاد ہر قوم وملک کا عرف ہے اس میں شرط یہ ہے کہ کوئی خلافِ شرع کام نہ ہو مثلاً شراب نوشی یا مردوں اور عورتوں کا اختلاط (اور آلاتِ موسیقی کا استعمال) وغیرہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نکاح علانیہ کیا کرو اور (بہتر ہے کہ) مساجد میں ان کا انعقاد کرو اور دف بھی (گھروں اور بازاروں میں) بجا سکتے ہو'' [2]

اسے احمد اور ترمذی نے نقل کیا اور حسن قرار دیا، بلاشبہ مساجد میں نکاح کی مجلس کا انعقاد اس کے علانیہ ہونے میں ابلغ ہے، کیونکہ یہ لوگوں کی اجتماع گاہیں ہیں، بالخصوص عصورِ اولی میں جب مساجد (دورِ حاضر کی) منتدباتِ عامہ (ہال وغیرہ جہاں اجتماعات منعقد ہوتے ہیں) کے مترادف ہوا کرتی تھیں، ترمذی نے بیان کیا اور حسن کہا، اور حاکم نے بیان کیا (اور صحیح کہا) یحییٰ بن سلیم سے نقل کیا کہتے ہیں، میں نے محمد بن حاطب سے کہا: میری دو شادیاں ہوئی ہیں اور دونوں میں دف نہیں بجائی گئی تھی تو کہنے لگے، نبی کریم ﷺ

---

[1] صحیح، سنن نسائی: ٦/١٢٨؛ سنن ابن ماجه: ١٩٠٦۔

[2] ضعیف، سنن ترمذی: ١٠٨٩؛ مسند أحمد: ٥/٤۔

نے فرمایا تھا: ''حرام اور حلال (نکاح) کے درمیان فرق دف بجانے کا ہے۔''① (مفہوم یہ کہ حرام خفیہ طور سے اور حلال علی الاعلان ہوتا ہے)۔

شادیوں میں گیت کی اباحت

تاکہ تفریحِ طبع ہو اور لہوِ بری (بے حیائی، اسراف اور فضولیات سے پاک شغل میلے اور گیتوں) کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کا سامان مہیا ہو، مگر اس ضمن میں ضروری ہے کہ یہ گیت فسق و فجور، فحش اور عاشقانہ وسوقیانہ باتوں سے خالی ہوں، چنانچہ سیدنا عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک شادی کے موقع پر قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے ہمراہ موجود تھا تو لڑکیاں گیت گانے لگیں، میں نے ان سے کہا: آپ دونوں صحابیِ رسول اور اہلِ بدر میں سے ہو، دیکھتے نہیں کیا ہو رہا ہے؟ کہنے لگے، چاہو تو ہمارے ساتھ یہ گیت سنو اور اگر سننا نہیں چاہتے تو چلے جاؤ، شادی بیاہ کے مواقع پر ہمارے لیے اس کی رخصت دی گئی ہے۔② اسے نسائی اور حاکم نے نقل کیا اور حکمِ صحت لگایا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فارعہ بنت اسعد رضی اللہ عنہا کو دلہن بنایا اور خود ہمراہ چل کر ان کے شوہر سیدنا نبیط بن جابر انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر رخصتی کرانے گئیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے عائشہ! تم لوگوں کے ساتھ اس موقع پر کوئی لہو نہ تھا؟ انصار کو یہ اچھا لگتا ہے۔''③

اسے بخاری اور احمد وغیرہما نے نقل کیا، اس کے بعض طرق میں ہے کہ فرمایا: ''کیوں نہ ایک لڑکی کی ڈیوٹی لگا دی ہوتی کہ دف بجاتی رہے اور گیت گاتی رہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مثلاً وہ کیا بول گاتی؟ فرمایا مثلاً کہتی:

أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيُّونَا نُحَيِّيكُمْ وَلَوْلَا الذَّهَبُ الأَحْمَرُ مَا حَلَّتْ بِوَادِيكُمْ وَلَوْلَا الحِنْطَةُ السَّمْرَاءُ مَا سَمُنَتْ عَذَارِيكُمْ ④

---

① حسن، سنن ترمذی: ۱۰۸۸؛ سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۶۔ ② صحیح، سنن نسائی الکبریٰ: ۵۵٦۵؛ المستدرك للحاكم: ۱۰۲/۱۔ ③ صحیح البخاری: ۵۱٦۲؛ مسند أحمد: ۲٦۹/٦۔ ④ حسن، نیل الاوطار: ٤/ ۲۹۲۔

"ہم پہنچ گئے ہم پہنچ گئے، تم ہمیں مبارکباد دو، ہم تمہیں دیتے ہیں، اگر یہ سرخ سونا نہ ہوتا تو اس کی رخصتی نہ کرتے اور اگر یہ گندم نہ ہوتی تو تمہاری کنواریاں موٹی تازی نہ ہوتیں (مقصود یہ کہ اس طرح کے بے ضرر اور دلچسپ اشعار اور خوشی کے گیت)۔"

سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میری رخصتی کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے اس بستر پر تشریف فرما ہوئے، تو لڑکیاں دف بجا کر گیت گانے لگیں، میرے آباء میں سے جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے، ان کا ذکر چھیڑ دیا (ان کا والد معوذ، دو چاچا عوف اور معاذ بدر میں شہید ہوئے تھے) ان اشعار میں ایک مصرع یہ بھی تھا: وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ "ہم میں ایسا نبی ہے، جو آنے والے کل کی باتیں بھی جانتا ہے تو فرمایا: "یہ مصرعہ نہ گاؤ پہلے جو گا رہی تھی، وہ ٹھیک ہے۔"[1] اسے بخاری، ابو داود اور ترمذی نے نقل کیا۔

دمِ رخصتی دلہن کو وصیتیں کرنا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دلہن کو رخصت کرتے وقت شوہر کی خدمت کرنے اور اس کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی وصیت کیا کرتے تھے، عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب رحمہ اللہ نے اپنی بیٹی کی رخصتی کرتے وقت یہ وصیت کی کہ خواہ مخواہ غیرت کا شکار نہ ہونا، کیونکہ یہ طلاق کی کنجی ہے اور کثرتِ عتاب سے پرہیز کرنا، کیونکہ اس سے دھیرے دھیرے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور اپنی آرائش و زیبائش کا خیال رکھا کرنا، بالخصوص سرمہ استعمال کرنا، سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے کہا: جب مجھے غصے میں دیکھو تو اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کیا کرو، اسی طرح جب میں تمہیں غصے میں دیکھوں

[1] محشی لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے منع کیا کیونکہ اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا اور دوسری جگہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لا يعلم مافى غد الا سبحانه)) کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ صحيح البخاري: ٥١٤٧؛ سنن أبي داود: ٤٩٢٢؛ سنن ترمذي: ١٠٩٠۔

گا، تو میں بھی یہی کروں گا اس طرح ہماری ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے گی۔ ایک شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے:

خذی العفو منی تستدیمی مودتی ولاتنطق یفی سورتی حین اغضب
ولا تنقرینی نقرك الدف مرّة فإنك لا تدرینی کیف المغیب
ولاتکثری الشکوٰی فتذهب بالقوی ویأ باك قلبی والقلوب تقلب
فإنی رایت الحب فی القلب والأذٰی إذا اجتمعا لم یلبث الحبّ یذهب

''میری محبت کو ہمیشہ پانے کے لیے مجھ سے درگزر کرتی رہ، جب میں جوشِ غضب میں ہوں تو اس وقت مجھ سے بات نہ کرو، دف کے ایک مرتبہ مارنے کے برابر بھی مجھ پر عیب جوئی نہ کر، یقیناً تو نہیں جانتی کہ پوشیدہ رہنے والا کیسا ہے، تو زیادہ شکوہ شکایت مت کر یہ قوتوں کو لے جاتا ہے، میرا دل تجھ سے بے زار ہوگا کیونکہ دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یقیناً میں نے دیکھا ہے کہ جب دل میں محبت اور اذیت اکٹھی ہو جاتی ہے، تو آخر محبت ٹھہرتی نہیں کوچ کر جاتی ہے۔''

ایک والدہ کی اپنی بیٹی کو دمِ رخصتی وصیت

بادشاہِ کندہ عمرو بن حُجر کی شادی ام ایاس بنت عوف بن محلم شیبانی سے ہوئی، رخصتی کے وقت ان کی والدہ امامہ بنت حارث نے اسے نصیحتیں کرتے ہوئے کہا: اے میری پیاری بیٹی! اگر کسی کے ادب و آداب سے واقف ہونے اور ان سے آراستہ ہونے کی بنا پر نصیحت کرنا ترک کیا جا سکتا تو تمہیں نصیحتیں نہ کرتی، لیکن یہ غافل کے لیے یاددہانی اور عاقل کی معاونت ہے، اگر کوئی خاتون شادی کرنے سے مستغنی ہو سکتی اس وجہ سے کہ اس کے والدین کو اس کی سخت ضرورت ہے اور گھر میں کھانے پینے کو بہت ہے، تو تم ایسی ہو کہ اس سے مستغنی ہو سکتی، لیکن بات یہ ہے کہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لیے تخلیق کیا ہے اور انہیں ایک دوسرے کی ضرورت بنایا ہے، میری پیاری بچی! تم اب اس

ماحول سے نکل رہی ہو، اور اس گھر کو خیر باد کہہ رہی ہو جہاں تم نے بچپن کے یہ دن گزارے اور ایسے گھر میں جارہی ہو جو تمہارے لیے بالکل نامانوس ہے اور ایسے ساتھی کے پاس جس سے تم مانوس نہیں، وہ اب تمہارا مجازی خدا بن گیا ہے، تو اس کی خدمت گزار بن کر رہنا، اگر ایسا کرو گی تو وہ تمہارا بے دام غلام بن کر رہے گا، چند باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو، یہ تمہارے بہت کام آئیں گی:

① اس سے زیادہ مطالبے مت کرنا۔

② توجہ سے اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔

③ کوشش کرنا کہ اس کی نظر تمہاری کسی تقصیر وکوتاہی پر نہ پڑے اور ہمیشہ اس کی ناک میں تم سے خوشبو ہی جائے۔

④ اس کے آرام اور کھانے کے وقت کا دھیان رکھنا کہ بھوک کی طوالت اشتعال دلانے اور نیند میں خلل ڈالنا، غصہ دلانے کا سبب ہے۔

⑤ اس کے مال، گھر، اور سامان کی حفاظت کرنا اور اسے سلیقہ سے استعمال کرنا اور امورِ خانہ داری چلانے میں حسنِ تدبیر سے کام لینا۔

⑥ کبھی اس کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ اس کا راز ظاہر کرنا، وگرنہ اس کے دل میں نفرت آجائے گی اور وہ تم پر بھروسا کرنا چھوڑ دے گا۔

⑦ اگر وہ پریشان ہو تو اس کے سامنے خوشی سے نہ چہکنا اور اگر وہ خوش وشادمان ہو تو رونی صورت بنا کر نہ بیٹھ جانا۔

www.KitaboSunnat.com

ولیمہ

ولیمہ کی تعریف

یہ وَلم سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: جمع کرنا، کیونکہ خاوند بیوی کے باہم اجتماع کے بعد اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسے بطورِ خاص (اصطلاحاً) شادی کے کھانے پر بولا جاتا ہے، قاموس میں ہے: ولیمہ شادی کا کھانا یا ہر کھانا جو دعوت وغیرہ کے لیے تیار کیا جائے، أَوْلَمَ: یعنی، صَنَعَهَا تیار کیا۔

ولیمہ کا حکم

جمہور علماء کے نزدیک یہ سنتِ مؤکدہ ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے (حکماً) کہا تھا: ((أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) "یعنی ولیمہ کرو چاہے بکری کے ساتھ۔"[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی شادی کے موقع پر جو ولیمہ کا اہتمام وتکلف کیا وہ دیگر ازواج مطہرات سے شادی کے ولیمہ پر نہ کیا تھا کہ اس موقع پر آپ نے بکری کے گوشت کا سالن تیار کرایا۔[2] اسے بخاری و مسلم نے نقل کیا، سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے شادی کا پیغام دیا، تو آپ نے فرمایا: ((إِنَّهُ لَا بُدَّ لِلْعُرْسِ مِنْ وَلِيْمَةٍ))[3] "شادی میں ولیمہ ضروری ہے۔" اسے احمد نے بقول حافظ ٹھیک سند کے ساتھ

---

[1] صحيح البخاري: ٥٠٧٢؛ صحيح مسلم: ١٤٢٧۔

[2] صحيح البخاري: ٥١٧١؛ صحيح مسلم: ١٤٢٨۔ [3] مسند أحمد: ٣٥٩/٥۔

نقل کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے ولیمہ کے موقع پر میں آپ کے حکم پر لوگوں کو جا جا کر لایا اور انہیں گوشت روٹی پیش کی، حتی کہ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا، بخاری نے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ولیمہ میں دو مد جو کی روٹیاں بنوائیں![1] تو اس تفاوت کا تعلق بعض ازواج کا دوسری ازواج پر افضیلت ٹھہرانا نہیں بلکہ تنگی اور وسعت کی حالتوں سے ہے (بہر صورت آپ نے ولیمہ کا اہتمام ضرور کیا، چاہے مالی حالت کے مدنظر قلیل ہو یا کثیر)۔

ولیمہ کا وقت

ولیمہ کے طعام کا وقت عقد کے وقت یا اس کے بعد ہے یا پھر شب زفاف کے وقت یا وہ رات گزار کر! بہرحال اس معاملے میں حسب عرف و رواج وسعت اور گنجائش ہے (گویا بارات یا رخصتی کے وقت کے کھانے کو ہی ولیمہ قرار دیا جا سکتا ہے، اس سے اخراجات کی بھی بچت ممکن ہے) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا ولیمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف منانے کے بعد کیا تھا۔[2]

دعوت قبول کرنا

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے کہ اس میں اس کی خوشی و مسرت کا سامان اور اس میں شرکت ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''جب تم میں سے کسی کو دعوتِ ولیمہ میں بلایا جائے تو ضرور جائے۔''[3] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے دعوت ترک کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''[4] انہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اگر میری (بکری یا گائے کے) کھر کی دعوت

---

[1] صحیح البخاری: ٥١٧٢۔ [2] صحیح البخاری: ٥٤٦٦۔
[3] صحیح البخاری: ٥١٧٣؛ صحیح مسلم: ١٤٢٩۔
[4] صحیح البخاری: ٥١٧٧؛ صحیح مسلم: ١٤٣٢۔

بھی کی جائے تو میں ضرور قبول کروں اور اگر دستی (یعنی تھوڑی مقدار) بھی ہدیۃً دی جائے تو قبول کروں۔''[1] اگر دعوتِ عام ہے کسی معین شخص یا جماعت کے نام نہیں تب (سب کا) جانا واجب نہیں اور ایسا کرنا (سبھی پہنچ جائیں) پسندیدہ بھی نہیں کہ مثلاً کوئی اعلان کرے: اے لوگو! میری دعوت ولیمہ قبول کرو (تو اس کی حیثیت فرضِ کفایہ کی سی ہوگی) یا کسی کو یہ کہہ کر بھیجے جو تمہیں ملے اسے دعوت دو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا تھا، (تو سب کا آنا واجب نہ ہوگا) سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک شادی کے موقع پر میری والدہ ام سلیم نے کھجور اور پنیر کا حلوہ تیار کیا اور میرے ہاتھ اسے رسول کریم ﷺ کی طرف بھیج دیا، آپ نے فرمایا: ''یہاں رکھ دو'' پھر فرمایا: ''فلاں فلاں کو بلاؤ اور ہر اسے جو تمہیں (راستہ میں) ملے۔''[2] اسے مسلم نے نقل کیا، بعض کا قول ہے کہ دعوت قبول کرنا فرض کفایہ ہے، بعض نے مستحب قرار دیا، اول اظہر ہے کیونکہ عصیان کا اطلاق واجب کے ترک پر ہی ہوتا ہے (کہ واجب ہے) یہ شادی کے ولیمہ کی نسبت (عربی میں ہر دعوت ولیمہ کہلاتی ہے) جہاں تک دیگر ولائم (یعنی دعوتیں) تو جمہور علماء کے نزدیک ان کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، بعض شوافع مطلقاً وجوب کے قائل ہیں ابن حزم رحمہ اللہ کا دعویٰ ہے کہ یہ جمہور صحابہ اور تابعین کا قول ہے، کیونکہ روایات سے ہر دعوت قبول کرنے کا اِشعار ہے، شادی کی ہو یا دیگر۔

دعوت قبول کرنے کے وجوب کی شروط

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس ضمن میں درج ذیل شروط ذکر کی ہیں:

① کہ داعی مکلف (عاقل وبالغ) آزاد، اور سمجھ دار ہو۔
② کہ یہ کسی خاص شخص سے تعلقات بنانے کی غرض سے یا اس سے بوجہِ خوف کے نہ ہو۔
③ صرف اغنیاء کے ساتھ خاص نہ ہو کہ فقراء کو بلایا نہ گیا ہو۔

---

[1] صحیح البخاري: ٥٦٨۔

[2] صحیح مسلم: ١٤٢٨؛ سنن نسائي: ٧/ ١٣٦۔

④ اصح قول کے مطابق داعی مسلمان ہو۔
⑤ مشہور قول کے مطابق وجوب پہلے روز کے ساتھ مختص ہے (یعنی اگر ولیمہ کا کئی ایام تک اہتمام کیا گیا ہے تو اول روز کی دعوت قبول کرنا واجب اور باقی کی مستحب ہے)
⑥ پہلے سے وہ اسی وقت کہیں اور مدعو نہ ہو، تب اول داعی کا حق فائق ہے۔
⑦ دعوت کی محفل میں کوئی خلافِ شرع کام نہ ہو جبکہ وہ اپنی دینی شخصیت ہونے کے اعتبار سے اسے برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔
⑧ اسے کوئی عذر نہ ہو، بقول بغوی جسے کوئی عذر ہے یا راستہ دور کا ہے اور اس کے لیے جانا باعثِ مشقت ہے تب نہ جانے میں حرج نہیں۔

فقراء کو چھوڑ کر صرف اغنیاء کو دعوت دینا

یہ مکروہ ہے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بدترین طعامِ دعوت وہ ہے، جس سے عام آنے والوں (یعنی فقراء) کو منع کیا جائے اور جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔“[1] اسے مسلم نے نقل کیا، بخاری سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ بدترین دعوتِ طعام وہ ہے، جس میں فقراء کو نہ بلایا جائے اور صرف اغنیاء کو بلایا جائے۔“[2]

غیر مسلموں کی شادیاں

ان کی شادیوں کی بابت عمومی قاعدہ وضابطہ یہ ہے: (إقرارُ مَا يُوَافِقُ الشَّرْعَ مِنْهَا إِذَا أَسْلَمُوْا) ”یعنی ان کے اسلام لے آنے کی صورت میں شرع کے جو مطابق ہوا تھا اسے برقرار رکھا جائے گا۔“ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کی حالت میں منعقد ہوئے نکاحوں سے تعرض نہیں فرمایا کہ آیا یہ کیسے ہوئے؟ کیا اسلام میں ملحوظ رکھی جانے والی شروط کے مطابق تھے یا نہیں؟ کہ جو مطابق تھے انہیں آپ نے صحیح اور دیگر کو فسخ کر دیا ہو تو اسلام

---

① صحیح مسلم: ١٤٣٢۔ ② صحیح البخاری: ٥١٧٧۔

قبول کرتے وقت کی حالت کو ملحوظ کیا کہ اگر دونوں میاں بیوی اسلام قبول کر رہے ہیں، توان کا عقد برقرار رکھا (اور اگر ایک نے اسلام قبول کیا ہے، تو نکاح فسخ قرار دیا) یا کوئی ایسا نکاح کہ اسلام میں یہ حرام ہے، مثلاً کسی نے اپنی کسی محرم کے ساتھ شادی کر رکھی تھی یا دو بہنوں سے بیک وقت تو آپ نے ایسے نکاح فسخ کرا دیے، باقی کسی معاملے سے تعرض نہیں کیا، تو یہ اصل ضابطہ ہے، جسے سنتِ نبوی نے قائم کیا، اس کے سوا کوئی چیز قابلِ التفات نہیں، ضحاک بن فیروز (دیلمی) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے عقد میں دو بہنیں تھیں، تو نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دوں۔[1] اسے احمد، اصحابِ سنن، شافعی، دارقطنی اور بیہقی نے تخریج کیا، ترمذی نے حسن اور ابن حبان نے حسن قرار دیا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ غیلان ثقفی نے جب اسلام قبول کیا، تو ان کے عقد میں دس بیویاں تھیں، جو سب بھی اسلام لے آئیں، نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ''چار رکھ کر باقی سب کو طلاق دے دو۔''[2] اسے احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور شافعی نے نقل کیا اور ابن حبان اور حاکم نے صحت کا حکم لگایا۔

اگر میاں بیوی میں سے ایک اسلام لے آئے؟

اگر عقدِ نکاح قبل از اسلام ہوا، پھر بعد ازاں ایک نے اسلام قبول کر لیا، تو بالفرض بیوی اسلام لے آئی، تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوئی، اگر وہ ابھی عدت میں ہے کہ شوہر بھی اسلام لے آیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہوگا، کیونکہ روایت میں ثابت ہے کہ عاتکہ بنت ولید بن مغیرہ نے اپنے شوہر صفوان بن امیہ سے ایک ماہ قبل اسلام قبول کر لیا، پھر وہ بھی مسلمان ہو گئے، تو نبی کریم ﷺ نے ان کے نکاح کو برقرار رکھا۔[3] بقول زہری رحمہ اللہ ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ ہر ایسے واقعہ میں کہ عورت مسلمان ہو کر مدینہ ہجرت کر آئی اور اس کا شوہر حالتِ شرک میں مکہ میں مقیم ہے، تو دونوں کے مابین

---

[1] حسن، سنن أبي داود: ٢٢٤٣؛ سنن ترمذي: ١١٢٩؛ صحيح ان حبان: ٤١٥٥۔
[2] صحيح، سنن ترمذي: ١١٢٨؛ سنن ابن ماجه: ١٩٥٣۔
[3] ضعيف، المؤطا امام مالك: ٢/ ٥٤٣، ٥٤٤۔

علیحدگی قرار پائی، اِلّا یہ کہ وہ اس کی عدت پوری ہونے سے قبل ہی مسلمان ہوکر مدینہ آ گیا ہو اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں کہ عدت کے دوران اس کا (سابقہ) شوہر مسلمان ہوکر آیا ہو اور نبی کریم ﷺ نے پھر بھی علیحدگی کرائی ہو، اسی طرح اگر شوہر نے عدت پوری ہو جانے کے بعد اسلام قبول کیا، تو چاہے کتنی ہی طویل مدت گزری ہو عورت نے اگر ابھی نئی شادی نہ کی ہو، تو دونوں اپنے پہلے نکاح پر رہوں گے، اگر دونوں ایسا کرنا پسند کریں! نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے (سابقہ) شوہر سیدنا ابو عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے پہلے نکاح کے ساتھ ہی لوٹا دیا تھا، جو ان کے دو برس بعد مسلمان ہو کر مدینہ آئے تھے اور نیا نکاح منعقد نہ کیا تھا۔ [1] اسے احمد، ابو داود اور ترمذی نے نقل کیا، بقول ترمذی اس کی سند ٹھیک ہے، حاکم نے صحیح قرار دیا، یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ میاں بیوی میں سے ایک کے مسلمان ہوجانے کی صورت میں جبکہ دوسرا ابھی اسلام نہیں لایا، مگر نئی شادی بھی نہیں کی تھی، تو جب دوسرا اسلام لے آتا تو انہیں اسی نکاح میں لوٹا دیتے تھے، یہی آپ کی سنتِ معلومہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ مرالظہران کے مقام پر جو خزاعہ کی وادی ہے اور خزاعہ قبیلہ میں فتحِ مکہ سے قبل بھی مسلمان موجود تھے، اسلام لے آئے اور پھر مکہ واپس ہوئے جہاں ان کی بیوی ہند بنت عتبہ ابھی حالتِ کفر میں مقیم تھیں، بلکہ اس نے ان کی ڈاڑھی پکڑ لی اور صدا لگائی کہ اس گمراہ بوڑھے کو قتل کر ڈالو، پھر اس کے کئی ایام بعد ہند بھی مسلمان ہوگئیں اور دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہے، یہی معاملہ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا ہوا، سیدنا صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور سیدنا عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے بھی مکہ میں (شوہروں سے قبل) اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ فتح کے بعد دارالاسلام قرار پایا، سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ یمن بھاگ گئے، جو اس وقت دارالحرب تھا صفوان بھی وہاں جانے کا ارادہ رکھتے تھے، پھر راستہ سے واپس آ گئے اور حنین میں شریک ہوئے، مگر ابھی کافر تھے پھر اسلام لے آئے، تو دونوں کی بیویاں انہی کے پاس برقرار

[1] صحیح، سنن أبی داود: ۲۲۴۰؛ سنن ترمذی: ۱۱۴۳؛ سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۹۔

رہیں، کیونکہ دونوں کی عدت ابھی پوری نہ ہوئی تھی، اہلِ سیر نے نقل کیا ہے کہ انصار کی ایک خاتون کی شادی مکہ میں ہوئی تھی اور وہ مسلمان ہوگئی اور ہجرت کر کے مدینہ آگئی، ابھی عدت میں تھی کہ اس کا شوہر بھی مسلمان ہو کر آ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح قائم رکھا۔

مؤلف الروضہ الندیہ (نواب صدیق حسن رحمہ اللہ) اس کلام کو نقل کر کے لکھتے ہیں:
میں کہتا ہوں عورت کا اسلام لے آنا جب کہ شوہر ابھی حالتِ کفر میں ہو، طلاق کے بمنزلہ نہیں تھا کہ اگر ایسا ہوتا تو عدت گزرنے کے بعد اس کی رضا سے تجدیدِ عقد کے ساتھ ہی واپسی ممکن ہوتی، تو حاصل یہ ہوا کہ عورت کو اگر اسلام لانے کے بعد ایک حیض آجائے پھر جب طہر ہو تو اسے حق ہے کہ نئی شادی کر لے اور اگر ایسا کر لیا، تب سابقہ شوہر کا اس پر کوئی حق نہ ہوگا، اگر وہ مسلمان ہو جائے، لیکن اگر اس نے ابھی شادی نہ کی تھی تو ان کا وہ پہلا نکاح برقرار اور قائم رہے گا اور یہ تجدیدِ عقد یا باہمی رضا مندی معتبر نہ ہوگی، یہ ہے جس کی ادلہ مقتضی ہیں اگرچہ لوگ اس بارے کچھ بھی کہتے رہیں، یہی معاملہ ہوگا، اگر میاں بیوی میں سے ایک مرتد ہو جائے تو اگر مرتد پھر اسلام کی طرف واپس ہو، تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہوگا (یعنی اگر اس کی بیوی نے بعد از عدت ابھی نیا نکاح نہیں کیا تھا تو اسی کے نکاح میں برقرار سمجھی جائے گی)۔

www.KitaboSunnat.com

طلاق کے احکام و مسائل

طلاق کی تعریف

یہ اِطلاق سے ماخوذ ہے، جو اِرسال (چھوڑنا) اور ترک ہے، تو کہو گے: (أطلقت الأسیر) جب قیدی کو چھوڑ دو، شرع میں اس سے مراد شادی کی بندش کھول دینا اور ازواجی تعلق کے خاتمہ کا اعلان کر دینا۔

طلاق کی کراہت

ازواجی تعلق اور زندگی کا برقرار رہنا ایسی غایت ہے، جس کا اسلام حریص ہے، عقدِ نکاح کا انعقاد اسی غرض سے ہوتا ہے کہ یہ تعلق جو اس کے نتیجہ میں قائم ہوا دائمی اور ابدی رہے جب تک حیات باقی ہے، تاکہ دونوں مل کر ایک گھرانہ تشکیل دیں، جس میں سکون اور باہمی احترام کی حکمرانی ہو، جہاں دونوں اپنی اولاد کی نیک تربیت کر سکیں، اسی وجہ سے ازواجی تعلق مقدس اور مضبوط ترین تعلقات میں شمار ہوتا ہے، اس کے تقدس پر اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عقد و عہد کو آیت: ﴿وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ (النساء: ۲۱) میں (مِیْثَاقًا غَلِیْظًا) قرار دیا، تو اس صفت کے حامل تعلق کا اِخلال اور اس کی قدر و منزلت کی توہین مناسب نہیں، تو ہر معاملہ جو اس تعلق کو خراب اور کمزور کرنے یا بالآخر ختم کرنے کا باعث بنے، وہ اسلام کی نظر میں مبغوض ہے، کیونکہ اس سے مطلوب نیک وارفع مقاصد کا ضیاع اور مصالح کی تلفی ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کو سب سے بڑھ کر مبغوض حلال چیز

طلاق ہے۔"[1] اسلام کی نظر میں جو کوئی میاں بیوی کے مابین علیحدگی کی کوشش کرتا ہے، وہ خارج از ملت ہے، اسے مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا)) [2] "وہ ہم میں سے نہیں، جو کسی کی بیوی کو اس سے دل برداشتہ کرتا اور ناچاقی پیدا کرتا ہے۔" ان عورتوں کو سختی سے منع کیا جو کسی کو طلاق دلوا کر خود اس کی جگہ لینا چاہیں، فرمایا: "کوئی عورت کسی کی طلاق کا مطالبہ یا شرط نہ رکھے، تاکہ پھر وہ اس کے عقد میں آ جائے۔" [3] جو عورت بغیر کسی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، چنانچہ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس عورت نے بغیر کسی وجہ کے طلاق مانگی، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔" [4]

طلاق کا حکم

فقہاء کے ہاں طلاق کے حکم کے بارے میں اختلافِ اقوال ہے، اصح ان حضرات کا قول ہے جو اس کی کراہت کے قائل ہیں، اِلّا کہ کوئی مجبوری یا ضرورت ہو، یہ احناف اور حنابلہ کا موقف ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا: ((لَعَنَ اللّٰهُ كُلَّ ذَوَّاقٍ مِطْلَاقٍ)) [5] "اللہ طلاق دینے/لینے کے شوقین اور گھاٹ گھاٹ کا ذائقہ چکھنے والوں پر لعنت کرے۔" طلاق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کفران ہے، کیونکہ شادی ہونا اس کی ایک بڑی نعمت ہے اور کفرانِ نعمت حرام ہے، لہٰذا یہ بامرِ مجبوری ہی حلال ہے، یہ مجبوری اس طرح کی ہو سکتی ہے کہ شوہر کے دل میں بیوی کے سلوک و کردار کے بارے شک گھر کر لے یا اس کی طرف اس کی رغبت و اشتہاء کلی طور سے معدوم ہو جائے! خلاصہ

---

[1] ضعيف، سنن أبي داود: ٢١٧٨؛ سنن ابن ماجه: ٢٠١٨۔

[2] صحيح، سنن أبي داود: ٢١٧٥؛ صحيح ابن حبان: ٥٥٦٠۔

[3] صحيح البخاري: ٦٦٠١؛ سنن أبي داود: ٢١٧٦۔

[4] صحيح، سنن أبي داود: ٢٢٢٦؛ سنن ترمذي: ١١٨٧؛ سنن ابن ماجه: ٢٠٥٥۔

[5] ضعيف، الجامع الصغير: ٢٤٣٠؛ مفهومًا۔

یہ کہ طلاق ایسا امر ہے، جو مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، حنابلہ کے ہاں اس ضمن میں عمدہ تفصیل ہے، جس کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

ان کے نزدیک طلاق دینا کبھی واجب، کبھی حرام، کبھی مندوب اور کبھی مباح ہوگا، واجب تب جب نااتفاقی اتنی بڑھے کہ (قرآنی حکم کے بموجب) دوثالث بھی یہی فیصلہ دیں کہ اب نباہ ناممکن ہے اور اسی ذریعے سے ان کی ایک دوسرے سے جان چھوٹ سکتی ہے (وگرنہ دونوں کو اور دونوں کے خاندانوں کو ضرر لاحق ہوگا) اسی طرح اس شخص پر طلاق دینا واجب ہوا، جس نے ایلاء کیا ہوا ہے (قسم کھائی تھی کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے گا) اور اس پر چار ماہ گزر گئے (اب اس سے کہا جائے گا بس بہت ہوگیا، اب یا تو بسا لو یا پھر چھوڑ دو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾[1]

"جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیں، ان کو چار مہینے انتظار کرنا چاہیے، اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیں تو بھی اللہ سنتا جانتا ہے۔"

حرام طلاق جو بغیر کسی وجہ اور عذر کے دی جائے، کیونکہ یہ دونوں کے لیے ضرر کا باعث ہے اور ان کی مصلحت کا نقدان ہے! بغیر کسی مجبوری کے تو یہ حرام ہے، جیسے مال کی تلفی حرام ہے اور کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))[2] "نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ اٹھاؤ۔" ان سے ایک قول یہ منقول ہے کہ طلاق کی یہ نوع مکروہ ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: ((أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) "حلال اشیاء میں اللہ کو سب سے مبغوض چیز طلاق ہے۔" ایک روایت کے الفاظ ہیں: ((مَا أَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئاً أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ))[3] ابوداود نے اسے ذکر کیا، مبغوض اسی وجہ سے ہوئی کہ

[1] البقرة: ٢٢٦، ٢٢٧۔ [2] سنن ابن ماجه: ٢٣٤٠؛ مسند أحمد: ١/ ٣١٣۔
[3] ضعيف، سنن أبی داود: ٢١٧٧۔

بغیر ضرورت کے ہے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ اسے حلال فرما رہے ہیں اور اس لیے کہ یہ نکاح کو زائل کر دینے والی ہے، جو مرغوب مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا یہ مکروہ ہے۔

جہاں تک مباح طلاق تو یہ وہ جو بامرِ مجبوری اور ضرورت کے تحت ہو، مثلاً بیوی کا اخلاق برا ہے یا سوئے سلوک سے متصف ہے اور گھر کی فضا اس وجہ سے مکدر رہتی ہے اور مطلوب کا حصول نہیں ہو رہا، جہاں تک مندوب طلاق تو یہ جو بیوی کے اللہ کے واجب حقوق نماز اور روزہ وغیرہ میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے دی جائے اور سختی کرنے سے بھی وہ راہِ راست پر نہیں آتی یا بدکردار ہو، امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایسی عورت کا بسائے رکھنا مناسب نہیں کہ اس میں نقصِ دین اور نسل خراب ہونے کا خدشہ ہے، اس صورتحال میں (طلاق کی بجائے) اسے تنگیِ حال میں ڈالنا بھی حکمت ہوگا (تاکہ وہ خود جان چھڑائے اور عوض میں حقِ مہر وغیرہ واپس کر دے) جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء:۱۹)

”اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ لے لو، انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں۔“

بقول امام ابن قدامہ رحمہ اللہ محتمل ہے کہ ان دونوں مواضع میں طلاق دینا واجب ہو، کہتے ہیں مستحب میں سے وہ طلاق بھی جو حالتِ شقاق (ناچاقی اور کشیدہ تعلقات) میں ہو اور اس حالت میں کہ بیوی اس سے خلاصی کے لیے خلع کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو تاکہ اس سے ضرر دور ہو۔

طلاق کی حکمت

ابن سینا رحمہ اللہ کتاب الشفاء میں لکھتے ہیں: مناسب ہے کہ میاں بیوی کی

علیحدگی کا کوئی راستہ ہو، ہر راستہ مسدود ہونا حکمت کے خلاف ہے، کیونکہ اس سے کئی طرح کا ضرر ہے (جیسے کئی ادیان میں طلاق کا وجود نہیں، تو اس وجہ سے کئی اضرار و نقصانات ہیں) کئی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جو باہم متوافق و متحد نہیں ہو پاتیں، تو انہیں زبردستی باہم جوڑے رکھنا، دونوں کے لیے باعثِ ضرر ہوگا اور یہ طبی لحاظ سے بھی غیر مفید ہے، پھر گھر کی فضا مکدر رہے گی اور دونوں یا دونوں میں سے ایک بدکرداری کی طرف مائل ہوسکتا ہے، کیونکہ شہوت ایک فطرتی تقاضا ہے اور بیوی سے اسے بے رغبتی ہے یا بیوی کو اس سے ہے تو حرام کا در کھل سکتا ہے، کئی دفعہ میاں بیوی نسل کی افزائش میں باہم متعاون نہیں، تو اگر حلال ذریعے سے جوڑے بدل دیے جائیں تو دونوں کا بھلا ہوسکتا ہے، لہٰذا علیحدگی اور فرقت کا ایک راستہ ہونا ضروری امر ہے، لیکن واجب ہے کہ یہ اتنا سہل و عام نہ ہونے پائے۔

یہودیوں کے ہاں طلاق کا تصور

یہودیوں کی شریعت میں مدون اور جس پر عمل جاری ہے، یہ ہے کہ بغیر عذر کے (بھی) طلاق دینا مباح ہے، مثلاً آدمی کو کسی اور سے رغبت ہوگئی، البتہ اسے ان کے ہاں اچھا نہیں سمجھا جاتا، عذر ان کے ہاں دو قسم کا ہے:

① جسمانی عیب ہونا، مثلاً آنکھوں کا چندھا ہونا، بھینگا پن، حد سے زیادہ بیوقوف ہونا، چلنے پھرنے سے معذور ہونا اور اولاد پیدا نہ ہونا۔

② اسی طرح کسی طرح کے اخلاقی عیوب ہوں! بدکرداری ان کے نزدیک قوی ترین عذر ہے، اس ضمن میں بدنام ہونا ہی کافی ہے، اگرچہ ثابت نہ ہو سکے، البتہ مسیح علیہ السلام نے ان میں سے سوائے علتِ زنا کے کسی کی تثبیت نہیں کی، ان کے نزدیک بیوی طلاق کا مطالبہ نہیں کرسکتی، چاہے اس کے شوہر میں سو طرح کے عیوب ہوں اور اگرچہ زناکاری بھی اس پر ثابت ہوجائے۔

مسیحی مذاہب میں طلاق

اقوامِ مغرب درجِ ذیل تین مسیحی مذاہب کی پیروکار ہیں:
① کیتھولک ② آرتھوڈکس ③ پروٹسٹنٹ

اول مذہب تو قطعی طور پر طلاق دینا حرام قرار دیتا ہے، ان کے ہاں کسی بھی سبب شادی کا بندھن ختم کرنا مباح نہیں، چاہے جو بھی معاملہ ہو حتی کہ بیوی کا بدکردار ہونا بھی ان کی نظر میں طلاق کے لیے مبرر نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ میاں بیوی عملاً علیحدہ ہوجائیں، لیکن ان کی شریعت کی رو سے ان کے درمیان زوجیت برقرار اور قائم سمجھی جائے گی، تو اس عملی فرقت کے دوران میں دونوں کے لیے روا نہیں کہ نیا عقد کرلیں، کیونکہ مسیحی مذہب تعددِ ازواج کی کسی صورت اجازت نہیں دیتا، کیتھولک مسیحیوں کا اس بابت ماخذ جو انجیل مرقص میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر وارد ہوا کہ شادی کے بعد وہ اب دو جسم نہیں بلکہ جسدِ واحد ہیں، تو جسے اللہ نے ایک کردیا، انسان کو حق نہیں کہ علیحدہ کردے، دیگر دونوں مسیحی مذاہب بعض مخصوص حالات میں طلاق کو مباح کرتے ہیں، سب سے اہم کہ اگر بیوی بدکرداری کا مظاہرہ کرے، لیکن دونوں مذاہب میں (طلاق کے باوجود) دونوں نئی شادی کرنے کا حق نہیں رکھتے، ان کا اس ضمن میں استناد اس پر ہے جو متی کی انجیل میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے وارد ہوا، جب کہا: جس نے اپنی بیوی کو ماسوائے علتِ زنا کسی بھی سبب طلاق دی، وہ اسے زنا پر لگا دے گا، اسی طرح طلاق یافتہ جوڑے کے لیے نئی شادی کرنے کی حرمت میں ان کا ماخذ جو انجیل مرقص میں وارد ہوا کہ جس نے طلاق دی اور نئی عورت کے ساتھ شادی کرلی، گویا وہ زنا کار ہوا اور اگر بیوی نے شوہر کو طلاق دی اور نئی شادی کی تو گویا اس نے بھی زنا کیا۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں طلاق کا تصور

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق

دیتا پھر رجوع کر لیتا، چاہے وہ عدت میں ہی ہو اور کوئی قدغن نہ تھی، سو یا اس سے بھی زائد مرتبہ طلاق دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے تھے، حتی کہ ایک شوہر نے بیوی سے کہا: اللہ کی قسم! نہ میں تمہیں چھوڑوں گا اور نہ بساؤں گا، وہ بولی یہ کیسے؟ تو کہا میں تمہیں طلاق دوں گا اور جب عدت پوری ہونے لگے گی تو رجوع کرلوں گا، وہ عورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور یہ مسئلہ گوش گزار کیا، وہ خاموش رہیں، حتی کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، تو آپ کو اس کی خبر دی، آپ بھی خاموش رہے، حتی کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾

”طلاق دو بار ہے (جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو شائستہ طریق سے (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔“ (البقرۃ:۲۲۹)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس سے لوگوں کو طلاق کے معاملے میں ایک ضابطہ عطا ہوا۔[1] اسے ترمذی نے تخریج کیا۔

طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے

اسلام نے یہ حق اس لیے صرف شوہر کو دیا ہے کہ مرد عموماً زیادہ تحمل اور صبر والے ہوتے ہیں اور ان میں بقائے زوجیت کی حرص زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ اس کے لیے ان کا بھاری مال خرچ ہوا ہوتا ہے، جو نئی شادی کرنے کی صورت میں پھر خرچ کرنا پڑے گا، پھر اگر مہر معجل نہیں دیا تو طلاق دیتے وقت وہ بھی لازماً دینا پڑے گا، اسی طرح متعہِ طلاق (یعنی گھر جانے کا خرچ وغیرہ) بھی اور عدت کے دوران کا نان ونفقہ بھی برداشت کرنا ہوگا، پھر مرد کی طبیعت میں ٹھہراؤ نسبۃً زیادہ ہے، وہ ہر غصے کی حالت کو طلاق تک نہیں لے جاتا، جبکہ عورت کی جبلت میں سرعتِ غضب اور اس میں عواقب ونتائج کے بارے میں زیادہ غور کرنے کا مادہ نہیں، پھر اسے طلاق کی صورت میں کچھ بھی اخراجات

[1] ضعیف، سنن ترمذی: ۱۱۹۲۔

برداشت کرنا نہیں ہوتے، تو اگر اسے بھی حقِ طلاق ہوتا تو ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں طلاق کا وقوع ہو جاتا، اس تعلیل کی صحت کی دلیل یہ امر ہے کہ انگریزوں نے جب شوہر اور بیوی دونوں کو طلاق دینے کا حق دیا، تو ان کے ہاں طلاق کی شرح بہت زیادہ ہوگئی، اہلِ اسلام کے ہاں امرِ واقع سے کئی گنا زائد۔

طلاق دینے کی اہلیت

علماء کا اتفاق ہے کہ عاقل و بالغ اور خود مختار شوہر کی دی ہوئی طلاق ہی واقع ہوگی، اگر وہ مجنون، نابالغ یا جبر کا شکار ہے، تو اس کی دی گئی طلاق لغو اور کالعدم متصور ہوگی، کیونکہ طلاق دینا تصرفات میں سے ایک تصرف ہے، جس کے ازدواجی زندگی میں کئی اثرات اور عواقب ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ طلاق دینے والا کامل اہلیت کا حامل ہو، تاکہ اس کے تصرفات صحیح قرار پائیں اور اہلیت تبھی کامل ہوگی، جب وہ عاقل، بالغ اور صاحبِ اختیار ہو، اس کے بارے اصحابِ سنن نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین افراد مرفوع القلم ہیں (وہ غیر مکلف ہیں، ان کے افعال واقوال شرعاً قابلِ مؤاخذہ نہیں): سویا ہوا حتی کہ بیدار ہو، نابالغ حتی کہ بلوغت کو پہنچے اور مجنون حتی کہ اس کی یہ علت ختم ہو۔ [1] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر طلاق جائز (یعنی لاگو) ہے، مگر مغلوب العقل (یعنی جسے کچھ پتہ نہیں کیا کہہ رہا ہے اور کہاں کھڑا ہے یعنی جو اپنے ہوش و حواس میں نہیں) کی دی ہوئی طلاق۔'' [2] اسے ترمذی نے نقل کیا، بخاری نے بھی موقوفاً نقل کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص کی بابت جس سے بالجبر طلاق دلوائی جائے، کہا: اس کی طلاق شمار نہ ہوگی۔ [3]

---

[1] صحیح، سنن أبی داود: ٤٤٠٣؛ سنن ترمذی: ١٤٢٣۔

[2] ضعیف جداً، والصحیح الموقوف، سنن ترمذی: ١١٩١؛ صحیح البخاری: تعلیقا: ٢٨٨/٩۔ (بقول ترمذی اس حدیث کو سیدنا عطاء بن عجلان ہی نے مرفوعاً نقل کیا اور وہ ضعیف ہیں)۔ [3] صحیح البخاری تعلیقا: ٣١١/١٢۔

اسے بخاری نے نقل کیا، علماء کے ہاں درجِ ذیل مسائل میں تعدُدِ آراء ہے، جس کا ہم اجمالاً ذکر کریں گے:

① بالجبر طلاق دلوانا ② نشے کی حالت میں طلاق دینا ③ مغلوب الغضب کی طلاق
④ ہنسی مذاق کے بطور پر یا غلطی سے منہ سے طلاق کا لفظ نکل جانا
⑤ حالتِ غفلت وسہو میں دی گئی طلاق ⑥ مدہوش کی طلاق

① بالجبر طلاق دلوانا

اس میں اس کا اپنا ارادہ اوراختیار نہیں، جبکہ ارادہ واختیار ہی مکلف ہونے کی اساس ہیں، جب یہ نہ ہوں تو وہ مکلف نہیں، مجبور کیا گیا شخص اپنے تصرفات کا ذمہ دار اور مسئول نہیں، کیونکہ وہ مسلوب الارادہ شخص ہے، وہ فی الواقع مجبور کرنے والے کے ارادے کا نفاذ کر رہا ہے جو کوئی کلمہِ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا، تو وہ اس وجہ سے کافر نہ ہوگا، جیسا کہ قرآن نے کہا: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النحل:١٠٦) ''جسے مجبور کیا گیا، مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے۔'' اسی طرح جو اسلام لانے پر (اپنی مرضی کے علی الرغم) مجبور کیا گیا، وہ مسلمان متصور نہ ہوگا، بعینہٖ اسی طرح جو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا، اس کی طلاق واقع نہ ہوگی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ))[1] ''میری امت سے غلطی سے الٹا سیدھا منہ سے نکل جانا (سبقتِ لسانی) یا کچھ کر لینا اور بھولے سے اور حالتِ جبر میں کیا گیا، سب معاف ہے، اس کا کوئی اثر نہیں۔'' اسے ابن ماجہ، ابن حبان، دارقطنی، طبرانی اور حاکم نے نقل کیا، بقول نووی حسن ہے، یہی فقہائے امصار میں سے مالک، شافعی، احمد اور داود رحمہم اللہ کی رائے ہے اور یہی سیدنا عمر، ان کے بیٹے عبداللہ، علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں: مجبور کیے گئے کی طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن ان کی اس رائے کی کوئی حجت نہیں پھر یہ فضلائے صحابہ کے قول کے بھی مخالف ہے۔

---

[1] صحیح، سنن ابن ماجہ: ٢٠٤٥؛ صحیح ابن حبان: ١٤٣۔

② نشے کی حالت میں طلاق دینا

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ واقع ہوجائے گی، کیونکہ جس وجہ سے اس کی عقل اور ہوش وحواس معطل ہوئے ہیں، وہ اس کے اپنے ارادے سے ہے، بعض نے کہا: یہ واقع نہ ہوگی اور یہ لغو ہے، کسی شمار میں نہیں، کیونکہ وہ اور مجنون ایک برابر ہیں کہ دونوں کی عقل اپنے ٹھکانے پہ نہیں اور عقل وشعور ہی مکلف ہونے کی بنیاد ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کہتا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ (النساء: ٤٣) ''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اگر تم نشے میں ہو، حتی کہ منہ سے نکلے کلمات سمجھنے لگو۔'' تو یوں اللہ تعالیٰ نے نشے میں دھت کا قول (قراءت اور تسبیحات) کو بے فائدہ قرار دیا، کیونکہ وہ جو کہہ رہا ہے، اس کا شعور نہیں رکھتا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نشے میں دھت کی دی گئی طلاق لاگو نہ سمجھتے تھے۔[1] بعض اہلِ علم کا دعوی ہے کہ صحابہ میں اس رائے کا کوئی مخالف نہ تھا اور یہی یحییٰ بن سعید انصاری، حمید بن عبد الرحمن، ربیعہ، لیث بن سعد، عبد اللہ بن حسین، اسحاق بن راہویہ، اور ابو ثور رحمہم اللہ کا مذہب تھا، امام شافعی رحمہ اللہ کے دو میں سے ایک قول بھی یہی ہے اور یہی شوافع کے مزنی رحمہ اللہ نے اختیار کیا، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے اور یہی ان کے مذہب کا فتوی ہوا، اہلِ ظاہر کا بھی یہی مؤقف ہے! حنفیہ میں سے ابو جعفر طحاوی اور ابو الحسن کرخی رحمہما اللہ نے بھی یہی قرار دیا، شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جس نشے میں دھت کو کوئی عقل وہوش نہیں، اس کی طلاق نافذ نہیں، کیونکہ وہ مناط موجود نہیں، جس پر احکام کا صدور ہے اور شارع نے اس کی عقوبت معین کر رکھی ہے، لہٰذا ہمیں کوئی حق نہیں کہ اپنی رائے کے ساتھ اس سے متجاوز ہوں اور اس کی دی گئی طلاق کو شمار کریں اور سمجھیں کہ یہ اس کے لیے بطورِ عقوبت ہے (کیونکہ عقوبت تو شرع نے مقرر کر رکھی ہے) بقول مؤلف (مصری) عدالتوں میں آخر کار اسی پر عمل ہوا ہے، اور اسے عائلی قوانین کا حصہ بنایا گیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، قبل الرقم: ٥٢٦٩۔

③ مغلوب الغضب کی طلاق

وہ شخص جو اپنے منہ سے نکالی بات کا تصور نہیں کر پا رہا اور اسے کچھ سمجھ نہیں کہ کیا منہ سے نکال رہا ہے (یعنی کیا اول فول بک رہا ہے، ایسی حالت تب ہوتی ہے، جب غصہ سے کوئی پاگل ہو جائے) تو اس عالم میں دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ وہ مسلوب الارادہ ہے، احمد، ابو داود، ابن نے جبکہ حاکم نے صحیح قرار دیتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا طَلَاقَ وَلَا عَتَاقَ فِيْ إِغْلَاقٍ))[1] ''حالتِ اغلاق میں دی طلاق اور آزادی شمار نہ ہوگی۔'' اوراغلاق کو طیش، غضب، جبر اور جنون کے ساتھ مفسر کیا گیا ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، جیسا کہ مؤلف زاد المعاد (ابن القیم رحمہ اللہ) نے نقل کیا: حقیقتِ اغلاق یہ ہے کہ آدمی کی ہوش، دماغ اور دل پر ایسی بندش ہو جائے (ایسا پارہ چڑھے) کہ اس کے منہ سے اس کے قصد کے مطابق کلام صادر نہ ہو یا اسے اس کلام کا کچھ شعور نہ ہو! گویا اس کا ارادہ وقصد بندش کا شکار ہوا، کہتے ہیں اس میں مجبور کیا گیا، مجنون اور جس کی بوجہ نشہ یا غضب عقل زائل ہو، کی طلاق داخل ہے اور ہر اس کی جس کے لیے قصد نہ ہو اور نہ اپنی کہی بات کی معرف ہو، غضب کی تین اقسام ہیں:

① جس سے عقل زائل ہو جائے تو کچھ شعور نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، تو ایسے کی طلاق بالاتفاق واقع نہ ہوگی۔

② غصہ وطیش کا عالم ابتدائی کیفیت میں ہو، اس طرح کہ اپنی بات کو بخوبی سمجھ رہا ہے، تو ایسے کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

③ غصہ مستحکم اور شدید ہے، البتہ کلی طور پر اس کی عقل زائل نہیں ہوئی، لیکن اپنی بات پر مکمل قابو نہیں، حالت یہ ہے کہ اس کیفیت کے زائل ہونے پر نادم ہوگا، تو اس حالت میں طلاق دینا محلِ نظر ہے، اس حالت میں اس کا عدمِ وقوع قرار دینا قوی اور مناسب ہے۔

---

[1] حسن، سنن أبی داود: ٢١٩٣؛ سنن ابن ماجه: ٢٠٤٦؛ المستدرك للحاكم: ٢/ ١٩٨۔

④ ہنسی مذاق کے طور پر یا غلطی سے منہ سے طلاق کا لفظ نکل جانا

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس کا نکاح بھی صحیح ہے، (اسے) احمد، ابو داود، اور ابن ماجہ (روایت کیا) اور، ترمذی حسن جبکہ حاکم نے صحیح قرار دیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا جد (سنجیدگی سے کرنا) امرِ واقع شمار ہوگا اور ان کا ہنسی مذاق میں کرنا بھی امرِ واقع ہوگا، یہ ہیں: نکاح، طلاق اور رجوع۔''[1] اگرچہ اس کی سند میں عبد اللہ بن حبیب ہے جو مختلف فیہ راوی ہے (بعض اسے قوی اور بعض ضعیف گردانتے ہیں) لیکن دیگر احادیث کے ساتھ یہ قوی ہو جاتی ہے، بعض اہلِ علم ہازل کی طلاق کے عدم وقوع کے قائل ہیں، ان میں محمد باقر اور جعفر صادق رحمہم اللہ ہیں اور یہی امام احمد اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کا ایک قول ہے، کیونکہ یہ حضرات وقوعِ طلاق کے لیے اپنی رضامندی سے نطقِ لسانی اور اس کے معنی اور اس کے مقتضا کا علم ہونے کی شرط لگاتے ہیں، جب نیت اور قصد منتفی ہے، تو قسم لغو شمار ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۲۷) اور عزم وہ ہوتا ہے کہ عازم کا کسی فعل پر عزم ہو اور اس کا مقتضا معزوم علیہ کام کرنے پر پختہ ارادہ ہونا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))[2] ''اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے۔'' اور طلاق ایسا عمل ہے، جس میں نیت کا ہونا ضروری ہے، جبکہ ہازل کا نہ عزم ہے اور نہ نیت (لیکن یہ سب باتیں قیاس بمقابلہ نص کے زمرے میں آتی ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور سے فرمایا: ''تین باتیں ایسی ہیں، جو ہنسی مذاق میں بھی واقع ہوں گی۔'' جیسا کہ گزرا تو اس قیاس کی ضرورت نہیں) بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے: (إِنَّمَا الطَّلَاقُ عَنْ وَطَرٍ)[3] بقول امام ابن حجر یعنی بوقتِ

---

① حسن، سنن أبی داود: ۲۱۹٤؛ سنن ترمذی: ۱۱۸٤؛ سنن ابن ماجه: ۲۰۳۹۔

② صحیح البخاری: ۱؛ صحیح مسلم: ۱۹۰۷۔

③ صحیح البخاری قبل الرقم: ۵۲۶۹۔

ضرورت ہی طلاق دینی چاہیے کہ مثلاً بیوی نافرمان ہو، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ معنی کیا: (أَيْ عَنْ غَرَضٍ مِنَ الْمُطَلِّقِ فِيْ وُقُوْعِهٖ) ''طلاق دینے والے کو اس کا واقع ہونا مطلوب ہو۔''

جہاں تک غلطی سے طلاق دے دینا، تو اس سے مراد یہ کہ بات کچھ اور کہنا چاہتا تھا تو سبقتِ لسانی سے طلاق کا لفظ منہ سے نکل گیا، تو اس میں فقہائے احناف کی رائے ہے کہ قضاءً (عدالتی فیصلہ کی رو سے اگر معاملہ عدالت میں لے جایا گیا) یہ واقع باور کی جائے گی، لیکن دیانۃً (عند اللہ اور اگر معاملہ عدالت میں نہ لے جایا گیا) تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔

⑤ حالتِ غفلت وسہو میں دی گئی طلاق

مخطئ (خطا کرنے والا) اور ہازل کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہازل کی طلاق قضاءً بھی واقع ہے اور دیانۃً بھی، ان حضرات کے نزدیک جو اسے واقع سمجھتے ہیں، جبکہ مخطئ کی طلاق صرف قضاءً واقع ہوگی، یہ اس لیے کہ طلاق ہنسی اور مذاق کا محل نہیں (لہٰذا اسے نتیجہ بھگتنا ہوگا)۔

⑥ مدہوش کی طلاق

مدہوش وہ جسے کچھ پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے اور یا کسی صدمے کا نتیجہ ہے، جو اسے پہنچا اور جس سے اس کا شعور زائل ہوا اور اس کے غور کرنے کی صلاحیت وقتی طور پر معطل ہوئی (تو اس حالت میں اگر طلاق کا لفظ منہ سے نکلا) تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، جیسا کہ مجنون، نیند میں اور بے ہوش پڑے شخص کی دی طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس کی جس کی عقل بڑھاپے، بیماری یا مصیبت نے مختل کر دی ہو۔

کس عورت پر طلاق واقع ہوگی؟

طلاق اسی خاتون کے لیے واقع ہوگی، جو اس کے لیے محل ہے اور وہ درجِ ذیل صورتوں میں ہی محل بنے گی:

① جب حقیقۃً اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان رشتۂ زوجیت قائم ہو۔

② جب وہ طلاقِ رجعی کی عدت میں یا طلاقِ بائنہ صغریٰ کی عدت میں ہو، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں زوجیت حکماً قائم سمجھی جاتی ہے، جب تک عدت پورے طور مکمل نہ ہو۔

③ جب عورت اس عدت میں ہو جو اس فرقت کے نتیجہ میں حاصل ہو، جسے طلاق شمار کیا جاتا ہے، مثلاً کہ وہ مسلمان ہوئی جبکہ شوہر نہیں ہوا یا خاوند نے ایلاء کیا ہوا ہے، تو احناف کے نزدیک ان دونوں حالتوں میں فرقت طلاق سمجھی جائے گی (اگرچہ شوہر نے لفظاً طلاق نہیں بھی دی)

④ جب عورت اس فرقت سے عدت گزار رہی ہو، جو فسخِ نکاح سمجھی جاتی ہے (مگر ابھی) عقد اپنی اساس سے ختم نہیں کیا گیا اور نہ حلت کو زائل کیا ہے، مثلاً بیوی کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے جو جدائی ہوئی، اس لیے کہ اس حالت میں (نکاح کا) فسخ کسی عارضی سبب سے ہے جو بقائے عقد کا مانع ہوا، اگرچہ وہ صحیحاً منعقد ہوا تھا۔

کس عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی؟

اوپر ذکر کیا کہ صرف اسی عورت کے لیے طلاق کا وقوع ہوگا جو اس کا محل ہوگی، اگر محل نہیں تب طلاق واقع نہ ہوگی، تو عدم کفویت یا مہر مہرِ مثل سے کم ہونے یا خیارِ بلوغت (نابالغی میں نکاح ہوا تو بالغ ہونے پر اسے شرعاً اختیار ہے کہ اس نکاح کو قائم رکھے یا انکار کر دے) یا نکاح کے صحت کی شروط میں سے کسی شرط کے فقدان کے سبب فسخِ نکاح کے نتیجہ میں عدت میں ہونے والی کے لیے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ ان حالتوں میں نکاح تو اپنی اصل ہی سے ٹوٹ گیا ہے، اب عدتِ ہذا میں اس کا وجود نہیں تو اگر اس حالت میں موجود کسی عورت سے اس کا (سابقہ) شوہر کہہ دے کہ میں نے تمہیں طلاق دی، تو اس کی یہ بات لغو ہے، اس پر کوئی تاثیر مرتب نہ ہوگی۔

اسی طرح اس عورت پر (دوسری یا تیسری) طلاق واقع نہ ہوگی، جسے ایک طلاق

دی جا چکی ہے اورابھی دخول یا خلوتِ صحیحہ کے ساتھ اس سے رجوع نہیں ہوا (کیونکہ رجوع سے پہلے اس کی بیوی کی حیثیت اب برقرار نہیں، توجب وہ بیوی نہیں تو طلاق کیسے دے رہا ہے؟ لیکن راقم کہتا ہے یہاں ان کا یہ مؤقف سابق عنوان کے تحت ذکر کردہ موقف کے متضاد ہے، جہاں کہا تھا کہ جب تک حکماً نکاح قائم ہے اور ابھی وہ اساس سے ختم نہیں ہوا تو عورت طلاق کا محل ہے اور صورتِ ہذا میں ابھی نکاح اپنی اساس سے ختم نہیں ہوا، یا شاید مراد یہ ہو کہ پہلی طلاق کے بعد جس کی عدت کی مدت بھی اب ختم ہوئی اور خاتون نے ابھی نئی شادی نہیں کی ہے، تو اب وہ حقیقۃً سابقہ شوہر کی بیوی کے حکم میں نہیں، گویا نکاح اساساً ہی ختم ہوگیا ہے، اب وہ رجوع کرنا چاہے تو عقدِ جدید کے ساتھ ہی کرے گا، تب ان کی بات درست ہے) اور وہ مجرد صدورِ طلاق کے سبب اس کے لیے اب اجنبی بنی، لہٰذا اس کے بعد وہ محلِ طلاق نہیں، کیونکہ نہ اب اس کی وہ بیوی ہے اور نہ اس کی معتدہ۔

اگر کسی نے اپنی (حقیقۃً یا حکماً) غیر مدخول (جس سے ابھی جماع نہیں کیا) بیوی سے کہا

تمہیں طلاق ہو، طلاق ہو، طلاق ہو، تو طلاق فقط اول کے ساتھ واقع ہوئی، کیونکہ جب اول طلاق دی تو زوجیت قائم تھی اور دوسری اور تیسری لغو ہے، کیونکہ یہ جب دیں تو وہ اس کی زوجہ نہ تھی اور نہ معتدہ تھی، کیونکہ غیر مدخول بیوی پر عدت عائد نہیں۔[1]

اسی طرح اجنبی عورت کے لیے طلاق واقع نہ ہوگی، جس کا اس سے کوئی سابقہ

---

[1] بقول محشی یہ ابو حنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ کا مذہب ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اگر غیر مدخول بیوی سے تین دفعہ: تمہیں طلاق ہو، کہا تو یہ نسق ہے یعنی ایک دوسری کے پیچھے پے در پے تو یہ تین ہیں اور یہ بالعدد (گنتی کرتے ہوئے) تکرارِ لفظ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہہ دے: تمہیں تین طلاقیں ہوں! بدایۃ المجتہد میں ہے، جس نے لفظ کے ساتھ عدد کے مشابہ تکرار کیا یعنی کہ کہا: میں نے تمہیں تین طلاقیں دیں تو یہ تین طلاقیں واقع ہوئیں، جن حضرات کی رائے ہے کہ یہ پہلے لفظ کے ساتھ ہی بائنہ ہوگئی، ان کے نزدیک بقیہ دو واقع نہ ہوں گی اور یہ بخلاف مدخول بہا بیوی کے۔

زوجیت کا تعلق نہ ہو، اگر کسی عورت سے کہا: جو اس کی منکوحہ نہیں: تمہیں طلاق دی، تو اس کی یہ کلام لغو ہے، جس کی کوئی تاثیر نہیں اور یہی حکم ہے اس عورت کا جو (اس کی زوجہ تھی اور اسے) طلاق دی گئی اور اس کی عدت بھی گزر گئی، کیونکہ وہ عدت گزر جانے پر اس کے لیے کلی طور پر اجنبیہ بنی اور اسی کے مثل تین طلاقوں کی عدت گزار رہی خاتون ہے، کیونکہ تین طلاقوں کے بعد وہ بینونت کبریٰ (حتمی علیحدگی) کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو چکی ہے، لہٰذا اس طلاق کا کوئی معنی نہ ہوا۔

شادی سے قبل طلاق

اگر کسی اجنبی عورت (یعنی جس سے ابھی شادی نہیں ہوئی) کہے: جب میں تجھ سے شادی کروں گا (یا اگر تجھ سے میری شادی ہوئی) تو تمہیں طلاق! تو یہ واقع نہ ہوگی، کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کے لیے اس چیز میں کوئی نذر نہیں جس کا وہ مالک نہیں، اور نہ اس کا اس غلام کو آزاد کرنا نافذ العمل ہے، جس کا وہ مالک نہیں، اسی طرح اس کا اسے طلاق دینا جو ابھی اس کے حبالہ عقد میں نہیں۔''[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا اور کہا: یہ اس باب میں مروی احسن روایت ہے اور یہی صحابہ وغیرہم کے اکثر اہلِ علم کا قول ہے، یہ سیدنا علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور جابر بن یزید وغیرہم کئی فقہائے تابعین سے منقول ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس طرح کی معلق طلاق کے بارے میں کہتے ہیں: یہ شادی ہونے پر واقع ہو جائے گی، چاہے طلاق دینے والے نے تعمیم کی ہو یا کسی خاص عورت کا نام لے کر کہا ہو، امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا موقف ہے کہ اگر تعمیم کی تھی تب لازم نہیں، ہاں! اگر تخصیص کی تو ہو جائے گی، تعمیم کی مثال کہ کہے: کسی بھی عورت سے میری شادی ہو تو اسے طلاق دی۔

---

[1] صحیح، سنن أبی داود: ۳۳۱۶؛ سنن ترمذی: ۱۱۸۱؛ سنن نسائی: ۲۹/۷۔

طلاق کس لفظ کے ساتھ واقع ہوگی؟

اس ضمن میں ہر وہ لفظ کارگر ہوگا، جو ازواجی تعلق کے ختم کرنے پر دال ہو، چاہے یہ لفظ ہو یا تحریر ہو، گونگے کی طرف سے اشارہ ہو یا کسی کی وساطت سے یہ ملے۔

لفظ کے ساتھ طلاق

لفظ کبھی صریح ہوگا اور کبھی کنایہ، تو صریح وہ جو تلفظ کے وقت معنی ومفہوم کے لحاظ سے بالکل یہی سمجھا جائے، مثلاً کہے: تمہیں طلاق ہو یا تم میری جانب سے مطلقہ ہو، اور طلاق کے مادہ سے مشتق اور ماخوذ ہر لفظ، امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، صریح طلاق کے الفاظ تین ہیں: طلاق، فراق اور سراح (اس کا لغوی معنی ہے: رخصت کر دینا) اور یہ تینوں قرآن میں مذکور ہیں، بعض اہلِ ظاہر نے کہا: طلاق ان مذکورہ تین الفاظ میں سے کوئی استعمال کیے بغیر واقع نہ ہوگی، کیونکہ یہی شرعاً اس ضمن میں وارد ہوئے ہیں اور یہ عبادت ہے (یعنی بوقتِ ضرورت امرِ شرعی ہے) اور اس کی شروط میں سے لفظ ہے، لہٰذا اس سلسلے میں وارد شرعی لفظ پر ہی اقتصار کرنا ہوگا۔

کنایہ

یہ ایسا لفظ جو طلاق کو بھی اور اس کے غیر کو بھی محتمل ہے، مثلاً کہے: تم مجھ سے بائن (جدا) ہوئی، تو یہ ازواجی حیثیت سے جدائی مراد ہونے کو بھی محتمل ہے اور اسی طرح شر سے جدائی کو بھی یا کہے: (أَمْرُكِ بِيَدِكِ) ”تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔“ تو اس کا معنی یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ تمہاری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی کہ تم پورا پوراحقِ تصرف رکھتی ہو یا کہے: تم مجھ پر حرام ہو، تو یہ معنی بھی ممکن ہے کہ تم سے استمتاع حرام ہے یا یہ کہ تمہیں ایذا دینا مجھ پر حرام ہے۔

صریح لفظ استعمال کرتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی، بغیر نیت کے احتیاج کے جو اس کی مراد واضح کرے (اب اس سے یہ نہ کہا جائے گا کہ تمہاری نیت کیا تھی، کیونکہ مستعمل لفظ صریح اور واضح ہے) کیونکہ اس کی دلالت اور معنی واضح ہے، طلاقِ

صریح کے وقوع کے ضمن میں شرط یہ ہے کہ زوجہ کی طرف اس کی اضافت کی ہو کہ مثلاً کہے: میری بیوی کو طلاق یا: تمہیں طلاق۔

جبکہ کنایہ کے ساتھ طلاق تبھی واقع ہوگی، جب اس کی نیت بھی کی ہو، اگر لفظِ صریح استعمال کر کے کہا: میری مراد طلاق نہ تھی اور نہ یہ میرا قصد تھا، بلکہ میری مراد تو یہ تھی، تو قضاء اسے سچا نہ مانا جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر کنایہ استعمال کر کے کہا: میں نے طلاق کی نیت نہ کی تھی، بلکہ میری مراد تو یہ تھی، تو قضاءً اسے سچا باور کیا جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ کنایہ کا لفظ جو اس نے استعمال کیا، طلاق اور اس کے غیر دونوں کو محتمل ہے اور مراد کی تعیین نیت و قصد ہی سے ہوگی اور یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب ہے، ان کے پیشِ نظر امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کے ہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہتی ہیں: بنت جون کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوئی، جب آپ اس کے پاس گئے تو کہنے لگی: "أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ" آپ نے فرمایا: "تم ایک عظیم ذات کی پناہ کی طالب ہوئی ہو، جاؤ اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔"[1] صحیحین وغیرہما کی سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے قصہ والی روایت میں ہے کہ جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ، تو کہا: کیا اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ جواب آیا (طلاق نہیں) بس الگ رہو، اس سے قربت نہ کرو، تو بیوی سے کہا: جاؤ اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔[2] (یعنی وہی الفاظ بولے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت جون سے کہے تھے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے قصد سے اور سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے بغیر اس قصد کے کہے تھے) تو ان دونوں حدیثوں نے افادہ دیا کہ اس لفظ کے ساتھ طلاق تب واقع ہوگی جب اس کا قصد ہو، اسی پر اب عمل جاری ہے (مصری عائلی قانون میں)۔ احناف کی رائے میں کنایات کے ساتھ طلاق کا وقوع اسی صورت ہوگا، جب اس کی نیت کی ہوگی اور یہ کہ دلالتِ حال کے ساتھ بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

---

[1] صحيح البخاري: ٥٢٥٤؛ سنن ابن ماجه: ٢٠٥٠؛ سنن نسائي: ٣٤١٧۔

[2] صحيح البخاري: ٤٤١٨؛ صحيح مسلم: ٢٧٦٩۔

کیا بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اپنے آپ پر حرام کہہ دے، تو یا تو مراد تحریمِ عین ہوگی (اس کے وجود کی اس کے لیے حرمت) یا اس کی مراد طلاق ہوگی، معنائے لفظ کا قصد کیے بغیر بلکہ اس کا قصد تسریح ہے (گھر روانہ ہونے کا کہنا) تو اول حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا تو حرام کو حلال کیا (یعنی اولاً ازواج کو اپنے آپ پر حرام قرار دیا پھر ایلاء کی مدت جو ایک ماہ مقرر کی تھی، گزرنے پر اس حرام کردہ امر کو حلال کرلیا) اور قسم کا کفارہ دیا۔[1] مسلم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ اگر کوئی شوہر بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے، تو یہ ایک قسم کی مانند ہے جس کا وہ کفارہ دے لے اور ازدواجی تعلق شروع کرلے پھر کہا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب: ۲۱) ''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔''[2] نسائی نے ان سے روایت نقل کی کہ ایک شخص نے ان سے کہا: میں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا ہے، کہنے لگے: تم نے جھوٹ کہا، وہ تجھ پر حرام نہیں، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ (التحریم: ۱۔۲)

''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے آپ اسے حرام کیوں کرتے ہو؟ (کیا اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔''[3]

---

[1] صحیح، سنن ترمذی: ۱۲۰۱؛ سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۹۔

[2] صحیح البخاری: ۴۹۱۱؛ صحیح مسلم: ۱۴۷۳۔ [3] بقول محشی اس آیت سے تصریح ملی ہے کہ تحریم قسم ہے (جس کا کفارہ دے کر وہ پھر سے اصل حالت میں ہو جائے گی)

(پھر کہا:) تمہارے ذمہ سخت ترین وارد کفارہ ہے یعنی ایک گردن کا آزاد کرانا۔[1] وگرنہ طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ تحریم کا لفظ کنایہ ہے دیگر سب کنایات کی طرح۔

اہلِ اسلام کا قسمیہ الفاظ کے ساتھ حلف اٹھانا

جس نے مسلمانوں کے قسمیہ الفاظ کے ساتھ حلف اٹھایا پھر حانث ہوا (کسی وجہ سے قسم توڑی) تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے، شافعیہ کے ہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں، امام مالک رحمہ اللہ سے اس بابت کچھ وارد نہیں، اس میں اختلاف دراصل متاخرینِ مالکیہ سے منقول ہے، تو بعض نے کہا: اسے صرف استغفار کرنا لازم ہوگا، لیکن ان کے ہاں مشہور اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ہر ایسا لفظ استعمال کرنے کے بعد جو مسلمانوں کے عرف میں قسم کے لیے ہوتا ہے، اگر حانث ہو جائے تو قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر قسم نکاح توڑنے سے متعلق تھی تو نکاح ٹوٹ جائے گا، مکہ پیدل چل کر جانا اسے لازم نہیں اور نہ روزے رکھنا جیسا کہ پہلے زمانوں میں تھا، کیونکہ اب دورِ حاضر میں ایسی قسمیں کھانے کا رواج ختم ہوا، ابہری کہتے ہیں اسے فقط استغفار کرنا لازم ہوگا، بعض نے کہا: قسم کا کفارہ دے، جیسا کہ شوافع کی رائے ہے، مالکیہ کے ہاں یہ اختلافِ رائے اس صورت ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، لیکن اگر طلاق کی نیت کی تھی پھر حانث ہوا، تو ان کے نزدیک اسے یمین (یعنی قسم، شاید قسم کا کفارہ کہنا چاہتے ہوں) لازم ہے! ہمارے خیال میں ابہری کی رائے راجح ہے کہ جس نے ایسی قسم کھائی، اسے بجز استغفار کے کچھ لازم نہیں۔

تحریری طلاق

یہ واقع ہو جائے گی، اگرچہ صاحبِ تحریر نطق پر قادر تھا، تو جس طرح وہ زبان کے ساتھ طلاق دینے کا حق رکھتا ہے، اسی طرح بذریعہ تحریر بھی، فقہاء نے اس ضمن میں یہ مشروط کیا ہے کہ تحریر صاف اور واضح ہو اور بیوی کا نام لکھا ہو اور اسے مخاطب کیا ہو،

---

[1] ضعیف، سنن نسائی: ۷/۷۱۔

اگر مخاطب اس سے نہیں کیا نام لکھے بغیر صرف یہ لکھ دیا: تمہیں طلاق ہو یا لکھا: میری بیوی کو طلاق، تو طلاق تبھی واقع ہوگی، جب اس کی نیت بھی تھی، کیونکہ احتمال ہوگا کہ یہ عبارت یونہی بلا قصد گھسیٹ دی ہو مثلاً تحسینِ خط کی مشق کرتے ہوئے (اور اتفاقاً یہ تحریر اس کی بیوی کے ہاتھ لگ گئی)۔

گونگے کا اشارہ

اس کی نسبت سے اس کا اشارہ تفہیم کی اداۃ (وسیلہ) ہے، لہٰذا وہ طلاق کے وقوع میں لفظ کے قائم مقام ہے، جب ایسا اشارہ ہو، جو ازدواجی تعلق ختم کرنے کے بارے اس کے قصد و ارادہ پر واضح دلالت کر رہا ہو، بعض فقہاء نے کہا: اگر گونگا لکھنا جانتا یا اس پر قادر ہو تو اشارے سے طلاق دینا کافی نہ ہوگا، کیونکہ کتابت مقصود پر زیادہ دلالت کرنے والی ہوتی ہے، تو اس کی بجائے اشارے سے کام نہ لے۔

ایلچی کے ذریعے سے

اس کے ذریعہ طلاق کا وقوع صحیح ہے، ایلچی طلاق دینے والے کا قائم مقام ہے، لہٰذا اس کی یہ طلاق لاگو ہے۔

طلاق پر گواہ بنانا

سلف اور خلف کے جمہور کا مؤقف ہے کہ طلاق بغیر کسی کو گواہ بنائے بھی واقع ہو جائے گی، کیونکہ طلاق دینا شوہر کے حقوق میں سے ہے اور وہ اس کی ادائیگی کے لیے گواہ اور ثبوت کا محتاج نہیں، نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے کچھ ایسا وارد نہیں جو گواہوں کی موجودگی کی مشروعیت پر دال ہو، اس میں شیعہ امامیہ نے اختلاف کیا، جو صحتِ طلاق میں گواہ بنانے کی شرط کے قائل ہیں، ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ﴿وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ﴾ (الطلاق:۲) ''اور اپنے میں سے دو صاحبِ عدل آدمی گواہ بنا لو اور شہادت قائم کرو۔'' تو طبرسی نے ذکر کیا کہ بظاہر اللہ نے (اس آیت

میں) طلاق پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ ائمہ اہل بیت سے مروی ہے اور یہ امر برائے وجوب ہے اور یہ صحتِ طلاق میں شرط ہے۔ ①

طلاق پر گواہ بنانے کا وجوب اور اس کے بغیر طلاق کا عدم وقوع

صحابہ میں سے یہی مؤقف سیدنا علی اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، تابعین میں سے محمد الباقر، جعفر الصادق رحمہما اللہ اور ان کے بیٹوں کا تھا، اسی طرح عطاء، ابن جریج اور ابن سیرین رحمہم اللہ، کا بھی، جواہر الکلام میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بارے منقول ہے کہ طلاق کے بارے میں ایک سائل سے کہا تھا: کیا تم نے حکمِ الٰہی کے بموجب دو عادل گواہوں کی موجودگی میں طلاق دی تھی؟ اس نے کہا: نہیں، تو کہا: جاؤ تمہاری طلاق واقع نہ ہوئی، ابو داود نے سنن میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ان سے ایک شخص کے بارے سوال ہوا، جس نے طلاق دی پھر قربت کی اور طلاق پر کسی کو گواہ نہ بنایا اور نہ رجوع پر، کہنے لگے: طلاق بھی غیر مسنون ہے اور رجوع بھی، طلاق اور رجوع پر گواہ بناؤ، دوبارہ ایسا نہ کرنا (اس سے بظاہر ان کے نزدیک طلاق تو ہوگئی مگر یہ مستحسن نہیں) ② یہ بات موجود میں متقرر ہے کہ صحابی کا کہنا کہ یہ مسنون ہے، مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، کیونکہ مطلقاً ایسا کہنے سے مراد وہ ذات جس کی اتباع واجب ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور چونکہ صحابی کا مقصود شرع کا بیان ہوتا ہے، نہ کہ لغت وعرف کا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور میں آیت: ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق:۲) ''پھر جب وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں تو یا ان کو اچھی طرح سے (زوجیت میں) رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کرو۔'' کی تفسیر میں عبدالرزاق عن ابن سیرین سے نقل کیا کہ ایک شخص نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ مندرجہ بالا بات کہی، تو انہوں نے جواب میں کہا: اس نے برا کام کیا، بدعت طریقے

---

① تفسیر آلوسی، ۱۴/ ۳۳۰۔

② صحیح، سنن أبی داود: ۲۱۸۶؛ سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۵۔

سے طلاق دی اور رجوع بھی مسنون طریقہ سے نہیں کیا، اسے چاہیے تھا کہ طلاق اور رجوع پر گواہ بناتا، اسے اب استغفار کرنا چاہیے، تو اِن کا اندازِ بیان، سختی اور استغفار کا حکم ظاہر کرتا ہے کہ اسے وہ معصیت سمجھتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ ان کے نزدیک گواہ بنانا واجب ہے، جیسا کہ ظاہر ہوا، کتاب الوسائل میں ابوجعفر باقر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس طریقے سے طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا اور جو سنت نے بیان کیا، وہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جب وہ حیض کے بعد حالتِ طہر میں ہو، دو عادل گواہوں کی موجودگی میں طلاق دے اور یہ کہ اِس طہر میں اُس نے اس سے جماع نہ کیا ہو (تاکہ کہیں وہ حاملہ نہ ہو) اور وہ اس سے رجوع کا حق رکھتا ہے، جب تک تین قروء (حیض) گزر نہ جائیں، اس کے سوا ہر طلاق باطل ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور [1] میں عبدالرزاق سے اور عبد بن حمید نے امام عطاء رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ نکاح بھی گواہوں اور طلاق بھی گواہوں کی موجودگی میں ہونی چاہیے اور اسی طرح رجوع بھی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے نقل کیا کہ امام عطاء رحمہ اللہ آیت: ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (٦٥/ الطلاق: ٢) ”پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو انہیں اچھے طریقے سے روک لو، یا اچھے طریقے سے ان سے جدا کر دو اور اپنوں میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو۔“ کی بابت کہا کرتے تھے کہ نکاح، طلاق اور رجوع میں جائز نہیں مگر دو عادل گواہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا، اِلّا یہ کہ کوئی عذر ہو۔ تو ان کا قول: ”لا يَجُوْزُ“ ان کے ہاں طلاق میں (بھی) گواہ بنانے کے وجوب میں صریح ہے، تو ان صحابہ و تابعین کے اس مؤقف کے باوصف بعض کتب فقہ میں جو گواہ بنانے کے استحباب پر اجماع ہونے کا دعویٰ مذکور ہوا، اس سے مراد مذہبی اجماع ہے، نہ کہ اصولی، جس کی تعریف یہ ہے جیسا کہ المستصفی میں مذکور ہوئی، خاص امت محمدیہ کا کسی دینی امر پر اجماع، امام سیوطی اور امام ابن کثیر رحمہما اللہ کے منقولات سے واضح ہوا کہ طلاق اور رجوع

---

[1] الدر المنثور: ٨/ ١٩٤۔

پر گواہ بنانے کا وجوب صرف علمائے اہل بیت کا ہی موقف نہیں، جیسا کہ سید مرتضیٰ نے کتاب الانتصار میں نقل کیا ہے، بلکہ یہ عطاء، ابن سیرین اور ابن جریج رحمہ اللہ کا بھی تھا۔

مطلقاً اور معلقاً طلاق

طلاق کا صیغہ و لفظ یا تو منجز (ماضی کا صیغہ اور بغیر کسی چیز اور شرط کے ساتھ معلق ومقید کیے) ہوگا اور یا معلق ہوگا اور یہ وہ جو مستقبل کی طرف مضاف ہو، تو منجز وہ صیغہ جو کسی شرط پر معلق نہ ہو اور نہ زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف ہو، بلکہ متکلم کی اس کے تلفظ سے غرض فوری طور سے اس کا امضاء اور اجرا ہو، مثلاً کہے: تمہیں میں نے طلاق دی، اس لفظ کے ساتھ طلاق کا حکم یہ ہوگا کہ وہ فوراً لاگو اور نافذ العمل ہوگی، یہ جب دیگر شروط کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا اس کا اہل تھا اور جسے طلاق دی ہے، وہ اس کا محل بھی تھی (جیسا اس کے بارے بحث گزری)

جبکہ معلق وہ جس میں حصولِ طلاق اور اس کے وقوع کو کسی شرط پر معلق رکھا گیا ہو، مثلاً یہ کہے: اگر تم فلاں جگہ گئی (یا گھر سے نکلی یا اس طرح کی کوئی اور بات) تو تمہیں طلاق، معلق رکھنے کی صحت اور اس کے ساتھ وقوعِ طلاق میں تین شروط مقرر کی گئی ہیں:

① وہ کسی معدوم امر پر ہو، جس کے بعد ازاں موجود ہونے کا امکان ہو یا اس کے منہ سے لفظ صادر ہوتے وقت وہ امر موجود ہو، مثلاً کہے: اگر دن نکلا ہوا ہے تو تمہیں طلاق اور دن واقعی نکلا ہوا ہو تو یہ (معلق نہیں بلکہ) تنجیز ہوئی (فی الفور واقع ہوئی) اگرچہ بظاہر تعلیق کی صورت میں ہے اور اگر یہ تعلیق کسی مستحیل امر پر ہے، تب یہ لغو شمار ہوگی، مثلاً کہ کہے: اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوا تو تمہیں طلاق۔

② عورت اس لفظ کے صدور کے وقت طلاق کا محل ہو، بایں طور کہ اس کی منکوحہ ہے۔

③ جس امر پر معلق رکھا ہے، اس کے حصول کے وقت بھی عورت محلِ طلاق ہو۔

تعلیق کی دو اقسام ہیں

① اس کے ساتھ قصد وہ جو قسم اٹھانے سے ہوتا ہے کہ کسی کام کے کرنے یا ترک پر

آمادہ کرنا یا تاکیدِ خبر، اس تعلیق کو قسمی تعلیق کہا جاتا ہے: مثلاً زوجہ سے کہے: اگر تم گھر سے نکلی تو تمہیں طلاق اور اس کے ساتھ اس کا ارادہ طلاق واقع ہوجانے کا خوف دلاکر اسے نکلنے سے منع کرنا ہے۔

② اس سے قصد حصولِ شروط کے وقت (حقیقۃً) طلاق کا ایقاع ہو، یہ تعلیق شرطی کہلاتی ہے، تو ان دونوں انواع کے ساتھ جمہور علماء کے نزدیک معلق طلاق واقع ہوجائے گی، امام ابن حزم رحمہ اللہ اسے غیر واقع سمجھتے ہیں، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے تفصیل دی اور کہا: وہ طلاقِ معلق جس میں قسم کا معنی ہو غیر واقع ہے اور اس میں قسم کا کفارہ دینا ہوگا، اگر محلوف علیہ حاصل ہو اور یہ دس مساکین کو کھانا یا لباس دینا اور اگر یہ نہیں پاتا، تب تین دن کے روزے رکھنا، طلاقِ شرطی بارے کہا: یہ معلق علیہ امر کے حصول کی صورت میں واقع ہوجائے گی، بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ طلاق میں لوگ جو الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ تین انواع کے ہیں:

اولاً: صیغۂ تنجیز و اطلاق کہ کہے: تمہیں میں نے طلاق دی، تو یہ بالاتفاق حلف نہیں، لہٰذا اس میں کفارہ نہیں بلکہ یہ واقع شد طلاق ہے۔

ثانیاً: صیغۂ تعلیق کہ مثلاً کہے: مجھے طلاق دینا لازم ہوگا، اگر فلاں کام کیا تو یہ باتفاق اہلِ لغت قسم ہے، عام لوگ بھی ان کے ساتھ متفق ہیں اور کئی علماء بھی۔

ثالثاً: صیغۂ تعلیق کہ مثلاً کہے: اگر میں نے یہ کام کیا تو میری بیوی کو طلاق! تو یہاں اگر اس کا قصد قسم کا تھا اور وہ وقوعِ طلاق کو مکروہ سمجھتا ہے، جیسا کہ دین چھوڑنے کو تو یہ قسم ہے اور اس کا بھی وہی حکم جو اول کا بیان ہوا جو کہ علماء کے نزدیک بالاتفاق صیغۂ قسم ہے۔ اور اگر شرط ذکر کرتے وقت شرط کی جزا کے وقوع کا ارادہ نہیں، تو یہ حلف نہ ہوگا، مثلاً کہ کہے: اگر تم نے مجھے ہزار (درہم یا دینار) دیے، تو تمہیں طلاق، یا: اگر تم نے زنا کیا تو تمہیں طلاق، اور اس کا قصد اس کے ارتکاب کی صورت میں طلاق کا وقوع ہو، نہ کہ مجرد حلف، تو یہ قسم نہیں اور اس میں ہمارے حسبِ علم کسی بھی فقیہ کی رائے میں کفارہ نہیں، بلکہ طلاق واقع ہوگی، اگر مذکورہ معاملہ پایا گیا لیکن جس کے ساتھ ترغیب دلانے، منع،

تصدیق یا تکذیب کا قصد کیا گیا، تو اگر اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مذکورہ کام کیا، تو یہ عرب وعجم کے سب اہلِ علم کے نزدیک قسم ہے! تو اگر یہ قسم ہے تو قسم کے لیے دو حکم ہوتے ہیں کہ یا تو معتبر ہو، تب (اس کے مطابق عمل نہ کرنے کی صورت میں) کفارہ دینا پڑے گا اور یا پھر قسم معتبر نہ ہو، مخلوقات کے ساتھ کھائی گئی قسم کی مانند، تو یہ ایسا حکم ہے جو نہ قرآن میں ہے اور نہ سنت میں اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے۔

زمانۂ مستقبل کی طرف مضاف صیغہ

جو زمانے کے ساتھ مقرون ہو، اس میں وقوعِ طلاق کے قصد سے جب وہ زمانہ آئے گا، مثلاً کہ بیوی سے کہے: تمہیں کل یا سال کے اختتام پر طلاق ہو، تو یہ وقت آنے پر طلاق واقع ہو جائے گی، اگر وہ محلِ طلاق ہوئی، اگر کہا: ''أَنْتِ طَالِقٌ إِلٰى سَنَةٍ'' (سال ہونے پر تمہیں طلاق) تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فوری طور سے طلاق ہوگئی، جبکہ امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: جب تک سال نہ گزرے طلاق واقع نہ ہوگی، امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے کہا: جب (نئے) سال کا آغاز ہو تو تمہیں طلاق یا کوئی بھی وقت ذکر کیا تو وہ اس کے ساتھ مطلقہ نہ ہوگی، نہ فوری طور پر اور نہ جب مذکورہ وقت آئے، اس کی برہان یہ ہے کہ قرآن اور سنت میں اس کے ساتھ کہیں طلاق ہو جانا مذکور نہیں، جبکہ اللہ نے مدخول بہا اور غیر مدخول بہا زوجہ کو طلاق دینے کے طریقے کی ہمیں تعلیم دی ہے اور یہ معاملہ قرآن میں مذکور نہیں ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ (الطلاق:۱) ''جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا، وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔'' نیز ہر طلاق جو فوری طور سے واقع نہیں ہوتی تو محال ہے کہ وہ اس وقت واقع ہو جس میں اس کا ایقاع نہیں کیا۔

سنی اور بدعی طلاق

طلاق کو ان دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول، سنی یعنی طلاقِ سنت اور ثانی طلاق بدعی

طلاق سنی

جو اس طریقے کے مطابق واقع ہو، جو شرع نے مندوب کیا اور وہ یہ کہ مدخول بہا اپنی زوجہ کو اس طہر میں جس میں اس سے قربت نہیں کی، ایک طلاق دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) یعنی مشروع طلاق اس طرح ہوتی ہے کہ (ایک) طلاق دے پھر رجوع ہو، پھر (حالات ناساز گار ہونے پر دوسری) طلاق دے، جس کے بعد رجوع کرلے، تو اب اس کے پاس اختیار اور موقع ہے کہ معروف کے ساتھ اسے بسائے رکھے یا (اگر چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کرلیا تو) پھر احسان کے ساتھ (یعنی عمدگی سے) چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق:۱) یعنی جب تم بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو، تو انہیں اس انداز سے طلاق دو کہ وہ ''مُسْتَقْبِلَاتُ الْعِدَّةِ'' ہوں (یعنی فوری طور سے عدت شروع ہو جائے) اور یہ تبھی ہوگا، جب حیض ختم ہونے کے بعد حالتِ طہر میں یا نفاس ختم ہونے کے بعد اس سے قربت کرنے سے قبل طلاق دے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر حالتِ حیض میں طلاق دی جائے تو تب فوری طور پر اس کی عدت شروع نہیں ہوسکتی اور یوں اس کی عدت طویل ہوجائے گی، کیونکہ حیض کے بقیہ ایام عدت میں شمار نہیں کیے جاتے اور اس میں اس کا حرج اور نقصان ہے، اسی طرح اگر اس طہر میں طلاق دی، جس میں اس سے جماع بھی کیا ہے تو (فوری طور پر) پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ حاملہ ہوئی یا نہیں، لہٰذا علم نہیں ہو پائے گا کہ کون سی عدت گزارنا ہوگی (تین) قروء والی یا وضعِ حمل کے ساتھ؟ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے عہدِ نبوی میں حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو (ان کے والد) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے رجوع کرنے کا حکم دو، پھر اسے روکے رکھے حتی کہ طہر آجائے پھر حیض آجائے اور پھر طہر شروع ہو تو اب چاہے تو روک رکھے اور چاہے تو (اس طہر میں) جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے۔''

تو یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے طلاق دی جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے حکم دو کہ رجوع کر لے پھر حالتِ طہر میں اسے طلاق دے یا (اس صورت) کہ وہ حاملہ ہو۔''[1] اسے نسائی، ابن ماجہ، مسلم اور ابو داود نے نقل کیا، اس روایت کا ظاہر یہ ہوا کہ حیض کے بعد والے طہر میں اگر (بغیر جماع کیے) طلاق دی ہو تو یہ طلاقِ سنت ہو گی! یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ سے منقول دو اقوال میں سے ایک قول بھی یہی ہے! ان علماء نے ظاہرِ حدیث سے استدلال کیا اور یہ کہ آپ کا یہ منع کر دینا بوجہ حیض تھا، جب وہ طہر میں ہوئی تو موجبِ تحریم زائل ہوا تو اس میں طلاق دینا جائز ہوا، جیسا کہ دیگر اطہار میں ہے، لیکن پہلی روایت جس میں یہ الفاظ ہیں: ((ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثم تَحِيضَ فَتَطْهُرَ))[2] ایک زیادت کو متضمن ہیں، جس پر عمل واجب ہے، مؤلف روضہ الندیہ لکھتے ہیں: یہ (روایت) صحیحین میں بھی ہے اور وہ دو وجہ سے ارجح ہے، یہی امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، ان سے منقول دو میں سے ایک قول کے مطابق، اسی طرح امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی۔

طلاقِ بدعی

جو مشروع طریقے کے برخلاف دی جائے، یعنی ایک ہی جملہ میں تین طلاقیں دے یا ایک مجلس میں الگ الگ (جملوں میں) تین طلاقیں دے، گویا کہے: تمہیں طلاق دی، تمہیں طلاق دی، تمہیں طلاق دی! یا یہ کہ حیض یا نفاس کی حالت میں طلاق دے یا اس طہر میں جس میں جماع کیا ہو، علماء کا اجماع ہے کہ طلاقِ بدعی دینا حرام ہے اور اس کا فاعل گناہگار ہے، اگرچہ جمہور کے نزدیک یہ واقع ہو جائے گی، درجِ ذیل ادلہ سے انہوں نے استدلال کیا:

---

[1] صحیح البخاری: ۴۹۰۸، ۵۲۵۱؛ صحیح مسلم: ۱۴۷۱۔
[2] صحیح البخاری: ۴۹۰۸۔

① طلاق بدعی آیاتِ عامہ (جو طلاق سے متعلق ہیں) کے تحت مندرج ہے۔

② سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تصریح کہ حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو (ایک) طلاق دی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ طلاق شمار ہوئی، بعض علماء[1] کا مؤقف ہے کہ طلاقِ بدعی واقع ہی نہ ہوگی، انہوں نے عمومات کے تحت اس کے اندراج ہونے کی مخالفت کی، کیونکہ یہ طلاق اس طریقے پر نہیں، جس کا اللہ نے حکم دیا، بلکہ اس کے توبرخلاف کا حکم دیا، جب فرمایا: ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''اسے (ابن عمر کو) رجوع کا حکم دو'' اور صحیحاً ثابت ہے کہ آپ اس پر ناراض ہوئے تھے اور آپ اللہ کے حلال کردہ امر کی وجہ سے تو ناراض نہ ہو سکتے تھے، جہاں تک سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ یہ طلاق شمار کی گئی، تو یہ وضاحت نہیں کی کہ کس نے شمار کی، بلکہ ابوداود، احمد اور نسائی نے تو ان سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: (أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَرَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا)[2] ''انہوں نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کو واپس کرا دیا اور اسے کوئی شے نہ سمجھا۔'' اس کی سند صحیح ہے، اس پر کلام کرنے والے کسی نے کوئی مدلل بات پیش نہیں کی اور اس میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی شے نہیں سمجھا (شمار نہیں کیا) لہٰذا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول (کہ شمار کی گئی) اس کے معارض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حجت ان کی روایت میں ہے، نہ کہ ان کی رائے میں۔

جہاں تک وہ روایت جس میں یہ الفاظ ہیں: ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا وَيَعْتَدُّ بِتَطْلِيقَةٍ)) ''اسے کہو رجوع کر لے اور اس طلاق کو شمار کرے۔'' تو یہ اگر سند کے لحاظ سے صحیح ہوتی، تو ظاہر حجت ہوتی لیکن یہ صحیح نہیں، جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے الهدی (زاد المعاد) میں جزم سے یہ لکھا، اس کے بارے کئی اور روایات بھی ہیں، جن کی اسانید

① بقول محشی ان میں ابن علیہ، ابن تیمیہ، ابن حزم اور ابن قیم رحمہم اللہ ہیں۔

② سنن أبی داود: ۲۱۷۹، ۲۱۸۰؛ سنن نسائی: ۶/۱۳۷، ۱۳۸۔

میں مجہول الحال یا کذاب راوی ہیں، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی قابلِ حجت نہیں! حاصلِ کلام یہ ہوا کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ طلاقِ سنت کے برخلاف جو طلاق ہوگی، وہ طلاقِ بدعت کہلائے گی اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''ہر بدعت گمراہی ہے۔''[1] اس امر میں بھی اختلاف نہیں کہ یہ طلاق قرآن میں مشروع طریقے کے مخالف ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی تبیین کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کے مشروع کردہ طریقے کے مخالف ہو وہ مردود ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ عَمَلٍ لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))[2] ''ہر وہ عمل جس پر ہمارا امر نہیں، وہ مردود ہے۔'' تو جس نے زعم کیا کہ یہ طلاق بدعت تو ہے لیکن واقع ہوگی، تو یہ بات دلیل کے بغیر قبول نہ کی جائے گی، طلاقِ بدعی کے عدم وقوع کے قائلین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے، سعید بن مسیب، طاؤس، خلاس بن عمر اور ابوقلابہ رحمہم اللہ ہیں، اور یہ ائمہِ حنابلہ اور ظاہریہ کا بھی مختار مذہب ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک قول بھی یہی منقول ہے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار کیا۔

حاملہ بیوی کو طلاق دینا

یہ جائز ہے، چاہے کوئی سا بھی مہینہ ہو، کیونکہ مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دی سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا: تو فرمایا: ''اسے حکم دو کہ رجوع کرے، پھر جب وہ طہر میں ہو یا حاملہ ہو تو اسے طلاق دے۔''[3] یہی علماء کا مذہب ہے، احناف نے اختلاف کیا، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ نے کہا کہ ایک ایک ماہ کے وقفہ سے تین طلاقیں دے، امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک حالتِ حمل میں صرف ایک طلاق دے سکتا ہے، پھر وضعِ حمل تک چھوڑے رکھے، اس کے بعد باقی طلاقیں دے۔

[1] صحيح، سنن أبي داود: ٤٦٠٧؛ سنن ترمذي: ٢٦٧٦؛ سنن ابن ماجه: ٤٣۔
[2] صحيح البخاري: ٢٦٩٧؛ صحيح مسلم: ١٧١٨۔
[3] صحيح البخاري: ٤٩٠٨؛ صحيح مسلم: ١٤٧١۔

آیسہ (جسے اب حیض آنے کی کوئی امید نہیں)، نابالغہ اور منقطع حیض والی کو طلاق

انہیں دی گئی طلاق سنی ہوگی، اگر ایک مرتبہ میں ایک دے، اس کے لیے اس کے سوا کچھ اور مشروط نہیں۔

طلاقوں کی تعداد

علماء کا اتفاق ہے کہ ایک ہی جملہ میں (یعنی یکبارگی) تین طلاقیں دینا حرام ہے، اس کی علت یہ بیان کی کہ اگر ایسا کیا تو گویا ندامت ہونے کی صورت میں اس نے رجوع کرنے اور تدارک کر لینے کا ہر باب بند کر دیا اور پھر شرع کی مخالفت کی، کیونکہ اس نے اسی غرض سے الگ الگ کر کے طلاقیں دینا مشروع کیا ہے کہ تاکہ ندامت ہونے کی صورت میں تدارک ممکن ہو سکے، پھر اس کے ساتھ ساتھ تینوں طلاقیں اکٹھی دینے والا اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کا سبب بنتا ہے، اس طرح کہ اس طلاقِ ثلاثہ کے ساتھ اس کی محلیت کا ابطال کر ڈالتا ہے۔ نسائی نے سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہتے ہیں: ہم نے نبی کریم ﷺ کو ایک ایسے آدمی کے بارے بتلایا، جس نے طلاقِ ثلاثہ دی تھی، تو آپ عالمِ غضب میں منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے اور میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔'' حتی کہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا: ''یا رسول اللہ! کیا اس کی گردن نہ اڑا دوں؟[1] امام ابن قیم رحمہ اللہ اغاثۃ اللھفان میں رقمطراز ہیں کہ یوں نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کو اللہ کی کتاب کو تماشہ بنا لینے والا قرار دیا جو اللہ کے ہاں غیر مراد ہے، اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ اس طریقے پر طلاق واقع ہو کہ اگر ارادہ بدل جائے تو رجوع کرنا ممکن ہو، جبکہ اس نے یکبارگی تین دے کر حقِ رجوع کا مالک نہ بننا چاہا نیز یکبارگی تین طلاقیں دینا، قولہ تعالیٰ: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) کے برخلاف ہے اور ''مَرَّتَانِ'' اور ''مَرَّات'' قرآن و سنت بلکہ عربوں

---

[1] ضعیف، سنن نسائی: ٦/١٤٢۔

کی بلکہ تمام جہان کی زبانوں میں یکے بعد دیگرے وقوع ہونے کو کہتے ہیں۔ تو جس کسی نے مرتان اور مرات کو "مَرَّةً وَاحِدَةً" (یعنی یکبارگی) میں جمع کر دیا تو گویا اس نے اللہ کی حدود اور اس کی کتاب کے مدلول سے تجاوز کیا اور یوں اس نے شارع کے قصد کا بر عکس کیا۔

اس کی حرمت پر اتفاق ہونے کے بعد اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ اس طرح تینوں طلاقیں یکبارگی دینے سے آیا یہ واقع ہوں گی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوں گی، تو کیا یہ ایک سمجھی جائے یا تین؟ تو جمہور علماء کے نزدیک یہ واقع ہے، بعض عدم وقوع کے قائل ہیں، جو وقوع کے قائل ہیں پھر ان کے مابین مزید اختلاف یہ ہے کہ یہ تین باور ہوں گی یا ایک؟ بعض نے کہا: تین اور بعض نے کہا: ایک، جبکہ بعض نے یہ تفرقہ کیا کہ اگر مطلقہ مدخول بہا تھی، تب تین وگرنہ ایک، تین باور کرنے کے قائلین نے درج ذیل سے استدلال کیا:

① اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرة: ۲۳۰) "پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق، عورت کو دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی اور شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی۔"

② اور اللہ کا فرمان: ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (البقرة: ۲۳۷) "اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو، لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔"

③ اور اللہ کا فرمان: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ الخ (البقرة: ۲۳۶) "کوئی حرج نہیں اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو۔"

تو ان آیات کے ظاہر سے ایک دو اور تین طلاقوں کا صحتِ وقوع و ایقاع ثابت ہوتا ہے، کیونکہ یہ فرق نہیں کیا کہ الگ الگ کر کے دی ہوں یا یکبارگی۔

④ اور یہ فرمانِ خداوندی: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾

"طلاق دوبار ہے پھر یا تو نکاح میں رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو۔" (البقرة: ٢٢٩)

تو اس آیت کا ظاہر تین یا دو (طلاقوں) کا اطلاق اوران کا وقوع ہے، چاہے یکبارگی ہوں یا علیحدہ علیحدہ کر کے۔

⑤ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب بنی عجلان کے شخص نے اپنی بیوی سے لعان کیا: تو کہا: یا رسول اللہ! اب (لعان کے بعد) اسے اپنے عقد میں روکے رکھوں تو (گویا) اس پر ظلم کروں، لہٰذا اسے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔[1] اسے احمد نے تخریج کیا۔

⑥ حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمیں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی زوجہ کو ایک طلاق دے دی اور وہ حیض سے تھی، پھر چاہا کہ دو حیضوں کے بعد دو مزید طلاقیں (بھی) دے دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو فرمایا: "اے ابن عمر! اللہ نے تجھے ایسا تو نہ کہا تھا، تم نے سنت کے برعکس کیا، سنت یہ ہے کہ طہر ہونے پر ہر قرء کے لیے ایک طلاق دو (تین طلاقیں تین ماہ میں الگ الگ کر کے دو) کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو میں نے رجوع کر لیا، پھر فرمایا: "جب یہ طہر میں ہو تو تب طلاق دو یا پھر نہ دو۔" میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں نے تینوں طلاقیں اکٹھی دی ہوتیں تو کیا میرے لیے حلال تھا کہ رجوع کر لیتا؟ فرمایا: "نہیں وہ مکملاً تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ معصیت ہوتا۔"[2] اسے دارقطنی نے تخریج کیا۔[3]

---

① صحیح البخاری: ٥٢٥٩؛ صحیح مسلم: ١٤٩٢۔

② ضعیف، سنن الدارقطنی: ٤/ ٣١۔

③ التعلیق المغنی میں لکھا کہ اس کی سند میں عطاء خراسانی ہے جو مختلف فیہ راوی ہے، ترمذی نے ثقہ کہا، نسائی اور ابو حاتم کے بقول ٹھیک راوی ہے، کئی ایک نے انہیں ضعیف قرار دیا، بخاری نے کہا: ان کے سوا مالک کے اساتذہ میں سے کوئی ایسا نہیں کہ وہ ترک کیے جانے کا مستحق ہو، شعبہ نے کہا کہ بہت بھول جاتے تھے، ابن حبان نے کہا اللہ کے بہترین بندوں میں سے تھے، لیکن کثیر الوہم اور خراب حافظے والے تھے اور خطا کرتے اور انہیں پتہ بھی نہ چلتا کہ کیا خطا کی ہے، جب یہ معاملہ ان کی مرویات میں کثیر ہوا تو وہ قابلِ حجت نہیں رہے۔

⑦ عبد الرزاق نے مصنف میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی، کہتے ہیں: میرے دادا نے اپنی ایک زوجہ کو کہا: تمہیں ہزار طلاق دی، سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو فرمایا: ''تمہارے دادا کو کوئی خوف نہ ہوا، ان میں سے تین تو ہوئیں، باقی نو سو ستانوے عدوان اور ظلم ہیں، اللہ چاہے تو گرفت کرے اور چاہے تو معاف کرے۔'' ایک روایت میں ہے: ''تمہارا باپ اللہ سے نہ ڈرا کہ وہ اس کے لیے کوئی مخرج برقرار رکھے، وہ اب اس سے مکمل جدا ہوگئی۔'' اور یہ غیر مسنون طریقے سے ہے، نو سو ستانوے ان کی گردن میں گناہ بن کر باقی ہیں۔[1]

⑧ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قسم اٹھوائی کہ میرا ارادہ ایک کا تھا۔[2] (یعنی انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں، تو آپ نے قسم دے کر پوچھا: کیا اس سے نیت ایک کی تھی یا تین کی؟) یہ دلیل ہے کہ اگر ان کی نیت تین کی ہوتی تو تین طلاقیں واقع ہو جاتیں، یہ جمہور تابعین اور کثیر صحابہ کا مذہب ہے، اسی طرح ائمہ اربعہ کا بھی۔

جو حضرات قائل ہیں کہ یکبارگی تین (یا زیادہ) طلاقیں دینے سے ایک طلاق ہی شمار ہوگی، ان کا استدلال درج ذیل دلائل سے ہے:

① مسلم نے روایت نقل کی کہ ابو صہباء نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ جانتے نہیں کہ عہدِ نبوی، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور کے شروع میں طلاقِ ثلاثہ ایک طلاق سمجھی جاتی اور شمار ہوتی تھی؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔[3] انہی سے روایت کیا، کہتے ہیں عہدِ نبوی، عہدِ ابوبکر اور دورِ عمری کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں اکٹھی دینا ایک طلاق شمار کی جاتی تھی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ اس معاملے میں عجلت سے کام لینے لگے ہیں، جس میں انہیں سوچ و بچار، تحمل اور عدم

---

① ضعیف جداً، سلسلة الاحادیث الضعيفة: ١٢١١۔

② ضعیف، سنن ابی داود: ٢٢٠٦؛ سنن ترمذی: ١١٧٧۔

③ صحیح مسلم: ١٤٧٢۔

عجلت کا حکم تھا، اگر ہم اسی کا ہی اجرا کر دیں تو کیسا رہے، تو اس کے بعد طلاقِ ثلاثہ تین شمار کی جانے لگیں۔ ①

عکرمہ رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، پھر سخت غم لاحق ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے استفسار کیا: ''تم نے کیسے طلاقیں دیں؟'' عرض کی تین دی ہیں، فرمایا: ''ایک ہی مجلس میں؟'' عرض کی: جی ہاں؟ فرمایا: ''یہ ایک ہے، چاہو تو رجوع کر لو۔'' تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ ② اسے احمد اور ابو داود نے نقل کیا، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے۔ ③ میں لکھتے ہیں: شرعی ادلہ یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو طلاقِ ثلاثہ کے لاگو ہونے کے لزوم کو موجب ہو! بالیقین نکاح ثابت رہے گا اور بالیقین ایسی خاتون (جسے تین طلاقیں یکبارگی دی گئی ہوں) غیر کے لیے حرام ہوگی اور اسے تین شمار کرنے اور غیر کے لیے اسے مباح قرار دینا، حلالہ کے نکاح کا راستہ اور ذریعہ ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے اور نکاحِ حلالہ کا عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین کے عہود میں رواج نہ تھا، کہیں منقول نہیں کہ تیسری طلاق کے بعد نکاحِ حلالہ کے ذریعے کوئی عورت اپنے سابقہ شوہر کی طرف واپس کی گئی ہو۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا جائے، لعنت فرمائی ہے! آگے لکھتے ہیں: بالجملہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی امت کے لیے شرع لازمی کیا، اس کا بدل دینا ممکن نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو اب کوئی نسخ و تبدل نہیں ہو سکتا۔

ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ

---

① صحيح مسلم: ١٤٧٢۔

② ضعيف، سنن أبي داود: ٢٢٠٦؛ مسند أحمد: ١/ ٢٦٥۔

③ فتاوى ابن تيمية: ٣/ ٢٢۔

ثابت ہے کہ طلاقِ ثلاثہ آپ ﷺ کے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے ابتدائی دو برسوں میں ایک شمار کی جاتی تھی اور بُعد کے باوجود اس کا مفہوم یہی مراد لیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام اسی پر عمل پیرا تھے اور نبی کریم ﷺ کو اس کا بلاغ نہیں ہو سکا، اگرچہ یہ سمجھنا تقریباً مستحیل ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ آپ ﷺ کی حیات میں اسی پر کار بند تھے اور آپ کے بعد جناب صدیقِ اکبر کے دور میں اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی یہی فتوی دیا تھا، تو یہ آپ کا فتوی اور آپ کے صحابہ کا عمل، گویا یہی انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، (گویا تلقی بالقبول حاصل ہے) اور کوئی شے اس کے معارض نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے دور میں رائے یہ بنی کہ طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی لاگو کر دیں اور یہ بطورِ سزا تاکہ لوگ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے باز آجائیں اور یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جس کی غایت ان کے پیشِ نظر ایک مصلحت تھی، تو نبی کریم ﷺ کے فتوی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کا اس وجہ سے ترک کر دینا جائز نہیں، تو یہ ہے اس مسئلہ کی حقیقت! اب اس کے ظہور کے بعد جو چاہو کہتے پھرو۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ مؤلف البحر نے سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بھی یہی ہے، اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما طاوس، عطاء، جابر بن زید، الهادی، قاسم، محمد الباقر، احمد بن عیسی اور عبد اللہ بن موسی بن عبد اللہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مؤقف تھا، زید بن علی سے بھی یہی منقول ہے، متأخرین کی ایک جماعت نے یہی اختیار کیا، ان میں امام ابن تیمیہ، ابن قیم رحمہما اللہ اور محققین کی ایک جماعت ہے، ابن مغیث رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الوثائق میں اسے محمد بن وضاح رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا اور مشائخِ قرطبہ کی ایک جماعت کا یہی فتوی ذکر کیا، ان میں محمد بن بقی اور محمد بن عبد السلام وغیرہما ہیں، امام ابن منذر رحمہ اللہ نے ابن عیسٰی کے اصحاب امام عطاء، امام طاوس، امام عمرو بن دینار رحمہم اللہ سے بھی یہی نقل کیا، ابن مغیث رحمہ اللہ نے یہی مؤقف سیدنا علی، ابن مسعود، ابن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا، مصری عائلی قانون میں ۱۹۲۹ء کے

قانون ۲۵ کی تین نمبر شق کے تحت لکھا ہے: جو طلاق کسی مخصوص عدد کے ساتھ لفظاً یا اشارۃً دی گئی، تو وہ ایک ہی واقع ہوگی۔ ①

جہاں تک طلاقِ ثلاثہ کے مطلقاً ہی عدم وقوع کے قائلین کی حجت، تو وہ یہ کہ یہ بدعی طلاق ہے اور بدعی طلاق ان کے نزدیک واقع نہیں ہوتی، بلکہ وہ لغو شمار ہوگی، یہ مؤقف بعض تابعین سے نقل کیا گیا ہے، ابن علیہ، ہشام بن حکم، ابو عبیدہ، ظاہر یہ اور الباقر اور جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی فتوی و مسلک تھا اور ان سب کا بھی جو کہتے ہیں کہ طلاقِ بدعی واقع نہیں ہوتی، کیونکہ ایک ہی لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دینا، یکبارگی یا پے در پے مشروع نہیں، جن حضرات نے مدخولہ اور غیر مدخولہ مطلقہ کا تفرقہ کیا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب کی ایک جماعت اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ ہیں۔

طلاقِ البتہ

امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحابہ وغیرہم کے اہلِ علم نے طلاقِ البتہ کے بارے باہم اختلاف کیا ہے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اسے ایک گردانتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کا تین ہونا منقول ہے، بعض اہلِ علم کی رائے ہے کہ اس ضمن میں آدمی کی نیت کا اعتبار ہوگا تو اگر ایک کی نیت کی ہے، تو ایک اور اگر تین کی نیت کی تھی، تو تین اور اگر دو کی نیت کی تھی تو ایک شمار ہوگی، یہ امام ثوری رحمہ اللہ اور اہلِ کوفہ کا قول ہے! امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر مدخولہ بیوی ہے، تب تین شمار ہوں گی، امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے میں اگر ایک کی نیت تھی تو ایک، دو کی تھی تو دو اور اگر تین کی تھی تو تین باور ہوں گی۔

---

① محشی لکھتے ہیں: اس قانون کے وضاحتی بیانیے میں لکھا ہے کہ ایک ہی طلاق واقع ہونے کے قول کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ اسی میں خاندان کی خوش نصیبی ہے۔ اور لوگوں کو حلالہ کروانے جیسے مسئلے سے روکنا ہے، جو شریعت مطہرہ کی پیشانی کا بدنما داغ بن چکا ہے۔ حالانکہ دین اس سے بریٔ الذمہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کی ہے، اسی طرح (اس کا مقصد) لوگوں کو مختلف طریقوں کے حیلے بہانے تلاش کرنے سے روکنا بھی ہے، جو وہ طلاق ثلاثہ سے چھٹکارا پانے کے لیے ڈھونڈتے ہیں اور نہ ہی یہ طریقہ اصولِ دین سے کوئی مطابقت رکھتا ہے۔

طلاقِ رجعی اور طلاقِ بائنہ

طلاق یا تو رجعی ہوتی ہے یا بائن اور بائن یا تو صغریٰ بینونت (یعنی ایسی علیحدگی جس کے بعد رجوع کرنا ممکن ہے) والی ہوگی یا کبریٰ والی اور ہر نوع کے لیے خاص احکام ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

طلاقِ رجعی

یہ وہ طلاق جو آدمی اپنی اس بیوی کو دے، جس کے ساتھ حقیقی دخول ہو چکا ہے اور یہ طلاق دینا کسی مال کے عوض میں نہ ہو (یعنی عورت نے اس کا مطالبہ نہ کیا ہو) اور اس سے قبل اسے اصلاً ہی کوئی طلاق نہ دی ہو یا ایک دے چکا ہو، اس امر میں فرق نہیں کہ یہ طلاق صریحاً ہو یا کنایۃً ، اگر بیوی کے ساتھ حقیقی دخول نہ ہوا ہو یا مال کے عوض طلاق دی ہو یا یہ تیسری طلاق ہو تو یہ بائنہ کہلائے گی ، اس میں اصل یہ آیتِ کریمہ ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) ’’یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔‘‘ یعنی جو طریقہ طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے، وہ یہ کہ وقفہ سے مرۃً بعد مرۃٍ (یکے بعد دیگرے) ہو اور پہلی طلاق کے بعد شوہر کے لیے جائز ہو کہ وہ رجوع کر سکے، جیسا کہ یہ دوسری دفعہ طلاق دینے کے بعد بھی اس کے لیے جائز ہوگا، رجوع کا حق طلاقِ رجعی ہونے کی صورت میں ہی ہوتا ہے، قرآن میں ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ (البقرۃ:۲۲۸)

’’اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رہیں اور اگر وہ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں، تو ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے، اس کو چھپائیں اور ان کے خاوند

اگر رجوع کرنا چاہیں تو وہ انہیں اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔"

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: "ابن عمر سے کہو کہ ابھی اصلاح (رجوع) کر لے۔" تیسری دفعہ کی طلاق عورت کو حتمی طور پر علیحدہ کرنے والی اور اسے حرام کر دینے والی ہوتی ہے اور اب کسی اور سے ایسی شادی کر کے جس کا مقصد حلالہ نہ ہو اور (اتفاقاً) طلاق ہو کر ہی وہ سابقہ شوہر کے لیے حلال ہوگی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ (البقرة: ٢٣٠) "پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔" تو یہاں تیسری طلاق مراد ہے، دخول سے قبل طلاق بھی بیوی کے لیے بائنہ ہوتی ہے، کیونکہ اس حالت میں مطلقہ پر عدت عائد نہیں اور رجوع صرف عدت کے اندر ہی ہوتا ہے، تو جب عدت ہی نہ ہوئی تو رجوع بھی نہ ہوا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾ (الأحزاب: ٤٩)

"مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو، تو تمہیں کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ، ان کو کچھ فائدہ (خرچ) دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔"

اور دخول سے قبل اور خلوت کے بعد مطلقہ بائنہ ہے، اس پر عدت کا وجوب احتیاط کی نوع سے ہے نہ کہ رجوع کی وجہ سے جبکہ مال کے عوض طلاق دینا اس طرح سے ہوگا کہ بیوی اس کا مطالبہ کرے (خلع لے) اور اس سے خلاصی پانے کے لیے کچھ مال پیش کرے، تو اگر شوہر قبول کر کے طلاق دیدے تو یہ بائنہ ہوگی، کیونکہ عورت نے مال عوض

کی نظیر دیا ہے اور وہ اس کا اس کے حبالہ عقد سے نکلنا چاہتی ہے اور یہ تبھی ممکن ہوگا، جب اس طلاق کو بائنہ قرار دیں، قرآن میں ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾
''اگر خدشہ ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو کچھ دے دلا کر علیحدگی (خلع) کرنے میں حرج نہیں۔'' (البقرۃ: ۲۲۹)

طلاقِ رجعی کا حکم

یہ بیوی کے ساتھ استمتاع سے مانع نہیں ہوتی، کیونکہ ابھی عقدِ زواج ختم نہیں ہوا اور نہ وہ اس کے نکاح کے دائرے سے نکلی ہے، تو جب تک مطلقہ اپنی عدت میں ہے، شوہر کو حقِ رجوع حاصل ہے، اگر رجوع کیے بغیر عدت گزر گئی، تب وہ اس سے جدا ہوئی اور اگر عدت کے دوران میں دونوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے، تو وراثت کا تعلق برقرار رہے گا اور دورانِ عدت میں بیوی کا نان ونفقہ بھی شوہر کے ذمہ ہوتا ہے اور اگر مہر موت یا طلاق تک موجل کیا تھا، تو رجعی طلاق دینے پر وہ واجب الاداء نہ ہوگا، ہاں مدت گزر جانے پر اس کی ادائیگی ضروری ہے، عدت کے دوران میں رجوع شوہر کا حق ہے، جسے شارع نے اس کے لیے ثابت کیا ہے (اور وہ یا کوئی اور) اس کے اسقاط کا مالک نہیں، اگر شوہر نے کہا تھا کہ مجھے رجوع کا حق نہ ہوگا، تو وہ اس قول سے رجوع کا حق بھی محفوظ رکھتا ہے اور اسے بیوی سے مراجعت کر لینے کا حق ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (البقرۃ:۲۲۸) ''اور ان کے خاوند اس مدت میں انھیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' تو رجوع چونکہ شوہر کا حق ہے، لہٰذا اس کے لیے بیوی کی رضامندی اور اس کا اسے علم ہونا مشروط نہیں اور نہ اس ضمن میں اس کے ولی کی ضرورت ہے اور نہ گواہ بنانے کی، البتہ یہ مستحب ضرور ہے تاکہ بعد ازاں بیوی انکار نہ کر سکے کہ رجوع نہ کیا تھا، کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (الطلاق:۲) ''نیک لوگوں کو گواہ بناؤ۔''

رجوع قول کے ساتھ بھی صحیح ہے، مثلاً کہے: میں نے تم سے رجوع کیا، یا بالفعل کرے کہ (اسے گھر لے آئے اگر نکال دیا تھا) یا جماع اور بوس و کنار کر لے! امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ رجوع صرف صریح قول کے ساتھ ہی ہوگا۔ اس شخص کی نسبت جو اس پر قادر ہے، جماع وغیرہ کے ساتھ صحیح نہیں، ان کی حجت یہ ہے کہ طلاق نکاح زائل کر دیتی ہے، امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صرف جماع سے رجوع نہ ہوا، جب تک زبان سے بھی نہ کہے اور گواہ بنائے اور عدت پوری ہونے سے قبل بیوی کو اس کی خبر دے، اگر بغیر گواہ بنائے رجوع کر لیا، تو وہ رجوع کرنے والا شمار نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق: ٢) ''پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں، تو انہیں اچھے طریقے سے روک لو یا اچھے طریقے سے جدا کر دو اور اپنوں میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو۔'' تو اللہ تعالیٰ نے رجوع، طلاق اور اِشہاد (گواہ بنانے) کے مابین تفرقہ کیا ہے (الگ الگ ذکر کیا) تو ان کا ایک دوسرے سے الگ کرنا جائز نہیں، گویا جس نے بغیر دو عادل گواہوں کی موجودگی کے طلاق دی یا رجوع کیا تو وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) [1] جس نے سنت کے مطابق کوئی کام نہ کیا تو وہ لاگو نہیں ہوگا۔ اور ابو داود، ابن ماجہ، بیہقی اور طبرانی نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ان سے اس آدمی کے بارے سوال ہوا جو اپنی بیوی کو طلاق دے پھر اس سے جماع کر لے اور طلاق پر اور پھر رجوع پر گواہ نہ بنائے تو کہا: اس نے طلاق بھی غیر مسنون طریقہ پر دی اور رجوع بھی اور یہ شمار نہ ہوگی، (طلاق اور رجوع پر گواہ بناؤ اور آیندہ) ایسا نہ کرنا۔ [2]

امام شافعی رحمہ اللہ کی طلاق کو نکاح زائل کرنے والی قرار دینے کی حجت امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ظاہر وہی جو اولین نے اختیار کیا، کیونکہ عدت مدتِ خیار ہے اور

---

[1] صحیح البخاری تعلیقا: ١٣/ ٣٥٧؛ صحیح مسلم: ١٧١٨۔

[2] صحیح، سنن أبی داود: ٢١٨٦؛ سنن ابن ماجه: ٢٠٢٥۔

اختیار بالقول بھی درست ہے اور بالفعل بھی نیز قولہ تعالیٰ: ﴿وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ کا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے قول: ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا)) کا ظاہر یہ ہے کہ بالفعل رجوع جائز ہے، کیونکہ آپ نے قول کو فعل سے خاص نہیں کیا اور جو اختصاص کا دعوی کرے، وہ دلیل پیش کرے۔ [1]

شوہر رجعی مطلقہ پر کس حد تک مطلع ہو سکتا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، کوئی حرج نہیں کہ رجعی مطلقہ اپنے شوہر کے لیے تزین و آرائش کرے، خوشبو لگائے، زیور پہنے اور اپنی آرائش ظاہر کرے (یعنی معاملہ رفع دفع کرنے کی خاطر اور تا کہ شوہر رجوع کر لے) لیکن شوہر اس کے پاس اطلاع کر کے ہی آئے یا تو بول کر یا مثلاً کھانس کر یا چلنے کی آواز نکال کر، امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ رجعی طلاق یافتہ بیوی اپنے شوہر پر حرام ہے، جب تک وہ باقاعدہ رجوع نہ کر لے، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ اب اس کے ساتھ خلوت میں نہ ہو اور نہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس داخل ہو اور نہ اس کے بالوں کی طرف دیکھے، ہاں کسی اور کی موجودگی میں کھانا اکٹھے کھایا جا سکتا ہے، امام ابن قاسم رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کھانا کھانے کی اباحت کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

طلاق رجعی اس تعداد میں کمی کر دے گی، جس کا ایک شوہر مالک ہوتا اور حق رکھتا ہے، اگر یہ پہلی تھی تو رجوع کے بعد اب اس کے پاس دو طلاقوں کا حق رہ گیا اور اگر یہ دوسری تھی، تب ایک کا حق رہ گیا، بلکہ اگر عدت گزر نے دی اور رجوع نہ کیا پھر بیوی نے کسی سے شادی کر لی اور اتفاقاً اس سے طلاق پا کر پھر اس سے نکاح کر لیا، تو اس کی دی ہوئی طلاق/طلاقیں اپنی جگہ باقی اور برقرار ہیں اور اس کی دوسری شادی اس ایک یا دو طلاقوں کی گنتی کو منہا نہ کرے گی (آگے اس مسئلے کی تفصیل آ رہی ہے) کیونکہ منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص بارے سوال ہوا جس نے اپنی زوجہ کو دو طلاقیں دی تھیں

[1] نیل الأوطار: ٢/ ٢١٤۔

اور عدت گزر گئی اور اس کی بیوی نے نئی شادی کر لی، جس نے بعد ازاں اسے طلاق دے دی تو اس عورت نے پہلے شوہر سے شادی کر لی، تو اس کی بابت کہا کہ اس کے پاس اب ایک طلاق کا حق باقی ہے۔① یہ سیدنا علی، زید، معاذ، ابن عمرو رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔

طلاقِ بائنہ

پہلے گزرا کہ یہ وہ طلاق ہوتی ہے، جو تین کا عدد مکمل کرے، اور وہ طلاق جو دخول سے قبل دی اور وہ جو مال کے عوض میں دی، امام ابن رشد رحمہ اللہ بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: جہاں تک طلاقِ بائنہ تو علماء متفق ہیں کہ دخول سے قبل کی طلاق یا تیسری ہونے کے نتیجہ میں مکمل علیحدگی ہو جاتی ہے، البتہ خلع کے باب میں ان کے ہاں اختلافِ اقوال ہے کہ کیا یہ طلاق ہے یا فسخ؟ اس امر پر متفق ہیں کہ آزاد عورت کی طلاق میں جدائی کی موجب تین طلاقیں ہوتی ہیں، جب وہ الگ الگ دی جائیں، کیونکہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) ''یہ طلاق (رجعی) دوبار ہے۔'' اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر تینوں طلاقیں لفظاً نہ کہ فعلاً یکبارگی دے دیں۔② (تو آیا یہ بھی جدائی کی موجب ہیں، جیسا کہ تفصیل گزری) امام ابن حزم رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ بائنہ طلاق وہ جو تین کی تعداد مکمل کرنے والی ہو یا جو دخول سے قبل دی ہو، ان دو کے سوا کوئی طلاق بائنہ نہیں، کہتے ہیں کتاب و سنت میں ہمیں یہی دو ملتی ہیں، ان کے سوا جو کچھ کہا گیا وہ ذاتی رائے پر مبنی ہے، لہٰذا اس میں حجت نہیں۔③

اس کی اقسام

یہ دو قسمیں ہیں، ایک جو صغریٰ جدائی کی موجب ہو اور یہ پہلی اور دوسری طلاق اور دوم جو کبریٰ (اور حتمی) جدائی کی موجب بنے اور یہ تیسری طلاق ہے۔

---

① صحیح، المؤطا امام مالک: ۲/۵۸۶؛ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند صحیح قرار دیا۔
② بدایۃ المجتہد: ۲/۶۰۔ ③ المحلی لابن حزم: ۱۰/۲۱۶، ۲۴۰۔

صغریٰ جدائی والی طلاق کا حکم

یہ مجرد اپنے صادر ہونے سے ہی قیدِ زوجیت زائل اور ختم کر دے گی اور اگر وہ رابطۂ زوجیت کی مزیل ہو تو مطلقہ اپنے شوہر کے لیے اجنبی ہو جائے گی، اس کے لیے اس کے ساتھ وہ مہر واجب الاداء ہو جائے گا، جو دو میں سے ابعد اجل تک موجل کیا تھا، یعنی موت یا طلاق اور اس صغریٰ بینونت والی مطلقہ کا شوہر حق رکھتا ہے کہ وہ اسے اپنے دائرۂ نکاح میں نئے عقد اور مہر کے ساتھ واپس کر لے (اگر ابھی اس نے کسی اور جگہ شادی نہیں کی، اگر یہ کیا تو اب اس کے پاس باقی ماندہ طلاقیں دینے کا حق ہے)۔

بینونتِ کبریٰ والی طلاق کا حکم

یہ صغریٰ بینونت والی طلاق کی مانند قیدِ زوجیت زائل کر دیتی ہے اور اسی کے تمام احکام کی حامل ہے، البتہ اب وہ بیوی کو واپس اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا، مگر اس صورت میں کہ وہ کسی اور سے صحیح نکاح کے ساتھ شادی کرے (یعنی حلالہ کی غرض سے نہیں) اور وہ نیا شوہر بغیر ارادۂ تحلیل کے اس کے ساتھ جماع کرے، قرآن میں ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰) ''پھر اگر وہ اسے تیسری طلاق دے دے، تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو گی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔'' تو یہ تیسری طلاق مراد ہے، نبی کریم ﷺ نے رفاعہ کی (سابقہ) بیوی سے کہا تھا اب تم واپس اس کی طرف نہیں جا سکتی، حتی کہ تم اس (نئے شوہر) کا ذائقہ نہ چکھ لو اور وہ تمہارا۔''[1] اسے بخاری و مسلم نے نقل کیا۔

مسئلۂ ہدم

متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اگر کبریٰ بینونت والی خاتون نے شادی کر لی، پھر طلاق پالی اور عدت پوری ہونے پر اگر پہلے شوہر کے پاس واپس ہو گئی، تو یہ واپسی نئے عقد اور

[1] صحيح البخاري: ٥٢٦٠؛ صحيح مسلم: ١٤٣٣۔

بندھن کے ساتھ ہے اور اب طلاقوں کا معاملہ نئے سرے سے شروع ہوگا اور اس کے پاس تین طلاقوں کا حق ہے، کیونکہ پہلے عقد میں وہ اپنی تین طلاقوں کا حق استعمال کر چکا ہے، جبکہ صغری بینونت والی خاتون نے اگر نئی شادی کی پھر طلاق پا کر اور عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر لیا، تو وہ بھی اس کبری بینونت والی کی مثل ہوئی تو وہ نئے بندھن کے ساتھ اس کے پاس واپس جائے گی اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اب نئے سرے سے اس کے شوہر کو تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کی رائے میں صرف باقی ماندہ طلاق/طلاقوں کا حق ہوگا، تو یہ اس کی مثل ہے جسے طلاقِ رجعی ہوئی یا صغری بینونت کے بعد پھر سے (اسی شوہر کے ساتھ) عقدِ جدید ہوا ہو، اس مسئلہ کو (فقہی اصطلاح میں) مسئلہِ ہدم کا نام دیا گیا، یعنی آیا دوسرا شوہر اگر تین سے کم طلاقیں ہوئی تھیں تو انہیں ہدم (کالعدم) کرے گا یا نہیں۔

مرض الموت میں مبتلا کی طلاق

کتاب وسنت میں اس بابت کوئی حکم وارد نہیں، البتہ ثابت ہے کہ سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ تماضر کو مرض الموت میں تیسری طلاق دی تھی، جبکہ دو طلاقیں پہلے بھی دے چکے تھے، تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ وہ ان کے ترکے سے اپنا حصہ وصول کرے گی اور کہنے لگے: میں انہیں (عبد الرحمن کو) متہم نہیں کرتا یعنی کہ ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے مرض الموت میں طلاق دی ہوگی، لیکن میں نے چاہا کہ سنت نافذ کروں اور وارد ہے کہ خود سیدنا ابن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: میں نے اسے ضراراً اور فراراً (نقصان دینے اور وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے) طلاق نہیں دی، اسی طرح منقول ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ ام البنین بنت عیینہ بن حصن فزاری کو ایام محاصرہ میں طلاق دے دی تھی، انہوں نے ان کی شہادت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آکر اس کی خبر دی اور انہوں نے بھی ان کے ترکے سے ان کا حصہ دیا تھا، بہر حال فقہاء نے مرض الموت میں طلاق دینے کے بارے باہم اختلاف کیا ہے، احناف کے نزدیک

اگر طلاقِ بائنہ دی اور پھر یہ بیماری مرض الموت ثابت ہوئی، تو وہ میراث سے حصہ پائے گی، لیکن اگر عدت گزر جانے کے بعد انتقال ہوا، تب نہیں (کیونکہ تب یہ مرض الموت نہ بنی) اور یہ حکم اس صورت میں بھی ہے کہ (میدانِ جنگ میں) کسی کو دعوتِ مبارزت دی یا قصاص میں یا زنا ثابت ہونے پر رجم کا سزاوار بنا (تو اس اثناء بیوی کو طلاق دے دی، تو وہ میراث سے محرم نہ ہوگی) اگر بیوی کے مطالبے پر طلاقِ بائنہ دی یا اسے کہا: فیصلہ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں، تو بیوی نے جدا ہونا اختیار کیا یا اس نے خلع لیا، پھر شوہر مر گیا اور وہ ابھی عدت میں تھی تو وہ ترکے سے حصہ نہ پائے گی، دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اول صورت میں طلاق مریض سے صادر ہوئی ہے اور یہ مشعر ہے کہ اس نے اس غرض سے طلاق دی ہے، تاکہ ترکے سے اسے محروم کرے، تو اس کے قصد کا نقیض معاملہ کیا جائے گا اور اس کے حقِ میراث کا اثبات کیا جائے گا، جسے روکنے کا وہ خواہاں ہوا ہے، اسی لیے اس قسم کی طلاق کو طلاق الفارّ کہتے ہیں۔

جہاں تک دوسری صورت تو اس طلاق کی بابت یہ قصد ہونا متصور نہیں، کیونکہ اس نے تو بیوی کے مطالبہ پر طلاق دی ہے یا اس نے خلع لیا ہے یا اختیار ملنے پر خود علیحدگی اختیار کی ہے، اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو محصور یا میدانِ قتال میں ہے تو اپنی زوجہ کو طلاقِ بائنہ دے دی، امام احمد اور امام ابن ابو لیلی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اسے عدت پوری ہونے کے بعد میراث سے حصہ ملے گا، اگر کسی اور سے شادی نہ کر لی ہو، امام مالک اور امام لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ ترکے کی حق دار ہے، چاہے عدت میں ہو یا نہ ہو اور چاہے نئی شادی کرے یا نہیں! امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وارث نہ بنے گی۔

بدایۃ المجتہد میں ہے کہ سببِ اختلاف سدِ ذریعہ کے ضابطہ کو بروئے کار لانے کے وجوب کے بارے میں ان کا باہمی اختلاف ہے، جب مریض کے بارے میں شبہ ہو کہ اس لیے طلاق دے رہا ہے، تاکہ اسے حقِ میراث سے محروم کر دے، تو جو حضرات سدِ ذریعہ کے قائل ہیں، وہ اسے میراث کا حصہ دار قرار دیتے ہیں اور جو حضرات اس کے قائل نہیں، انہوں نے صرف وجوبِ طلاق مدنظر رکھتے ہوئے اسے میراث کا حقدار نہ

سمجھا، اس لیے کہ یہ حضرات کہتے ہیں اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو ضروری ہے کہ اسے اس کے کل احکام کے ساتھ واقع کہیں، وہ کہتے ہیں: اگر بیوی فوت ہو جائے تو (طلاق دینے والا) شوہر اس کا وارث نہیں بنتا، اگر طلاق واقع نہیں ہوئی تو زوجیت اپنے تمام احکام سمیت باقی اور برقرار ہے۔

مخالفین پر دونوں جوابوں میں سے ایک جواب قرار دینا لازم ہے، کیونکہ یہ کہنا مشکل ہے کہ شرع میں طلاق کی ایک نوع ایسی ہے جس کے لیے تمامیت نہیں بلکہ بعض اس کے اور بعض زوجیت کے متعلقہ احکام لاگو ہوتے ہیں اور اس سے بھی مشکل تر یہ کہنا کہ یہ طلاق صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ (تب) یہ طلاق صحت اور عدمِ صحت کے لحاظ سے موقوف الحکم ہوگی، لیکن اس کے قائلین اس امر سے حجت پکڑ سکتے ہیں کہ یہ سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا فتوی و فیصلہ ہے، بلکہ مالکیہ نے تو اس پر اجماع کا دعوی کیا، لیکن یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ ابو الزبیر کا اختلافی قول مشہور ہے، جن حضرات کی رائے میں اگر ابھی عدت میں تھی تو وارث بنے گی، تو یہ اس لیے کہ عدت میں بعض احکامِ زوجیت برقرار رہتے ہیں، گویا ان کے ہاں وہ رجعی طلاق یافتہ سے مشابہ ہے، یہ قول سیدنا عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جنہوں نے اس کے وارث ہونے کی یہ شرط عائد کی کہ وہ نئی شادی نہ کرے، تو انہوں نے اہلِ اسلام کا اس امر پر اجماع ملحوظ رکھا ہے کہ ایک عورت دو شوہروں کے ترکے کی وارث نہیں بن سکتی اور اس لیے کہ موجبینِ میراث کے ہاں یہ تہمت (یعنی شبہ و الزام) کی علت ہے کہ شاید ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے طلاق دی ہو، کہتے ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر بیوی نے خود طلاق کا مطالبہ کیا یا شوہر نے اسے اپنے معاملے کا اختیار دیا تھا اور اس نے علیحدگی کا فیصلہ کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اب اصلاً ہی وارث نہ بنے گی، امام اوزاعی رحمہ اللہ نے تملیک (حقِ طلاق کا بیوی کو مالک بنانا) اور طلاق کے مابین فرق کیا ہے اور کہا: تملیک میں وہ ترکہ کی حقدار نہیں طلاق کی صورت میں ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے سب کا تسویہ کیا حتی کہ کہا: اگر بیوی مرگئی تو شوہر (جس نے طلاق دی ہے یا بطورِ خلع و تملیک

بیوی نے جس سے علیحدگی کی ہے) اس کی میراث سے حصہ نہ پائے گا اور اگر وہ فوت ہوا تو بیوی اس کے ترکہ سے اپنا حصہ وصول کرنے کی حقدار ہوگی، لیکن یہ بات اصول کے نہایت مخالف ہے۔[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مریض کی طلاق صحیح کی طلاق کی مثل ہے اور کوئی فرق نہیں کہ یہ مرض اس کی مرض الموت بنی یا نہیں بنی، تو اگر مریض نے تین طلاقیں دی ہیں یا تیسری دی ہے یا (کسی طہر میں) جماع کرنے سے قبل پھر شوہر فوت ہوگیا یا وہ عدت پوری ہونے سے قبل فوت ہوگئی یا طلاقِ رجعی تھی، مگر اس نے رجوع نہ کیا: حتی کہ فوت ہوگیا یا بیوی عدت پوری ہونے کے بعد فوت ہوگئی تو ان سب صورتوں میں وہ اس کے ترکے کی حقدار نہیں ہے اور وہ تو اصلاً ہی اس کا وارث نہ بنے گا، اسی طرح صحیح کی مریضہ کو یا مریض الموت کی مریضۃ الموت بیوی کو طلاق دینے میں فرق نہیں، اسی طرح اس کی طلاق بھی جو معرضِ قتل میں ہے اور حاملہ خاتون کی طلاق بھی جس کا حمل آخری ایام میں ہے، بہر حال یہ اختلافی مسئلہ ہے۔[2]

طلاق بذریعہ وکیل ونمائندہ

طلاق شوہر کے حقوق میں سے ایک حق ہے، وہ بذاتِ خود بھی طلاق دے سکتا ہے اور کسی نمائندے کو بھی مقرر کرسکتا ہے کہ وہ اس کی جانب سے طلاق پہنچائے اور یہ وکیل یا نمائندہ اس کے حق کا اِسقاط نہیں کرسکتا اور نہ اسے منع کر سکتے ہیں، جب دینا چاہے۔ ظاہریہ نے اس میں مخالفت کی، ان کے نزدیک نہ تو بیوی کو علیحدگی کے بارے میں فیصلہ سازی کا اختیار دینا جائز ہے اور نہ طلاق میں کسی کو وکیل بنانا، بقول امام ابن حزم رحمہ اللہ جس نے بیوی کو فیصلے کا اختیار دیا تو اس پر اس کا لزوم نہ ہوگا اور نہ وہ طلاق دینے والی بن سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقِ طلاق شوہروں کے ساتھ خاص کیا ہے۔

---

① بدایۃ المجتهد: ۲/۸۶، ۸۷۔

② المحلی: ۱۰/۲۲۳۔

یہ حق تفویض کرنے کے کئی الفاظ اور صیغے ہیں، مثلاً:

① اختاری نفسك (بیوی سے کہے کہ اپنے لیے کوئی بھی راہ پسند کرلو)

② أَمْرُكِ بِيَدِكِ. (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے)

③ ''طَلِّقِيْ نَفْسَكِ إِنْ شِئْتِ'' اگر چاہو تو اپنے آپ کو طلاق دے دو۔

فقہاء کے ہاں ان سب الفاظ کے بارے میں اختلاف ہے اور کئی مذاہب اختیار کیے ہیں، جن کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

بیوی سے کہنا: (اِخْتَارِيْ نَفْسَكِ) (لفظی ترجمہ ہے: خود مختار ہو جاؤ)

فقہاء اس لفظ کے ساتھ وقوعِ طلاق کے قائل ہیں (یعنی جواب میں اگر بیوی نے علیحدگی اختیار کرلی) کیونکہ شرع نے اسے طلاق بنایا ہے۔ اس بابت قرآن میں ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٢٨﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی طلبگار ہو، تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ، اس کے پیغمبر اور آخرت کے گھر (بہشت) کی طلب گار ہو، تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں، ان کے لیے اللہ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' (الأحزاب: ٢٨۔٢٩)

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ (سب سے پہلے) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں تمہارے سامنے ایک معاملہ رکھنا چاہتا ہوں، جو اللہ کی طرف سے ہے، لٰہذا مجھے ایسا کرنے کا حکم ملا ہے، تم جلد بازی نہ کرنا، حتی کہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کرلو۔'' انہوں نے کہا: وہ کیا ہے یا رسول اللہ؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی، وہ بولیں: کیا آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں تو اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں نیز آپ سے مطالبہ کرتی ہوں کہ میرے اس

جواب کی کسی میری سوتن کو خبر نہ دیں تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے کسی کے لیے تکلیف ولغزش کا خواں بنا کر نہیں بھیجا۔'' پھر سب کو باری باری یہی بات کہی، تو سب کا جواب وہی تھا، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ ① بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا، تو ہم نے آپ کو اختیار کیا اور آپ نے اسے کوئی چیز نہ سمجھا (یعنی اس اختیار دینے کو ایک طلاق نہ سمجھا) ② مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر ازواج مطہرات میں سے کوئی اس کے جواب میں اپنے آپ کو اختیار کر لیتیں تو یہ طلاق شمار ہوتی اور یہ لفظ طلاق دینے میں مستعمل ہے۔ ③

اس کے بارے فقہاء میں سے کسی کا اختلاف نہیں، ہاں اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر بیوی ایسا ہونے پر اپنا آپ اختیار کر لے تو یہ کیسی طلاق ہے؟ بعض نے کہا: یہ ایک رجعی طلاق ہوگی، یہ سیدنا عمر، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، عمر بن عبدالعزیز، ابن ابولیلی، سفیان (ثوری) شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل تھے، بعض نے کہا: یہ ایک بائنہ طلاق ہوگی، یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، احناف کا بھی یہی مؤقف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر اس کے جواب میں اپنا آپ اختیار کر لیا، تو یہ تین طلاقیں ہوئیں اور اگر شوہر کو اختیار کر لیا، تو یہ ایک ہوئی، احناف نے اس صیغہ کے ساتھ وقوعِ طلاق میں یہ شرط عائد کی ہے کہ شوہر یا بیوی کی کلام میں نفس کا ذکر ہو، اگر مثلاً صرف (اِخْتَارِیْ) کہا (ساتھ نفسك نہیں کہا) اور جواباً اس نے کہا: (اِخْتَرْتُكَ) (میں نے تمہیں اختیار کیا) تو اس کے ساتھ کوئی شے واقع نہ ہوگی۔

② أَمْرُكِ بِيَدِكِ (یعنی تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے)

اگر اس کے جواب میں بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، تو یہ سیدنا عمر اور

---

① صحيح البخاري: ٤٧٨٦؛ صحيح مسلم: ١٤٧٥؛ وهذا لفظ للترمذي: ٣٣١٨۔

② صحيح البخاري: ٥٢٦٢؛ صحيح مسلم: ١٤٧٧۔

③ بقول محشی اہلِ ظاہر اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے آپ کو اختیار کر لیتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے باقاعدہ طلاق دیتے، یہ نہیں کہ فقط اپنا آپ اختیار کرنے پر یہ طلاق شمار ہو جاتی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک طلاق ہے، یہی سفیان، شافعی اور احمد رحمہ اللہ کا مذہب تھا، مروی ہے کہ ایک شخص سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میرا اپنی بیوی سے کوئی جھگڑا ہوا، تو اثنائے کلام اس نے کہا: اگر وہ حق جو تیرے ہاتھ میں ہے، میرے ہاتھ میں ہوتا تو تمہیں لگ پتہ جاتا کہ میں کیا کرتی ہوں! جواباً میں نے کہہ دیا ٹھیک ہے، وہ حق جو میرے ہاتھ میں ہے، تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں (اب کرلو جو کرنا ہے) تو اس نے کہا: میں نے تمہیں تین طلاقیں دیں! بتلایئے اب کیا کروں؟ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے ایک طلاق واقع ہوگئی ہے اور جب تک وہ عدت میں ہے، تم رجوع کا حق رکھتے ہو، میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے ملوں گا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھوں گا، جب انہیں یہ واقعہ بیان کیا تو پہلے تو انہوں نے ایسے لوگوں کو خوب بے نقط سنائیں اور کہا: اللہ نے جو حق ان کے ہاتھ میں رکھا ہے، وہ اسے بیویوں کے ہاتھ سونپ دیتے ہیں، پھر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے کیا جواب دیا؟ کہنے لگے میں نے کہا: ایک طلاق ہوگئی اور تمہی اب زیادہ حقدار ہو (کہ رجوع کرسکو) وہ بولے میری بھی یہی رائے ہے، اگر تم کوئی اور جواب دیتے تو اسے درست نہ سمجھتا۔[1] احناف کی رائے میں یہ ایک بائنہ طلاق ہوگی، کیونکہ شوہر کا بیوی کو اپنے حقِ طلاق کا مالک بنا دینا، اس کی اس سے حاکمیت کے زوال کو مقتضی ہے اور جب بیوی نے اسے اختیار کے ساتھ قبول کرلیا، تو واجب ہے کہ وہ اس سے زائل ہو (شوہر کا حقِ طلاق اور سلطان) اور یہ اس صورت میں حاصل نہ ہوگا، اگر کہیں کہ شوہر کو حقِ رجوع حاصل ہے۔

طلاق میں شوہر کی نیت معتبر ہوگی یا بیوی کی؟

(یعنی علیحدگی کا کوئی لفظ استعمال کرنے کے ضمن میں بیوی جو سمجھی اس کا اعتبار کرنا ہوگا یا شوہر سے وضاحت چاہی جائے گی کہ اس کی نیت کیا تھی) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اعتبار شوہر کی نیت کا ہوگا، اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہے، تو ایک اور اگر

---

[1] بدایۃ المجتہد: ۲/۶۷۔

تین کی تھی تو تین شمار کرنا ہوں گی اور اسے یہ حق بھی ہے کہ انکار کر دے کہ اس کی مراد طلاق تھی، اسی طرح تعداد کے بارے میں بھی اور اختیار دینے اور حقِ طلاق کا بیوی کو مالک بنانے میں بھی، دیگر کا مؤقف ہے کہ اگر بیوی نے ایک سے زائد طلاقوں کی نیت کی تھی، تو اس کے حسبِ نیت واقع ہوں گی (یعنی اس صورت میں کہ شوہر نے اسے حقِ طلاق تفویض کیا تھا) کیونکہ وہ اب تین کی بالتصریح مالک تھی، تو بالکنایہ بھی مالک ہے، جیسا کہ شوہروں کو یہ حق ہے، تو اگر اس نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دیں اور شوہر نے کہا: میں نے تو اسے ایک طلاق دینے کا حق تفویض کیا تھا، تو ان کے نزدیک اس کا یہ کہنا قابلِ التفات نہیں اور فیصلہ وہی لاگو ہوگا جو بیوی کرے، یہی سیدنا عثمان، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے! سیدنا عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی جیسا کہ گزرا۔

کیا بیوی کے ہاتھ میں اس طرح کا اختیار دینا اسی مجلس تک محدود ہے یا یہ دائمی طور پر اسے حاصل ہوا؟

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ المغنی میں لکھتے ہیں: اگر شوہر نے اپنی بیوی کے ہاتھ میں حقِ طلاق دیا، تو اب یہ دائمی طور پر اس کے پاس رہے گا، اسی مجلس کے ساتھ مقید نہیں، یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ابو ثور، ابن منذر اور حکم رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام مالک، امام شافعی اور احناف کے نزدیک یہ اسی مجلس تک محدود و مقصور ہے، مجلس سے اٹھ جانے کے بعد نہیں، اول رائے راجح ہے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے قصے میں جس نے اپنی بیوی کو یہ حق دیا تھا، کہا تھا کہ اب یہ حق اسی کے پاس رہے گا، حتی کہ وہ خود اس سے دستبردار ہو، کہتے ہیں: ہم صحابہ میں کوئی اس کا مخالف نہیں جانتے، لہٰذا یہ اجماع کی مانند ہے اور اس لیے کہ یہ طلاق کے ضمن میں ایک نوع کی توکیل ہے (کسی کو طلاق کے ضمن اپنا وکیل بنالینا، تو اس نے اپنی بیوی کو گویا اپنا وکیل بنالیا ہے) جیسا کہ اگر کسی اور شخص کو بنالیتا تو۔

شوہر کی جانب سے بیوی کو دیا یہ حق و اختیار واپس لے لینا

اگر شوہر نے یہ حق واپس لے لیا یا کہا میں نے وہ اختیار جو تجھے دیا تھا، اب فسخ کر دیا، تو یہ اختیار اب ختم ہوا، عطاء، مجاہد، شعبی، نخعی، اوزاعی اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، جبکہ زہری، ثوری، مالک رحمہ اللہ اور احناف کے نزدیک اسے واپس کر لینے کا حق نہیں، لہٰذا وہ رجوع کا بھی مالک نہ ہوگا (اگر بیوی نے طلاق دے دی) کہتے ہیں: اگر شوہر نے جماع کر لیا (یعنی بیوی کو حقِ طلاق دینے کے بعد) تو گویا یہ اس حق سے رجوع ہوا، کیونکہ یہ ایک قسم کی توکیل تھی اور اس امر میں تصرف کرنا جس میں کسی کو وکیل بنایا تھا، وکالت کا اِبطال کر دیتا ہے، اگر بیوی نے خود یہ حق شوہر کو واپس کر دیا، تو بھی یہ ختم ہوا، جیسا کہ وکالت مؤکل کے فسخ کرنے سے ختم ہوجاتی ہے۔

۳۔ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ إِنْ شِئْتِ "اگر چاہو تو اپنے آپ کو طلاق دے دو۔"

احناف کہتے ہیں: جس نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے آپ کو طلاق دے لو اور اس نے کسی طرح کی (تعداد کی) نیت نہ کی تھی یا ایک کی نیت کی تھی، تو اگر بیوی نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، تو یہ ایک رجعی شمار ہوگی اور اگر اس نے کہا: میں نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں اور شوہر کی مراد بھی یہی تھی، تو تین ہی واقع ہوں گی اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا: اپنے آپ کو طلاق دے لو تو اس نے کہا: "أَبَنْتُ نَفْسِيْ" میں نے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا، تو یہ طلاق شمار نہیں ہوگی اور اگر شوہر نے اس سے کہا: جب چاہو تو اپنے آپ کو طلاق دے لو، تو اب اسے اختیار ہے کہ اس مجلس میں یا بعد میں کسی بھی وقت اپنے آپ کو طلاق دے لے، اگر شوہر نے کسی آدمی سے کہا: میری بیوی کو طلاق دے دو (یعنی میری طرف سے) تو اسے اختیار ہے کہ اسی مجلس میں یا بعد ازاں کبھی بھی اس کی بیوی کو طلاق دے لے، اگر شوہر نے کسی آدمی سے کہا: میری بیوی کو اگر تم چاہو تو (میری طرف سے) طلاق دے دو تو یہ اختیار اسی مجلس کے ساتھ مقید ہوگا۔

توکیل: (طلاق کے لیے کسی کو وکیل بنالینا)

اگر اپنی بیوی کا معاملہ کسی کے ہاتھ میں دیا، تو یہ صحیح ہے اوراس کا حکم وہی کہ اگر بیوی کے ہاتھ میں یہ معاملہ دیا ہوتا، اسی مجلس میں بھی اور مابعد بھی، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس پر بیوی کے غیر کی نسبت موافقت کی ہے، کیونکہ یہ توکیل ہے تو برابر ہے کہ کہے: میری بیوی کا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے یا کہے، میں نے تمھیں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا یا کہا: میری بیوی کو طلاق دے دو! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب نے کہا: یہ اسی مجلس تک محدود ہے، کیونکہ یہ اختیار دینے کی ایسی نوع ہے جو اس امر کے مشابہ ہے کہ مثلاً (بیوی سے) کہے: "اِخْتَارِیْ" یعنی تمھیں اختیار ہے کہ چاہو تو میرے عقد میں رہو یا علیحدہ ہو جاؤ، مؤلف المغنی لکھتے ہیں: ہماری (حنبلیہ کی) دلیل یہ ہے کہ یہ توکیلِ مطلق ہے، تو اس کا اس مجلس کے بعد بھی استعمال درست ہے، جیسے کسی کو خرید وفروخت میں وکیل کر لیا جائے، تو جب یہ ثابت ہے تو اسے حق ہے کہ جب چاہے اسے طلاق دے، جب تک شوہر یہ حقِ وکالت فسخ نہیں کرتا یا وہ بیوی سے جماع کر لے نیز وکیل کو حق ہے کہ (مطلقاً یہ اختیار ملنے کی صورت میں) ایک طلاق دے یا تین دے، شوہر اسی کو وکیل بنا سکتا ہے، جسے وکیل بنانا جائز ہو یعنی عاقل اور بالغ، جہاں تک نابالغ یا دیوانہ تو ان کی توکیل صحیح نہیں، اگر بنایا اوراس نے طلاق دے دی، تو یہ واقع نہ ہوگی، احناف کے نزدیک ہو جائے گی۔

ان صیغوں میں تعمیم اور تقیید

یہ صیغے کبھی مطلق ہوں گے کہ شوہر بیوی کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں دیے بغیر، کسی شے کے ساتھ مقید کرے اور صیغے سے زائد کچھ نہ کہے، تو اس حالت میں بیوی کو اختیار ہوگا کہ فقط اسی مجلس میں (اگر چاہے تو) اپنے آپ کو طلاق دے، اگر وہ وہاں حاضر ہو اور اگر غائب ہو تو صرف اسی مجلس تک یہ اختیار محدود ہوگا، جس میں اسے اس کا علم ہوا اوراس نے اپنے آپ کو طلاق نہ دی، تو بعد ازاں وہ یہ حق استعمال نہیں کر سکتی،

کیونکہ صیغہ مطلق ہے، تو اسی مجلس کی طرف اسے منصرف کرنا ہوگا، بعد ازاں وہ مالک نہیں، یہ حکم اس حالت میں ہے کہ یہ حق تفویض کرنے کی تعیم پر دلیل کوئی قرینہ موجود نہ ہو کہ مثلاً عقد کے وقت ہی اسے یہ حق دے دیا ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ سوچنا معقول نہیں کہ اسی مجلسِ عقد تک منکوحہ کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا یہ اختیار محدود کرنے کا قصد تھا، لہٰذا دلالتِ حال کے باوصف یہ صیغہ اب تعیم کا افادہ دیتا ہے اور بیوی جب چاہے یہ اختیار استعمال کرسکتی ہے، وگرنہ اس تفویض کا کیا فائدہ۔

کبھی یہ صیغے عام ہوں گے کہ مثلاً کہے: جب چاہو علیحدگی اختیار کرلو، یا کہے: تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، جب چاہو (فیصلہ کرلو)، تو یہ شوہر کی طرف سے بیوی کو طلاق کا عمومی طور سے مالک بنادینا ہے، تو جب چاہے وہ یہ حق استعمال کرسکتی ہے، کبھی یہ صیغے کسی معین وقت کے ساتھ مقید ہوں گے کہ مثلاً ایک سال تک اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے، اب اس کے لیے اس کے استعمال کا حق ایک سال تک محدود ہے، بعد ازاں نہیں، یہ تفویض جائز ہے کہ بوقتِ عقد ہو یا بعد میں، البتہ اگر عقد کے وقت ہو تو احناف کے نزدیک اس میں شرط یہ ہے کہ اس کی ابتدا و مطالبہ بیوی کی جانب سے ہو کہ وہ اس سے کہے میں: اس شرط پر تم سے شادی کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا، جب چاہوں اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی، تو اگر اس نے قبول کیا تو اس قبول کے ساتھ عقد مکمل ہوا اور طلاق دینا جب بھی بیوی چاہے صحیح ہوا، لیکن شوہر کی جانب سے ایجاب کے ساتھ مقرون کرتے ہوئے اس کی ابتدا ہوئی کہ مثلاً کہے میں اس امر پر تم سے شادی کرتا ہوں کہ تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا، جب چاہو اپنے آپ کو طلاق دے لو، تو وہ کہے: میں نے قبول کیا تو اس کے ساتھ عقد تو صحیح ہوا، مگر تفویض نہیں اور اب زوجہ کو حق نہ ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق دے لے! دونوں صورتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں شوہر نے تکمیل عقد کے بعد تفویض قبول کی ہے، تو گویا اس نے عقدِ نکاح ہو جانے کے بعد طلاق دینے کا اسے مالک بنایا، جبکہ دوسری صورت میں اسے یہ حق اس کا مالک بننے سے قبل تفویض کیا، کیونکہ وہ اس کا مالک عقدِ نکاح ہو جانے کے

بعد ہی بنے گا اور اس صورت میں ابھی اکیلا ایجاب ہی صادر ہوا تھا (جبکہ نکاح ایجاب اور قبول، دونوں کے ساتھ مکمل ہوتا ہے)۔

وہ حالات جن کے پیدا ہونے کی صورت میں عدالت طلاق دلوائے گی

ان حالات کے بارے میں مصر کا ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۹ء کا قانون صادر ہوا اور یہ فقہاء کے اجتہادات سے مستنبط ہے، کیونکہ اس ضمن میں کوئی صحیح اور صریح نص وارد نہیں اور اس میں لوگوں کی آسانی کا خیال رکھا گیا ہے، تاکہ خلفشار نہ ہو اور تاکہ اسلام کی آسانیاں پہنچانے والی روش پر عمل درآمد ہو، اس قانون نمبر: ۲۵؛ سن: ۱۹۲۰ء میں ان حالات کے ضمن میں خرچہ نہ دینے کا ذکر ہے، اسی طرح کسی (بڑے) عیب ونقص کے سبب (جس کے بارے میں پہلے نہ بتلایا گیا تھا یا وہ عقد کے بعد ظاہر ہوا، اس طور پر کہ ازدواجی زندگی متاثر ہوئی) اسی طرح اگر ضرر لاحق ہے اور شوہر بلا عذر عرصہ سے غائب ہے یا یہ کہ بیوی کو محبوس کر رکھا ہے (ملنے ملانے نہیں دیتا) عیب ونقص کی وجہ سے طلاق بذریعہ عدالت کی بحث گزر چکی، باقی کا ذکر کیا جاتا ہے:

خرچہ نہ دینے کی وجہ سے

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کی رائے میں اگر بیوی اس وجہ سے عدالت سے رجوع کرے تو اس کے حکم سے علیحدگی ہو جانا جائز ہے، اگر شوہر کا مال ظاہر نہیں (کہ تاکہ اس سے بیوی کا خرچہ اخذ کیا جا سکے) ان کا اپنے اس مذہب پر استدلال درج ذیل سے ہے:

① شوہر اس امر کا پابند اور مکلف ہے کہ معروف کے ساتھ اپنی بیوی کو آباد رکھے (اگر اس کی سکت نہیں تو) یا پھر احسان (عمدگی اور اچھے طریقے سے) اسے علیحدہ کر دے، قرآن میں ہے: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹) ''پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' اور بلا شبہ خرچہ نہ دینا امساک بالمعروف کے منافی ہے۔

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ (البقرۃ: ۲۳۱) ''اور اس نیت سے انہیں روکے نہ رکھو کہ وہ تمہارا نشانۂ ستم بنی رہیں۔'' اور ایک حدیث میں ہے: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) [1] ''نہ ضرر دو اور نہ خود اٹھاؤ۔'' اور بیوی کو خرچہ نہ دینے سے بڑھ کر اضرار کیا ہوسکتا ہے اور (مقدمہ دائر ہونے پر) قاضی کے ذمہ ہے کہ اس اضرار کا ازالہ کرے۔

③ جب یہ امر طے شدہ ہے کہ عدالت شوہر میں کسی (بڑے) عیب کی صورت میں علیحدگی کرا سکتی ہے، تو خرچہ نہ دینا بھی ایک بڑا عیب ہے، لہٰذا علیحدگی کرا دینا جائز ہے، احناف خرچہ نہ دینے کے سبب علیحدگی کرانے کے عدم جواز کے قائل ہیں، چاہے اس کا سبب شوہر کی تنگدستی ہو یا جان بوجھ کر ایسا کرنا، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾

''صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کے موافق خرچ کرے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد آسانی دے گا۔'' (الطلاق: ۷)

امام زہری رحمہ اللہ سے اس شوہر کے بارے میں سوال کیا گیا، جو بیوی کو خرچہ دینے سے عاجز ہے کہ آیا ان کی علیحدگی کرا دی جائے؟ تو کہا: مہلت دی جائے اور انتظار کیا جائے، علیحدگی نہ کرائی جائے اور مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

④ صحابہ کرام میں خوشحال بھی تھے اور تنگدست بھی اور کہیں منقول نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بوجہ تنگدستی کسی میاں بیوی کی علیحدگی کرائی ہو (لیکن یہ دلیل تب تام ہو، اگر ایسا کوئی کیس آپ کے حضور پیش ہوا، مگر آپ نے علیحدگی نہ کرائی)

[1] صحیح، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۰؛ مسند أحمد: ۲۸۶۵۔

⑤ ازواج مطہرات نے آپ سے کچھ اس کا مطالبہ کیا جو آپ کے پاس نہ تھا، تو آپ ایک ماہ تک بطورِ سزا ان سے الگ رہے، تو جب اس چیز کا مطالبہ جس کا شوہر مالک نہیں سزا دینے کا موجب ہے، تو تنگدستی کے وقت خرچہ نہ اٹھا سکنے کی پاداش میں علیحدگی کا مطالبہ کرنا ظلم شمار کیا جانا اولیٰ ہے، جس کی طرف مطلقاً توجہ نہ دی جائے۔

احناف کہتے ہیں: اگر مال ہونے کے باوجود خرچہ نہ دینا ظلم ہے، تو اس کا تدارک اس طرح کیا جائے کہ عدالتی حکم سے اس کی جائیداد فروخت کر کے بیوی کو خرچہ دیا جائے، یا شوہر کو محبوس رکھا جائے، جب تک خرچہ نہ دے، لہٰذا جب تک خرچہ وصول کرنے کے دیگر وسائل موجود ہیں، تو یہ انتہائی اقدام نہ اٹھایا جائے، کیونکہ میاں بیوی کی علیحدگی اللہ کو تمام حلال کاموں میں سے مبغوض ترین ہے، لہٰذا عدالت اسے اختیار نہ کرے، کیونکہ علیحدگی کرانا ہی اس کا واحد حل نہیں، یہ اس وقت ہے جب شوہر خرچہ دینے پر قادر ہے، لیکن اگر وہ تنگ دست ہے تب تو وہ (خرچہ نہ دینے کی وجہ سے) ظالم نہ ہوا، کیونکہ اللہ کے قانون کے تحت کوئی جان اسی کی مکلف ہے، جس کی وہ سکت رکھتی ہے! مصری قانون کی رو سے شوہر کو مہلت دی جا سکتی ہے، جو ایک ماہ سے زائد کی نہ ہو، اگر وہ مالدار ہے لیکن ظلماً خرچہ دینے سے رکا ہوا ہے، تو مقررہ مدت گزرنے پر قاضی طلاق کا اجرا کر سکتا ہے، اگر اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا اور نہ رابطہ ہو رہا ہے اور وہ خرچہ بھی نہیں بھیج رہا، تو عدالت فوری طور پر طلاق کا فیصلہ دے سکتی ہے، یہی حکم (مصری قانون کی رو سے) قیدی شوہر کی نسبت ہے، اگر وہ بیوی کا خرچہ نہیں اٹھا سکتا، یہ طلاق جو قاضی دے گا رجعی ہوگی، لہٰذا شوہر کو حقِ رجوع حاصل ہے، جب اس کے حالات اچھے ہو جائیں اور اثنائے عدت خرچہ اٹھا سکنے کی استطاعت آ جائے، اگر یہ استطاعت فراہم نہیں ہو سکتی (یا عدت گزر گئی اور بیوی نے نئی جگہ شادی کر لی) تو اب نہیں۔

بدسلوکی اور مارنے پیٹنے کے سبب

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے (امام احمد رحمہ اللہ کا موقف بھی یہی ہے، امام ابوحنیفہ

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے مخالفت کی، ان کے نزدیک اس وجہ سے عدالت طلاق نہ دے، کیونکہ امکان ہے کہ تعزیری سزا سے وہ باز آجائے) کہ بیوی اس وجہ سے عدالت سے علیحدگی کرادینے کا مطالبہ کرسکتی ہے، اگر یہ بدسلوکی اور اضرار اس حد تک ہو کہ اس کا ساتھ رہنا ممکن نہ ہو، مثلاً مارتا یا گالم گلوچ کرتا ہے یا کوئی اور ایذا جس کی وہ متحمل نہیں ہوسکتی یا مثلاً کسی قولی یا فعلی منکر پر اسے مجبور کرتا ہے، اگر قاضی کے ہاں اس کا دعوی ثابت ہوگیا، بایں طور پر کہ بیوی نے ثبوت پیش کیے یا شوہر نے اعتراف کیا اور ایذا بھی ایسی ہو جو قابلِ برداشت نہیں اور قاضی کی اصلاح کی کوشش کارآمد ثابت نہیں ہوئی، تو وہ اسے طلاقِ بائنہ دے گا، اگر بیوی ثبوت پیش نہ کرسکی یا شوہر نے اعتراف نہیں کیا تو اس کا دعوی خارج کردیا جائے گا، اگر دوبارہ کبھی یہی شکایت درج کرائی اور علیحدگی کا مطالبہ کیا اور پھر بھی عدالت میں دعوی ثابت نہیں کرسکی، تو عدالت دو ثالث مقرر کرے گی، جو دو عادل (یعنی پابندِ صوم وصلاۃ اور کبائر سے مجتنب) مرد ہوں اور جو ان میاں بیوی کے حالات سے واقف اور باخبر ہوں اور جو ان کے مابین صلح کراسکتے ہوں، احسن یہ ہے کہ ان کے اعزہ واقارب میں سے ہوں، تو وہ اس نااتفاقی کی وجوہ تلاش کریں اور اس کے اسباب کا کھوج لگائیں اور بقدرِ امکان صلح صفائی کی کوشش کریں، اگر اس سے عاجز رہیں اور محسوس کریں کہ خرابی دونوں کی طرف سے ہے یا یہ کہ شوہر ذمہ دار ہے یا وہ حقائق تک نہ پہنچ سکیں، تو وہ طلاقِ بائنہ کا فیصلہ دے سکتے ہیں۔ [1]

---

[1] بقول محشی امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی کے دو میں سے ایک قول کے مطابق، ان ثالثوں کو طلاق دلوانے کا اختیار نہیں، اِلّا یہ کہ شوہر نے انہیں یہ حق تفویض کیا ہو (یعنی وہ صرف تحقیقاتی رپورٹ پیش کریں گے) امام مالک رحمہ اللہ کا موقف اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ کہ اگر وہ عوض کے ساتھ یا بغیر عوض کے صلح کرنے کی رائے دیں تو یہ جائز ہے، اگر ان کے خیال میں اب خلع ہی واحد راستہ ہے، تو یہ بھی جائز ہے، اگر شوہر کی طرف سے جو ثالث مقرر ہوا تھا (دو ثالثوں میں سے ایک شوہر اور دوسرا بیوی کی طرف سے ہوگا، جیسا کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں ہے: ﴿حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (النساء:۳۵) اس کے خیال میں اب طلاق ہی واحد حل ہے، تو وہ طلاق دے دے گا اور اس ضمن میں اسے شوہر کی اذن کی ضرورت نہ ہوگی، یہ اس امر پر مبنی ہے کہ یہ دونوں حَکَم (ثالث اور فیصلہ کرنے والے) ہیں نہ کہ صرف وکیل۔

اور اگر خرابی عورت کی طرف سے ہے تو پھر طلاق نہیں ہو گی بلکہ اس صورت میں خلع سے علیحدگی کروائی جائے گی اور اگر یہ ثالث باہم متفق نہ ہوئے تو انہیں دوبارہ غور کرنے کا کہا جائے گا، اگر پھر بھی متفق نہ ہوئے تو کوئی دیگر دو مقرر کیے جائیں گے اور وہ اس کی رپورٹ عدالت میں جمع کرائیں، جو اس کے مقتضا کے مطابق حکم جاری کرے گی۔

شوہر کے (گھر کے) غائب ہونے کی صورت میں طلاق کا عدالتی فیصلہ

امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذاہب میں ایسا ہو سکتا ہے۔① تاکہ عورت سے دفعِ ضرر ہو تو خاتون علیحدگی کا دعوی دائر کر سکتی ہے، اگر اس کا شوہر غائب ہے، اگرچہ شوہر کا مال موجود ہے، جس سے اس کے اخراجات پورے ہوں بشرطیکہ:

① شوہر کا غائب ہونا کسی مقبول و معقول عذر کے بغیر ہو۔

② اس وجہ سے اسے ضرر لاحق ہو رہا ہو۔

③ شوہر اس علاقہ و شہر میں نہیں جہاں بیوی مقیم ہے۔

④ ایک برس گزر چکا ہے جس میں بیوی نے ضرر اٹھایا ہے۔

اگر شوہر کا غائب ہونا کسی مقبول عذر کی بنا پر ہے، مثلاً طلبِ علم یا بوجہِ تجارت یا ملازمت یا وہ کسی دور کی جگہ فوجی ڈیوٹی پر ہے، تب بیوی کو علیحدگی کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں، اسی طرح تب بھی اگر وہ اسی کے شہر میں ہے، نیز بیوی علیحدگی کا مطالبہ اس صورت بھی کر سکتی ہے کہ شوہر کی دوری کی وجہ سے۔ نہ کہ اس کے غائب ہونے کے باعث۔ اسے ضرر لاحق ہے، اس سلسلے میں سال گزرنے کی شرط ملحوظ رکھنا ضروری ہے، تاکہ وہ یکسو ہو کر طے کر سکے کہ آیا حقیقتہً وہ تنہائی اور وحشت کا شکار ہے اور حرام میں وقوع کا خدشہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ بھی سال کی شرط ملحوظ رکھنے کے قائل ہیں، بعض نے تین برس کہا، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کم از کم چھ ماہ کے بعد وہ یہ مطالبہ کر سکتی ہے، کیونکہ یہ وہ انتہائی مدت ہے، جو ایک بیوی شوہر سے دوری برداشت کر سکتی ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سابقہ فصل میں گزرا۔

① بقول محشی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق بائنہ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ فسخِ نکاح ہے۔

شوہر کے قید ہونے پر بیوی کا عدالت سے رجوع کرنا

امام احمد اور امام مالک ﷫ کے نزدیک یہ وجہ ہونا بھی اس باب میں داخل ہے، کیونکہ اس سے بیوی کو ضرر لاحق ہے، اگر کسی شوہر کو تین برس یا زائد قید کا حکم صادر ہوا ہو اور اس کے پاس اپیل کرنے کی گنجائش بھی نہ ہو اور ایک سال گزرنے پر بیوی (اگر چاہے تو) عدالت سے علیحدگی کے لیے رجوع کر سکتی ہے، کیونکہ اسے اس وجہ سے ضرر لاحق ہے، اگر یہ ثابت ہو جائے تو امام مالک ﷫ کے نزدیک قاضی بائن طلاق دے گا، امام احمد ﷫ کے نزدیک یہ فسخ تصور ہوگا، امام ابن تیمیہ ﷫ کے نزدیک قیدی اور محبوس وغیرہ کی اس بیوی کے بارے میں جس کا شوہر کے ساتھ انتفاع ناممکن ہے، مفقود الخبر شوہر (جس کی کوئی خبر نہ مل رہی ہو) کی بیوی کے قول کی مثل ہے اور اس پر اجماع ہے۔

www.KitaboSunnat.com

خلع

ازدواجی زندگی باہمی سکون، محبت، رواداری، حُسنِ معاشرت اور میاں بیوی کے اپنا اپنا کردار بخوبی ادا کرنے کے اصولوں پر ہی رواں دواں رہ سکتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی ناپسند ہے یا بیوی کو شوہر کی رفاقت ناپسند ہے، اسلام اس صورتحال میں اول تو صبر اور برداشت کرنے کا حکم دیتا اور ہدایت دیتا ہے کہ اس کراہت کے اسباب کا ازالہ کیا جائے، قرآن میں ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (النساء:١٩) ''اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔'' ایک صحیح حدیث میں ہے: ((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقاً رَضِيَ مِنْهَا خُلُقاً آخَرَ)) ''کوئی شوہر بیوی سے بغض نہ رکھے (فرک کے لفظ کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ میاں بیوی کے باہمی بغض کے ساتھ خاص ہے بحوالہ المنجد) ممکن ہے کہ اس کی کوئی صفت اسے ناپسند ہو تو کوئی اور اس کی خصلت اسے پسند آجائے۔'' [1] لیکن کئی دفعہ ایسی صورتحال پیدا ہوجاتی ہے کہ دونوں یا ان کا ایک دوسرے سے سخت نفرت کرتا ہے اور مزاج کی یہ دوری اس قدر شدید اور خلیج اتنی وسیع ہے کہ اس کا پاٹنا مشکل اور علاج دشوار ہے اور صبر کا چارہ نہیں رہتا اور جس کے سبب گھر کا سکون ختم ہو چکا ہوتا اور فریقین کے لیے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی ہے، اور بگاڑ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اصلاح کی کوئی گنجائش اور امکان نہیں، تب

[1] صحیح مسلم: ١٤٦٩۔

اسلام نے اس مشکل صورتحال سے نکلنے کے واحد علاج کی رخصت دی ہے، جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اگر تو کراہیت اور ناپسندیدگی شوہر کی طرف سے ہے، تو اس کے پاس طلاق کا حق ہے، وہ اسے اللہ کی وضع کردہ حدود کے اندر استعمال کرسکتا ہے اور اگر بیوی سمجھتی ہے کہ وہ ساتھ نہیں رہ سکتی، تو اسلام نے اس کے لیے مباح کیا ہے کہ خلع کے طریق سے اس بندھن سے جان چھڑا لے۔

اور وہ اس طرح کہ زوجیت کے نام پر شوہر نے جو کچھ بیوی کو دیا تھا، وہ اسے واپس کرے، تاکہ یہ ازدواجی بندھن ختم ہوا، اسی بارے اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

"اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو، ہاں! اگر زن وشوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔"

شوہر کے یہ فدیہ لینے میں عدل وانصاف ہے، کیونکہ اسی نے تو بیوی کو مہر دیا تھا اور شادی کے اخراجات برداشت کیے تھے اور اسے خرچہ دیتا رہا، مگر اس نے اس سب کے عوض ناپسندیدگی کی اور اس کے دائرۂ اطاعت میں رہنے سے انکار کیا اور بندھن توڑنے کی خواہاں ہوئی، لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ شوہر کا مال اسے لوٹا دے اور اگر کراہت دونوں فریق کی طرف سے ہے۔ تو اگر شوہر علیحدگی کا خواہاں ہے تو اس کے پاس طلاق کا حق ہے، اسے استعمال کرنے کی صورت میں وہ بیوی کو دیا اپنا مال واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر بیوی جدائی کی خواہاں ہے، تو اس کے ہاتھ میں خلع کا اختیار ہے اور اس کے نتائج بھی اسی کو بھگتنا ہوں گے (شوہر کا مال بھی واپس کرے گی اور اگر اس نے کچھ مزید کی طلب کی تو وہ بھی دے گی) زمانۂ جاہلیت کے ایک خلع کا قصہ یہ

ہے کہ عامر بن ظرب نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے عامر بن حارث سے کی، جب رخصتی ہوئی تو بیوی کو وہ اچھا نہ لگا اور نفرت محسوس کی، اس کی شکایت شوہر نے اس کے والد سے کی، تو اس نے کہا: انصاف کا تقاضا نہیں کہ تم اپنی بیوی سے بھی ہاتھ دھولو اور اپنے مال سے بھی، میں تمہارا مال تمہیں واپس کرنے کی شرط پر اس کی تم سے علیحدگی کرا دیتا ہوں۔

خلع کی تعریف

یہ خلع جسے اسلام نے مباح کیا ہے (خَلْعُ الثوب)''لباس اتارنا'' سے ماخوذ ہے، کیونکہ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾(البقرة: ۱۸۷) اسے فداء (یعنی عوض) بھی کہا گیا کیونکہ بیوی شوہر کو کچھ دے دلا کر اپنا آپ چھڑواتی ہے (قرآن میں یہ لفظ استعمال ہوا جیسا کہ آیت گزری: ﴿فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ فقہی اصطلاح میں خلع شوہر کی بیوی سے علیحدگی ہوجانا کسی بدل کے عوض جو وہ اسے دے، اس میں اصل جو بخاری اور نسائی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی (یہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں) اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں ثابت میں کوئی اخلاقی یا دینی جھول نہیں پاتی، لیکن میں اسلام کی حالت میں کفر کا ارتکاب کرنا برا جانتی ہوں (یعنی اسے ناپسند کرتی ہوں تو اس کے حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہوں اور ساتھ رہ کر کفران کا مرتکب نہیں بننا چاہتی) آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس کا باغ واپس کرنے پر تیار ہو؟'' کہا: جی ہاں، آپ نے ثابت سے کہا: ''یہ باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔''[1]

خلع کے الفاظ

فقہاء کی رائے میں ضروری ہے کہ اس ضمن میں خلع کا لفظ استعمال کیا جائے یا جو

---

[1] صحیح البخاری: ۵۲۷۳؛ سنن نسائی: ۱۶۹/۶۔

کوئی، دیگر جو اس مادہ سے مشتق ہو یا جو لفظ اس کا ہم معنی ہو مثلاً (مبارأة) اور (فدية) اگر خلع یا اس کے مترادف کسی اور لفظ کے ساتھ نہ ہو، مثلاً شوہر کہے: تمہیں مبلغ اتنے مال کے بعوض طلاق دیتا ہوں اور بیوی قبول کرے تو یہ خلع نہیں، بلکہ مال کے عوض طلاق ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس رائے کا مناقشہ کیا اور کہا: جو عقود کے حقائق اور ان کے مقاصد کو مدنظر رکھے، نہ کہ الفاظ کو وہ خلع کو فسخ شمار کرے گا، چاہے یہ جس بھی لفظ سے ہو حتی کہ بلفظِ طلاق بھی، امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب کے ہاں یہ دو میں سے ایک وجہ ہے اور یہی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جن حضرات نے الفاظ کو معتبر جانا ہے اور وہ ان پر مدار کے قائل ہیں اور عقود کے احکام میں ان کا اعتبار کرتے ہیں، وہ اگر یہ علیحدگی بلفظِ طلاق ہو تو اسے (خلع نہیں بلکہ) طلاق گردانتے ہیں، امام ابن قیم رحمہ اللہ دوسری رائے کی ترجیح کے ضمن میں لکھتے ہیں: فقہ کے قواعد اور اصول شاہد ہیں کہ عقود میں ان کے حقائق و معانی مدِنظر ہوتے ہیں نہ کہ صورت و الفاظ، اس کی ادلہ میں سے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ کو خلع کے اس مذکورہ واقعہ میں کہا: ((وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً)) یعنی یہ خلع بلفظِ طلاق ہوا، اس کے باوجود آپ نے ان کی بیوی کو حکم دیا کہ اب صرف ایک حیض اس کی عدت ہے (جبکہ حقیقی طلاق میں عدت تین حیض ہے) اور یہ اس امر میں صریح ہے کہ یہ فسخِ نکاح تھا، اگرچہ بلفظِ طلاق واقع ہوا، نیز اللہ تعالیٰ نے اس پر فدیہ (یعنی معاوضہ دینے) کے احکام معلق کیے ہیں اور معلوم امر ہے کہ فدیہ کسی لفظ کے ساتھ مختص نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی لفظ معین نہیں کیا، اور فدیہ کی یہ طلاق مقید طلاق ہے، تو اس پر مطلق طلاق کے احکام لاگو نہیں ہوں گے، جیسا کہ اس میں رجوع کرنے کا حق بھی نہیں ہے، اسی طرح تین حیض گزرنے کی عدت بھی نہیں۔

خلع میں عوض

خلع جیسا کہ گزرا مال کے عوض ملکِ نکاح کا ازالہ ہے، تو خلع کے ضمن میں عوض

ایک بنیادی جزو ہے، اگر یہ متحقق نہ ہو تو خلع بھی متحقق نہ ہوگا، اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے: (خَالَعْتُكِ) (میرا تمہارا خلع (جدائی) ہوا) اور مزید کچھ نہ کہے تو یہ (اصطلاحی) خلع نہیں، پھر یہ لفظ بول کر اگر اس کی نیت طلاق کی ہے، تو یہ رجعی طلاق ہوئی اور اگر کسی شے کی نیت نہ تھی، تو اس کے یہ کہنے سے کچھ واقع نہیں ہوا، کیونکہ یہ کنایہ کے الفاظ میں سے ہے، جو نیت کے محتاج ہوتے ہیں۔

ہر عوض کے ضمن میں ہر وہ چیز جو بطورِ مہر دینا جائز ہے، خلع میں وہ بطورِ عوض دینا جائز ہے! شافعیہ کا موقف ہے کہ خلع پورا مہر واپس کرنے کی شرط پر کرنا یا اس کے بعض کی واپسی پر، دونوں میں فرق نہیں، بلکہ کسی اور مال کے عوض بھی ہو سکتا ہے، چاہے وہ مہر سے کم ہو یا زیادہ، اس سلسلے میں کوئی سامان، قرضہ کی شکل میں مال اور منفعت وغیرہ میں فرق نہیں، اس کا ضابطہ یہ کہ ہر جو مہر بن سکتا ہے، وہ خلع کا عوض بھی ہو سکتا ہے اور یہ قولہ تعالیٰ: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرة: ۲۲۹) ''ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں، جو عورت اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں دے دے۔'' عموم کے مد نظر اور اس لیے کہ یہ بضع (بیوی کے اپنی عصمت اس کے حوالے کرنے کے عوض) پر عقد ہے، تو نکاح سے مشابہ ہے، خلع کے عوض و بدل میں مشترط ہے کہ وہ معلوم ومتمول (ذی قیمت) ہو، اعواض کی دیگر شروط بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے، مثلاً قبضہ میں دینے کی قدرت اور ملکیت کا برقرار رہنا وغیرہ، کیونکہ عقد معاوضہ (معاوضہ کی شرط پر ایک سودا) ہے تو یہ بیع اور حق مہر کے مشابہ ہے اور یہ خلعِ صحیح میں صحیح ہے! جہاں تک فاسد خلع تو اس میں (معاوضہ کا) معلوم ہونا شرط نہیں، تو اگر کسی مجہول عوض پر خلع کیا، مثلاً غیر معین کپڑا یا جو اس جانور پر لدا ہوا ہے یا مثلاً ہزار (درہم یا دینار وغیرہ) کے عوض، لیکن دینے کی مدت معین نہیں، تو اب مہر مثل کے ساتھ دونوں کی علیحدگی ہوگی۔

جہاں تک علیحدگی کا حصول تو اس لیے کہ خلع یا تو فسخ ہے اور یا پھر طلاق، اگر تو فسخ ہے تو نکاح فسادِ عوض کی وجہ سے فاسد نہیں ہو جاتا، تو اسی طرح اس کا فسخ بھی ہے، کیونکہ فسوخ عقود کی مثل ہوتے ہیں اور اگر یہ طلاق ہے تو طلاق (تو) بلا عوض بھی حاصل ہو

جاتی ہے اور جس کا حصول بلا عوض ہے، تو وہ فسادِ عوض کے ساتھ بھی درست ہے، جیسے نکاح کا معاملہ ہے، بلکہ یہ طلاق کی قوت اور وقوع و سرایت کی صلاحیت کے مدنظر اس سے بھی اولیٰ ہے، جہاں تک مہرِ مثل کی طرف رجوع تو وہ اس وجہ سے کہ فسادِ عوض کا قضیہ کسی اور عوض کا لوٹنا ہے، اور بضع (عصمت) تو علیحدگی ہو جانے کے بعد واپس نہیں ہو جاتی، لہٰذا اس کا بدل دینا واجب ہے، اس جیسے دیگر امور کو بھی اس مذکور پر قیاس کیا جائے، کیونکہ جو کسی شے میں رکن نہیں، اس کا مجہول الحال ہونا ضار نہیں ہوتا، جیسے مہر کا معاملہ ہے۔

اس کی صورتوں میں سے یہ بھی کہ اگر اس شرط پر خلع کیا کہ جو کچھ اس کی کف میں ہے، وہ شوہر کا ہوا اور کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں، تو اب مہرِ مثل کے ساتھ دونوں کی علیحدگی ہوگی، اگر اس کی کف میں کچھ بھی نہ تھا، تو الوسیط میں ہے کہ اسے رجعی طلاق قرار دیا جائے گا، لیکن ان کے غیر نے نقل کیا کہ وہ مہرِ مثل کے ساتھ علیحدہ ہو جائے گی، مالکیہ کہتے ہیں: خلع بالغرر (کسی متوقع وموہوم چیز کے عوض) بھی جائز ہے، جیسے کہے: اس گائے وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے عوض، تو اگر حمل ساقط ہو گیا، تو اب شوہر کو کچھ نہ ملے گا مگر بیوی علیحدہ ہو گئی، یا کہا تھا: اس درخت پر جو پھل پکے گا یا اس شرط پر کہ وہ اپنے اس سے بچہ پر حقِ ملکیت نہ رکھے گی، تو یہ سب جائز ہے! بغیر وصف کیے بھی جائز ہے، اگر کسی حرام چیز کے عوض خلع ہوا، مثلاً شراب یا چوری کی کوئی چیز جس کا اسے علم بھی ہے، تو اس کے لیے ان میں سے کوئی چیز نہیں، مگر خلع ہو جائے گا اور شراب بہادی جائے گی اور چوری کی چیز اس کے اصل مالک کو واپس کر دی جائے گی اور بیوی کو اب اس کے بدلے کچھ نہ دینا ہوگا، یہ تب جب شوہر کو حرام ہونے کا علم تھا، چاہے بیوی کو علم تھا یا نہیں، لیکن بیوی کو اگر پتہ تھا شوہر کو علم نہیں تب خلع نہ ہوگا۔

خلع کا مطالبہ کرتے ہوئے شوہر کے دیے مال سے زیادہ کی طلب یا وعدہ

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ جائز ہے، کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

﴿فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ ''ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں، جو عورت اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں دے دے۔'' اور یہ عام ہے، جو قلیل و کثیر سب کو متناول ہے، بیہقی نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ میری بہن ایک انصاری کے گھر والی تھی، ان دونوں نے اپنا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا، تو آپ نے میری بہن سے فرمایا: ''کیا تم اپنے شوہر کا دیا ہوا باغ واپس کرنے پر تیار ہو؟'' اس نے کہا: نہ صرف وہ بلکہ مزید بھی کچھ، تو باغ کے ساتھ کچھ مزید بھی دیا۔① بعض علماء کی رائے میں شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اپنے دیے ہوئے مال سے زیادہ لے، کیونکہ دار قطنی نے بسند صحیح نقل کیا، ابو الزبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ انہوں نے اسے ایک باغ بطورِ حق مہر دیا تھا، تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم یہ باغ واپس کر دو گی؟'' اس نے کہا: باغ بھی اور مزید بھی، آپ نے کہا: ''نہیں کچھ زائد نہیں صرف باغ۔'' اس نے کہا ٹھیک ہے۔② اس مسئلے میں اختلاف کی اصل قرآن کے عموم کی احادیثِ آحاد (یعنی جنہیں کسی ایک صحابی نے روایت کیا ہو) کے ساتھ تخصیص کے بارے میں اختلاف ہے، تو جو اس کے اثبات کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مہر سے زائد دینا جائز نہیں، دیگر کے نزدیک جائز ہے! مؤلف بدایۃ المجتہد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جس نے دیگر سب معاملات میں اعواض کے ساتھ تشبیہ دی، اس کی رائے میں معاملہ باہمی رضامندی پر موقوف ہے اور جس نے ظاہر کا اخذ کیا: اس کے خیال میں اس سے زیادہ دینا جائز نہیں، گویا ان کی رائے میں یہ ناحق اخذِ مال کے باب سے ہے۔

بغیر کسی معقول وجہ کے خلع کا مطالبہ

خلع کا مقتضی کوئی سبب ہونا لازم ہے کہ مثلاً شوہر صورت و سیرت کے لحاظ سے عیب والا ہو یا حقوقِ زوجیت ادا نہ کرتا ہو یا عورت کو ڈر ہو کہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے

---

① صحیح البخاری: ۵۲۷۳؛ سنن نسائی: ۱۶۹/۶۔

② مرسل، سنن الدارقطنی: ۲۵۵/۳؛ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مرسل قرار دیا ہے۔

وہ اس ازدواجی تعلق کے ضمن میں حدود اللہ قائم نہ رکھ پائے گی، مثلاً حسنِ صحبت و معاشرت اورشوہر کی فرمانبرداری وغیرہ جیسا کہ آیتِ مذکورہ کا ظاہر ہے، لیکن اگر کوئی خاص وجہ نہیں، تب یہ ممنوع ہے، کیونکہ احمد اورنسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ خلع کا مطالبہ کرنے والی منافقات ہیں۔[1] علماء نے اسے مکروہ سمجھا ہے، خلع میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہوگا، لیکن اگر شوہر راضی نہیں، تو قاضی اس پر خلع لازم کرے گا، کیونکہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ اوران کی زوجہ نے اپنا معاملہ خدمتِ نبوی میں اٹھایا اورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت پر لازم کیا کہ باغ قبول کرکے اسے علیحدہ کردیں، جیسا کہ گزرا، خلع کے ضمن میں بیوی کی طرف سے شقاق (باہمی عدم افہام وتفہیم بطور معقول عذر کے) کافی ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: احادیثِ باب کا ظاہر یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے مجرد شقاق کا وجود جوازِ خلع میں کافی ہے، امام ابن منذر رحمہ اللہ نے اختیار کیا کہ یہ تب تک نہیں ہوسکتا، جب تک دونوں کی جانب سے شقاق نہ ہو، ان کا تمسک آیت کے ظاہر سے ہوا اور یہ طاوس، شعبی رحمہ اللہ اور تابعین کی ایک جماعت کا موقف تھا، امام طبری رحمہ اللہ وغیرہ ایک جماعت نے اس کا جواب یہ دیا کہ مراد یہ ہے کہ جب بیوی خاوند کے حقوق ادا نہ کرتی ہو، تو یہ خاوند کے اس سے بغض کرنے کو مقتضی ہے، اسی لیے دونوں کی طرف اس کی نسبت کردی گئی! شوہر کی جہت سے اس کے عدم اعتبار کی تائید یہ امر کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے استفسار نہ کیا تھا کہ آیا وہ بھی بیوی کو ناپسند کرتے ہیں، جبکہ بیوی نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ ثابت اسے ناپسند ہیں۔

بیوی سے بدسلوکی کرنے کی حرمت تاکہ وہ خلع پر مجبور ہوجائے

شوہر پر حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی کے کچھ حقوق ادا نہ کرکے اور بدسلوکی کرکے اس غرض سے اسے ایذا دے کہ وہ اس سے خلع کا مطالبہ کرے، اگر ایسا کیا تو خلع باطل

---

[1] صحيح، مسند أحمد: ٢/ ٤١٤؛ السنن الكبرى للنسائي: ٥٦٥٥۔

ہوگا اور اس کا لیا عوض اسے واپس کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ تاوان بھی، قرآن میں ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء:۱۹)

''مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور اس نیت سے انہیں (گھروں میں) مت روک رکھو کہ جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے کچھ لے لو، اِلّا یہ کہ وہ کھلے طور بدکاری کی مرتکب ہوں۔''

اور فرمایا:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـــًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (النساء: ۲۰)

''اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری سے شادی کرنا چاہو (اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو) تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے۔''

بعض علماء اس صورت میں بھی جدا ہونے کی حرمت باوجود خلع کا نفاذ قرار دیتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اس صورت میں خلع طلاق کے بطور نافذ کیا جائے اور شوہر پر واجب ہے کہ عوض میں جو کچھ بیوی سے لیا تھا، اسے واپس کرے۔

حالتِ طہر اور حیض، دونوں میں خلع کا جواز

کیونکہ یہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اطلاق کیا اور اس کے لیے کسی زمانے اور وقت کو خاص نہیں کیا، چنانچہ ارشاد ہوا: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ (البقرة:۲۲۹) ''اگر بیوی کچھ دے دلا کر علیحدگی چاہے تو حرج نہیں۔'' اور نبی کریم ﷺ نے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ میں بحث و تفصیل میں جائے بغیر ان کی زوجہ کو مطلقاً اس کی اجازت دی اور خلع کا اجراء کیا، حالانکہ حیض عورتوں کی نسبت

کوئی نادر الوجود امر نہ تھا، امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: احوال کے قضایا میں وجودِ احتمال کے باوجود تفصیل میں نہ پڑنا، مسئلہ کو عموم فی المقال کے درجے میں کر دیتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہِ ہذا میں تفصیل میں نہ گئے کہ آیا وہ حائضہ ہے یا نہیں، اس لیے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے سے ممانعت ہے، تاکہ اس کی عدت لمبی نہ ہو جائے اور یہاں تو بیوی نے علیحدگی کا مطالبہ کیا اور خلع پر راضی ہوئی (جس کی طلاق والی عدت نہیں)۔

شوہر اور اجنبی مرد کے مابین خلع کا معاملہ ہونا

جائز ہے کہ کوئی اور شخص شوہر سے معاملہ کرے کہ وہ اس سے کچھ لے کر اپنی بیوی سے خلع کر لے، اور دونوں کی علیحدگی ہو اور یہ اجنبی شخص شوہر کو یہ معاوضہ دینے کا پابند ہوگا، اس صورت میں خلع بیوی کی رضامندی پر متوقف نہیں، کیونکہ شوہر بذاتِ خود بغیر بیوی کی رضا کے طلاق دینے کا حق رکھتا ہے اور معاوضہ و بدل اسی کے ذمہ ہے، جس نے اس کی حامی بھری، امام ابوثور رحمہ اللہ کے ہاں ایسا کرنا صحیح نہیں، کیونکہ حماقت ہے کہ ایک اجنبی ایسی چیز کے عوض اپنا مال خرچ کرے، جس میں اس کی کوئی منفعت نہیں، کیونکہ اس طرح ہونے پر وہ اس کی ملک میں تو نہ آئے گی، بعض علمائے مالکیہ نے اسے اس امر کے ساتھ مقید کیا کہ اس کا قصد کسی مصلحت کا حصول یا کسی خرابی کا دور کرنا ہو، لیکن اگر اس کی نیت بیوی کو نقصان پہنچانا ہے، تب درست نہیں، مواهب الجلیل میں ہے کہ مناسب ہے کہ مذہب (مالکی) اسے اس امر کے ساتھ مقید کرے کہ اجنبی کا یہ اقدام کسی مصلحت کے حصول یا دفعِ مفسدت کی خاطر ہو، جس کا اس اجنبی سے تعلق ہے اور عورت کو نقصان دینے کا قصد نہ ہو، ہمارے زمانے میں جو بعض لوگ اجنبی کے ذریعہ یہ کروا رہے ہیں، تو ان کا مقصد واجب نان و نفقہ کا اسقاط ہوتا ہے، جو طلاق دینے کی صورت میں دورانِ عدت میں شوہر کے ذمہ ہوتا ہے، تو اسے ابتداءً ہی ممنوع قرار دینے کے بارے کوئی اختلاف نہیں۔

خلع سے عورت کا معاملہ خود اس کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے

جمہور جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں، کا مؤقف ہے کہ خلع کی صورت میں اب معاملہ بیوی کے ہاتھ اور اختیار میں ہے، شوہر کو رجوع کا اب حق حاصل نہیں، کیونکہ بیوی نے اس زوجیت سے خلاصی پانے کے لیے ہی تو مال خرچ کیا ہے، اگر شوہر کو یہ حق دیں تو عورت کو مال کے عوض آزادی تو حاصل نہ ہوئی، حتیٰ کہ اگر اس نے لیا ہوا مال واپس بھی کر دیا اور عورت نے قبول بھی کر لیا، تب بھی اسے رجوع کا حق نہیں، کیونکہ اب خلع کی رو سے علیحدگی عمل میں آ چکی ہے، ابن مسیب اور زہری رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو اس سے لیا سارا مال وعوض واپس کرے اور یہ دورانِ عدت میں گواہوں کی موجودگی میں ہو۔

خلع کے بعد دوبارہ نکاح

دورانِ عدت میں شوہر اس کی رضا سے نئے عقد کے ساتھ پھر سے اس سے شادی کر سکتا ہے (یعنی اگر بیوی کا مؤقف تبدیل ہوا اور وہ اب اس کے ساتھ رہنے پر راضی ہے، تب ایسا ہوگا)۔

سمجھ دار نابالغ بیوی کا خلع

احناف کا مذہب ہے کہ اگر بیوی کم سن مگر سمجھ دار تھی اور اس نے خلع کر دیا تو اس پر ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور اسے مال دینا لازم نہ ہوگا، جہاں تک طلاق قرار دینا، تو اس لیے کہ شوہر کی عبارت کا معنی طلاق کے قبول کرنے پر معلق کرنا ہے اور ایسا کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ اہلیت رکھنے والے سے صادر ہوئی ہے اور جس نے قبول کیا وہ بھی اہلیت کی حامل ہے، کیونکہ قبول کرنے کی اہلیت معاملہ فہمی اور سمجھ داری ہے جو اس میں موجود ہے اور جب معلق علیہ ہو تو طلاقِ معلق واقع ہوگی، جہاں تک مال کا عدم لزوم تو اس لیے کہ وہ نابالغ ہے، لہٰذا مال تبرّع کرنے کی ابھی اہل نہیں، کیونکہ اس کا اہل ہونے میں عاقل و بالغ ہونا ہے اور بیوقوفی یا بیماری کی وجہ سے حقِ تصرف پر پابندی کا شکار نہ ہونا

شرط ہے اور جہاں تک اسے رجعی طلاق قرار دینا، تو اس لیے کہ جب مال کا التزام صحیح نہیں، تو یہ مجرد طلاق بنی، جس کے مقابل کوئی عوض اور فدیہ نہیں، لہٰذا یہ (خلع نہیں بلکہ طلاقِ) رجعی ہے۔

نابالغ غیر سمجھ دار کا خلع

اس کا خلع اصلاً ہی طلاق بن کر واقع نہ ہوگا، معلق علیہ کے عدم وجود کی وجہ سے اور وہ اہلیت کے حامل سے اس کا قبول کرنا۔

مجور علیہا (جس کے حقِ تصرف پر عدالتی پابندی ہے) کا خلع

احناف قائل ہیں کہ اگر بیوی پر بوجہ سفاہت پابندی ہے اور اس نے شوہر کے ساتھ مال کے عوض خلع کا معاملہ کر لیا اور اس نے قبول کیا، تو اسے مال وعوض دینا لازم نہ ہوگا اور اس پر ایک رجعی طلاق واقع ہوگی، سمجھ دار نابالغہ کی مثل، اس امر میں کہ وہ تبرع کرنے کی اہل تو نہیں البتہ قبول کرنے کی ہے۔

نابالغہ کے ولی (یعنی سرپرست) اور اس کے شوہر کے مابین خلع پر اتفاق

کہ مثلاً نابالغہ کا شوہر اس کے باپ سے کہے میں اس کے مہر کی (واپسی کی شرط) پر اس سے خلع کر لیتا ہوں یا اس کے مال میں سے کسی اور مبلغ کے عوض اور والد نے اسے بدل دینے کی حامی نہ بھری اور کہا: مجھے قبول ہے، تو یہ طلاق باور ہوگی اور بیوی کو مال دینا لازم نہ ہوگا اور نہ اس کے والد کو، جہاں تک طلاق واقع ہونا قرار دینا تو اس لیے کہ معلق علیہ اگر موجود ہو تو معلق طلاق واقع ہوجاتی ہے اور وہ یہاں بیوی کے والد کا قبول کرنا، جہاں تک عدم لزومِ مال تو چونکہ یہ بیوی ابھی تبرعات کے التزام کی اہل نہیں اور جہاں تک اس کے والد کے ذمہ اس کی ادائیگی کا عدم لزوم، تو اس لیے کہ اس نے حامی نہ بھری تھی اور بغیر کسی التزام (حامی بھرنے) کے اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں کیا جا سکتا، بعض نے کہا: اس صورت میں طلاق بھی واقع نہ ہوگی، کیونکہ معلق علیہ عوض دینے کو قبول

کر سکتا ہے اور وہ ثابت نہیں ہوا، یہ رائے ظاہر تو ہے (یعنی اس کی اصابت اور قوت) مگر عمل اول قول پر ہے۔

بیمار کا خلع

علماء کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرض الموت میں مبتلا بیوی بھی خلع کر سکتی ہے، البتہ اس مقدارِ مال کے بارے اختلاف ہے، جو ضروری ہے کہ شوہر کو اس کے عوض دے، اس خدشہ سے کہ وہ ورثاء کے حساب پر خاوند کی محابات میں راغب ہو، تو امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: وہ میراث میں اس کے حصے کے بقدر ہونا واجب ہے، اگر زائد ہوا تو زائد کا لینا حرام ہے، اگر لیا ہے تو لوٹانا ہوگا اور یہ معاملہ طلاق باور ہوگا اور اگر شوہر صحیح وتندرست ہے، تو اب دونوں کے درمیان توارُث کا تعلق ختم ہوا، حنابلہ بھی اس سے متفق ہیں، ان کے نزدیک اس میں حقِ رجوع نہیں! امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر مہرِ مثل کے بقدر مال کے ساتھ خلع لیا تو جائز اور اگر اس سے زائد ہوا تو زیادت ثلث مال سے ہوگی اور اسے اضافی سمجھا جائے گا، احناف نے اس شرط کے ساتھ اس خلع کو صحیح قرار دیا کہ وہ عوض اس کی ملکیت کے کل مال کے ثلث سے زائد نہ ہو اور کہ یہ متبرعہ ہو اور مرض الموت میں تبرع وصیت ہے اور اجنبی (جو ترکے کے ورثاء میں سے نہیں) کے حق میں (مرنے والے کی) وصیت ثلث مال کی حد تک ہی لاگو کی جاتی ہے اور شوہر اس خلع کی رو سے اب اجنبی ہوا ہے، کہتے ہیں: اگر یہ بیمار خلع لینے والی دورانِ عدت میں فوت ہوگئی، تو اس کا شوہر مستحق نہ ہوگا، مگر درج ذیل میں سے اقل کا:

① خلع کا عوض

② اس کے ترکے کا ثلث

③ اس کے ترکے میں اس کا حصہ

(تو ان میں سے جو کم ہو اس کے لینے کا وہ حقدار ہوگا) کیونکہ کبھی مرض الموت میں بیوی اپنے شوہر کے ساتھ اتفاقِ رائے سے اور (دلی طور پر) نہ چاہتے ہوئے اسے خلع کے عوض کی پیش کش کرتی ہے، جو میراث میں اس کے حصے سے زیادہ ہوتا ہے، تو دیگر

ورثاء کے حقوق کی حفاظت کی خاطر اوراس ملی بھگت کے تدارک کے لیے ازرہِ احتیاط قرار دیا کہ اگر دورانِ عدت میں اس کا انتقال ہوگیا، توشوہر (جس سے خلع کیا) ان تین میں سے وہ مد لے جو دیگر سے کم مقدار میں ہے، اگر وہ مرض سے بری ہوگئی اور فوت نہ ہوئی، تب کل اس عوض کا وہ حقدار ہوگا، جو بیوی نے طے کیا، کیونکہ اب واضح ہوگیا کہ اس کا یہ تصرف مرض الموت میں نہ تھا، لیکن اگر عدت گزرنے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا توشوہر کے لیے وہ سب متفق علیہ عوض اور بدل ہے، بشرطیکہ وہ اس کے ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہ ہو، کیونکہ یہ وصیت کے حکم میں ہے۔

کیا خلع طلاق ہے یا نکاح کا فسخ؟

جمہور قائل ہیں کہ خلع طلاقِ بائنہ ہے، کیونکہ ایک حدیث ذکر ہوئی، جس میں تھا: ((خُذِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً)) ''باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔'' اور اس لیے کہ فسوخ شوہر کے لیے عموماً فرقت کے مقتضی بنتے ہیں، جب یہ اس کی مرضی سے نہ ہو رہے ہوں، لیکن یہاں تو معاملہ اس کے اختیار کی طرف راجع ہے، لہٰذا یہ فسخ نہیں بعض علماء جن میں امام داود اور احمد رحمہ اللہ فقہاء میں سے اور ابن عباس، ابن عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم صحابہ میں سے، قائل ہیں کہ یہ فسخ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طلاق کا ذکر کیا جب کہا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) پھر بعد ازاں عوض دینے کا ذکر کیا، پھر کہا: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ (البقرۃ:۲۳۰) ''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے، تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔'' تو اگر فدیہ دے کر الگ ہونا طلاق ہوتا تو وہ طلاق جس کے بعد بیوی اس کے لیے حلال نہیں، مگر نئی جگہ شادی کر کے پھر طلاق پا کر (گویا) چوتھی طلاق ہوتی، یہ حضرات جائز قرار دیتے ہیں کہ فسخ دونوں فریق کی باہمی رضامندی سے واقع ہو، خرید و فروخت کے سودوں کے فسخ پر قیاس کرتے ہوئے، جیسا کہ (بیع) اقالہ میں ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس امر کی دلیل کہ یہ

طلاق نہیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مدخولہ بیوی کو طلاق رجعی دینے پر تین احکام مرتب کیے ہیں، جو سب خلع کے منافی ہیں:

اول، کہ شوہر رجوع کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ثانی، کہ یہ تین طلاقوں میں شمار کی گئی ہے تو تعداد پوری ہونے کے بعد یہ اس کے لیے حلال نہیں، مگر نئی جگہ شادی کر کے اور دخول ہو کر (پھر اتفاقاً طلاق پا کر) ثالث، کہ اس میں عدت تین حیض ہے۔

جبکہ نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ خلع میں رجوع نہیں ہو سکتا اور اس میں عدت ایک حیض ہے اور نص کے ساتھ دو طلاقوں کے بعد اس کا جواز ثابت ہے اور تیسری کا اس کے بعد وقوع اور یہ اس کے طلاق شمار ہونے میں نہایت ظاہر ہے، اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جو اسے طلاق شمار کرتے ہیں وہ بائنہ طلاق سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک یہ فسخ ہے وہ اسے ایسا نہیں سمجھتے، تو جس نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے رکھی ہیں پھر خلع کا معاملہ ہوا پھر چاہا کہ (اس کی رضامندی سے) اس سے شادی کر لے تو وہ یہ کر سکتا ہے۔یعنی اب پہلے کسی اور جگہ اس کی شادی اور طلاق ہونے کی شرط نہیں، کیونکہ اس نے اسے ابھی دو طلاقیں ہی دی تھیں اور خلع لغو ہے (یعنی طلاقوں میں اس کا شمار نہیں ہوا، بلکہ یہ فسخِ نکاح تھا) اور جن حضرات نے خلع کو طلاق شمار کیا ان کے نزدیک صورتِ مذکورہ میں وہ ایسا نہیں کر سکتا، جب تک اس کی نئی جگہ شادی نہ ہو (اور پھر طلاق) کیونکہ خلع کے ساتھ تین عدد طلاقیں پوری ہوئیں۔

کیا خلع لینے والی کو طلاق لاحق ہوگی؟

اسے طلاق لاحق نہ ہوگی، چاہے کہیں کہ خلع طلاق ہے یا اسے ہم فسخ قرار دیں اور یہ دونوں ہی اسے اس کے شوہر کے لیے اجنبی بنا دیں گے اور جب یہ اجنبی ہوگئی ہے، تو اب وہ طلاق کیسے دے گا؟ لہٰذا اسے طلاق لاحق نہ ہوگی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہوگی، اسی لیے ان کے نزدیک جائز نہیں کہ وہ جدا ہونے والی کے ساتھ ساتھ اس کی بہن سے بھی شادی کر لے۔

خلع لینے والی کی عدت

سنت سے ثابت ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہے، سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی کے قصے میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ایک حیض کے ساتھ عدت گزارے۔ [1] اسے نسائی نے ثقہ راویوں کی سند سے نقل کیا، سیدنا عثمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف تھا، امام احمد رحمہ اللہ سے اصح روایت بھی یہی ہے، امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی اور اسی کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا، لکھتے ہیں یہ رائے قواعدِ شریعت کے تقاضوں پر پورا اترتی ہے، کیونکہ عدت اس لیے تین حیض مقرر کی گئی ہے، تاکہ رجوع کرنے کو ایک طویل مدت میسر ہو اور اس دوران میں شوہر مزید سوچ و بچار کر لے، تو خلع میں تو رجوع کا معاملہ ہی نہیں مقصود صرف عورت کے حاملہ اور غیر حاملہ ہونے کا تعین ہے، جو ایک حیض سے پورا ہو جائے گا، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا کہ یہی رائے سیدنا عثمان، ابن عمر، ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہم اور ان کے چچا کی تھی اور یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں اور صحابہ میں کوئی اس کے برخلاف رائے رکھنے والا معلوم نہیں، جیسا کہ لیث بن سعد رحمہ اللہ نے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انھوں نے سنا کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بیان کر رہی تھیں کہ انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اپنے شوہر سے خلع لیا، تو ربیع کے چچا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: بنت معوذ نے آج اپنے شوہر سے خلع کیا ہے کیا وہ گھر چھوڑ کر چلی آئے؟ کہا: ہاں چلی آئے اور اب ان دونوں کے درمیان کوئی توارُث نہیں (یعنی ایک دوسرے کی میراث سے حصہ نہ پائیں گے) اور نہ ان پر کوئی عدت عاید ہے، البتہ ایک حیض گزرنے سے قبل وہ نئی جگہ شادی نہ کرے، تاکہ رحم کی صورتِ حال کا علم ہو، اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بولے: عثمان ہم سب سے بہتر اور اعلم ہیں۔ [2] کتاب الناسخ و المنسوخ رحمہ اللہ میں

---

[1] صحیح، سنن نسائی: ٦/١٨٦۔

[2] المحلی بالآثار: ٩/٥١٤؛ تاریخ مدینہ لابن شبۃ: ٣/٧٦٩۔

ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ صحابہ کا اجماع ہے، جمہور علماء کا مذہب ہے کہ خلع لینے والی کی عدت تین حیض ہے، اگر وہ ان خواتین میں سے ہے، جنہیں ابھی حیض آتا ہے۔

شوہر کی نفرت اور اعراض

اگر بیوی اپنی بیماری یا کبرسنی کے سبب یا بدصورتی کی بنا پر اپنے شوہر کی نفرت اور اعراض کا اندیشہ کرے، تو حرج نہیں کہ وہ شوہر کو راضی رکھنے اور بندھن برقرار رکھنے کی خاطر اپنے کچھ حقوق سے دستبردار ہو جائے، کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء:۱۲۸)

"اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی بات پر صلح کر لیں اور صلح میں ہی خیر ہے۔"

بخاری نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا کہ یہ ایسی عورت جس کے پاس اس کا شوہر کثرت سے نہیں آتا، بلکہ اسے طلاق دینے اور سوتن لانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو وہ کہتی ہے، مجھے طلاق نہ دو، نئی شادی بھی کر لو اور میں اپنا نان و نفقہ بھی معاف کرتی ہوں اور اپنی باری وغیرہ بھی چھوڑتی ہوں۔ [1] ابوداود نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بوڑھی ہو گئیں اور انہیں اندیشہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق نہ دے دیں، تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کرتی ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کیا، کہتی ہیں، ان کی اور ان جیسیوں کی بابت یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا﴾ [2]

المغنی میں ہے: اگر بیوی نے اپنے حقوق میں سے کسی شے کے ترک پر صلح کر لی (اور

[1] صحیح البخاری: ۵۰۶؛ صحیح مسلم: ۳۰۲۱۔
[2] صحیح، سنن أبی داود: ۲۱۳۵۔

شوہر کو طلاق نہ دینے پر راضی کیا) تو یہ جائز ہے اور اگر یہ پیشکش واپس لینا چاہے، تو اس کا بھی اختیار ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے جو اپنی اہلیہ سے غائب ہے، کہا کہ وہ بیوی سے صاف کہہ دے، اگر اس پر تم راضی ہو تو ٹھیک وگرنہ تم کوئی فیصلہ کرلو، تو بیوی نے اگر کہا: میں راضی ہوں، تو یہ جائز ہے اور چاہے تو اس موقف سے رجوع بھی کرسکتی ہے۔

میاں بیوی کی باہمی نا اتفاقی

اگر یہ مستحکم ہو چکی اور بندھن ٹوٹنے کا خدشہ ہے، تو حاکم دو ثالث مقرر کرے جو ان کے معاملے کو دیکھیں اور کوشش کریں کہ معاملہ کسی رخ طے ہو جائے کہ یا تو بندھن قائم رہے (اور اگر یہ ممکن نہیں تو) یا پھر علیحدگی کرا دیں، اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (النساء:۳۵)

''اگر میاں بیوی کے مابین ناچاقی کا ڈر ہو، تو ایک ثالث میاں اور ایک بیوی کے اقارب میں سے بناؤ۔''

اس میں شرط یہ ہے کہ ثالث عاقل، بالغ، عادل اور (مسلمان میاں بیوی کے لیے) مسلمان ہوں، یہ شرط نہیں کہ ان کے اقارب میں سے ہوں، لیکن اگر ایسے ہوں تو یہ بہتر ہے، آیت میں یہ حکم (کہ اقارب میں سے ہوں) برائے استحباب ہے، کیونکہ وہ صورتِ حال سے زیادہ آگاہ ہوں گے اور نسبتاً اصلاحِ احوال کی زیادہ کوشش کریں گے اور نرم روی سے کام لیں گے اور انہیں چاہیے کہ ایسا اقدام کریں جو مبنی بر مصلحت ہو، اگر دیکھیں کہ عقد برقرار رکھا جانا ممکن ہے، تو یہی کریں یا پھر ختم کرا دیں، اس ضمن میں ان کے لیے ضروری نہیں کہ انہیں میاں بیوی دونوں کی رضا چاہیے یا ان کی طرف سے ایسا کرنے کا اختیار و توکیل ہو، یہ سیدنا علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابو سلمہ بن عبدالرحمن، شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، مالک، اوزاعی، اسحاق اور ابن منذر رحمہم اللہ کی رائے ہے اور سابقہ فصل میں اس کی تفصیل گزری۔

ظہار

ظہار کی تعریف

یہ ظہر سے مشتق ہے، مراد شوہر کا بیوی سے کہنا: (أَنْتِ عَلَىَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ) ''تم میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہو۔'' فتح الباری میں ہے کہ اس ضمن میں ظہر کو اس لیے خاص کیا، کیونکہ یہی عموماً محلِ رکوب (سوار ہونے کا محل) ہے۔ مرکوب (یعنی سواری) کو بھی اسی وجہ سے (ظَهْر) کہا جاتا ہے، تو عورت کو اس سے تشبیہہ دی گئی، کیونکہ وہ شوہر کی مرکوب ہے، جاہلیت میں ظہار کو طلاق تصور کیا جاتا تھا، اسلام نے اس کا ابطال کیا اور اسے بیوی کو (وقتی طور پر) حرام کر دینے والا قرار دیا، تا آنکہ شوہر کفارہ دے، اگر کسی نے ظہار کیا اور اس کا ارادہ و نیت طلاق کی تھی، تو یہ ظہار ہی باور ہوگا، اگر کسی نے طلاق دی (یعنی طلاق کا لفظ استعمال کیا) اور اس کی نیت و ارادہ ظہار کا تھا، تو یہ طلاق متصور ہوگی، اگر کہا: تم مجھ پر میری والدہ کی ظہر کی طرح ہو، اور مراد اس سے طلاق لی، تو یہ طلاق نہیں بلکہ ظہار ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہ کہ ظہار جاہلیت میں طلاق تھا، تو یہ اسلام میں منسوخ کر دیا گیا، لہٰذا جائز نہیں کہ اس منسوخ حکم کی طرف عود ہو، نیز سیدنا اوس بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے دستور کے مطابق جب اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، تو طلاق کی ہی نیت کی تھی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ﴾ الخ کے نزول کے بعد اسے ظہار پر ہی رکھا، طلاق نہ بنایا، یہ اپنے حکم میں صریح ہے۔ کوئی اسے اس حکم میں کنایہ نہ بنا لے، اللہ نے اپنی شرع کے ساتھ جس کا ابطال کیا ہے، اللہ کا فیصلہ و حکم ہی احق و واجب ہے (کہ اس کی اتباع کی جائے)

علماء کا اس کی حرمت پر اجماع ہے، لہٰذا یہ اقدام جائز نہیں، کیونکہ اللہ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴾ (المجادلة:٢)

''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں، ان کی مائیں وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے، بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

اس کی اصل جو سنن میں ثابت ہے کہ سیدنا اوس بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سیدہ خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کر لیا، تو یہی ہیں جن کے بارے میں آیات نازل ہوئیں کہ اس بارے اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر مجادلہ کیا اور اللہ کے دربار میں شکایت کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور اللہ نے اسے سنا اور پذیرائی دی، مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جوان تھی تو مجھ سے ٹوٹ کر محبت کی، بچے جنوائے اب بچے چھوٹی عمر میں ہیں کہ ظہار کر لیا، اگر وہ اس کے پاس رہتے ہیں تو ضائع ہو جائیں گے، اگر میں اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے، اس پر سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ ایک گردن آزاد کرائے، سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس کی اس کے پاس استطاعت نہیں، فرمایا: ''تب متواتر دو ماہ کے روزے رکھے!'' عرض کی: وہ بوڑھا آدمی ہے، روزے نہ رکھ سکے گا، فرمایا: ''تو ساٹھ مساکین کو طعام دے دے۔'' عرض کی: وہ فقیر آدمی ہے، اتنا کہاں کہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا دے؟ فرمایا: ''میں کھجور کا ایک ٹوکرا اس کے پاس بھیجوں گا۔'' کہنے لگی اور ایک ٹوکرا میں دے دوں گی، فرمایا: ''خوب تم اس کی طرف سے ساٹھ مساکین کو طعام دیدو اور اپنے چچازاد (یعنی اوس) کی طرف واپس ہو جاؤ۔''[1] سنن میں ہے کہ

[1] صحیح، سنن أبی داود: ٢٢١٤؛ سنن ابن ماجه: ٢٠٦٣۔

سیدنا سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے (ماہِ رمضان کی مدت کے لیے) ظہار کر لیا، پھر رمضان کی ایک رات اس سے قربت کر لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، اب میرے بارے میں بحکمِ الٰہی سے فیصلہ دیجئے، فرمایا: ''ایک گردن آزاد کراؤ'' عرض کی: قسم ہے اس ذات! کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا، میں تو پھر اپنی ہی گردن کا مالک ہوں، فرمایا: ''تب دو ماہ کے پے در پے روزے رکھو'' کہنے لگے: روزوں کی وجہ سے ہی تو یہ کام سرزد ہوا ہے، فرمایا: ''پھر کھجوروں کا ایک وسق ساٹھ مساکین میں تقسیم کر دو'' کہتے ہیں میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم دونوں میاں بیوی نے رات بھوکے پیٹ گزاری ہے (ایک وسق کھجور کہاں؟) فرمایا: ''بنی زُریق کے صدقات کے عامل کے پاس جاؤ اور اسے کہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، مجھے ایک وسق کھجور دے دو، وہ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور جو بچ جائیں، وہ خود اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ، کہتے ہیں کہ میں اپنے قبیلہ کے پاس واپس گیا اور کہا: تمہارے ہاں تو میں نے تنگی اور سوئے بری پائی تھی، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے کشادگی اور حسنِ رائے عطا ہوئی اور مجھے تمہاری جمع شدہ زکاۃ بھی عطا فرما دی ہے۔[1]

کیا ظہار میں صرف والدہ کے نام کا حوالہ دینا ہی خاص ہے؟

جمہور کی رائے ہے کہ ظہار میں صرف والدہ کا ہی حوالہ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا اور جیسے سنت میں اس کا ورود ہے، اگر کہا: (أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُخْتِيْ) ''بہن کی پشت کی مانند ہو'' تو یہ ظہار نہ ہوگا، بعض کا موقف ہے اور ان میں احناف، امام ثوری اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو میں سے ایک قول بھی یہی ہے کہ والدہ پر سب محارم کو قیاس کیا جائے، ان کے نزدیک ظہار شوہر کا اپنی بیوی کو حرمت میں کسی بھی محرم رشتہ سے تشبیہ دینا ہے، ایسے محرم جو ابدی طور نسبی لحاظ سے محرم ہوں یا بوجہ رشتہ کے مثلاً: مصاہرت کے رشتہ کی وجہ سے یا رضاعت کی وجہ سے، کیونکہ علتِ تحریم مؤبد ہے۔

---

① حسن، سنن أبی داود: ۲۲۱۳؛ سنن ترمذی: ۱۲۰۰۔

جس نے اپنی بیوی کی نسبت کہہ دیا کہ وہ میری بہن ہے یا کہا: والدہ ہے اور یہ بات اکرام وتوقیر کی بنا پر کہی، تب یہ ظہار شمار نہ ہوگا۔

ظہار کس سے واقع ہوگا؟

ایسے شوہر سے جو عاقل ، بالغ اور مسلمان ہو اور جس کا عقدِ نکاح صحیحاً واقع ہوا ہو اور نافذ العمل ہو۔

عارضی ظہار

جب کوئی کسی سے عارضی مدت کے لیے ظہار کرے، مثلاً کہے: تم رات تک مجھ پر میری والدہ کی مانند ہو، پھر اس کی خلاف ورزی کر کے مدت پوری ہونے سے پہلے جماع کرے، تو اس کا بھی وہی مطلق ظہار والا حکم ہے (یعنی کفارہ دینا ہوگا) امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب اس نے خلاف ورزی نہ کی اور حانث نہ ہوا، تو اس کے بارے میں باہم اختلاف کیا گیا ہے، تو امام مالک اور ابن ابولیلی رحمہما اللہ نے کہا: اگر بیوی سے کہا: تم رات تک میرے لیے میری والدہ کی ظہر کی طرح ہو، تو اسے کفارہ لازم ہوا، اگرچہ خلاف ورزی نہ کرے، لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک اگر خلاف ورزی نہ کی تو کفارہ لازم نہ ہوگا، کہتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ کے عارضی ظہار کی بابت دو قول ہیں، ایک قول یہ کہ یہ ظہار نہیں ہے۔

ظہار کا اثر

اگر کسی نے ظہار کیا، تو اس کے دو اثرات مرتب ہوں گے، پہلا اثر کہ بیوی سے قربت کرنا حرام ہوگا، جب تک کفارۂ ظہار نہیں دے لیتا، کیونکہ قرآن نے کہا: ﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا﴾ (المجادلة:٣) "قریب جانے سے قبل۔" اور جس طرح جماع منع ہے، اسی طرح اس کے مقدمات بھی مثلاً بوسہ دینا اور معانقہ وغیرہ ، یہ جمہور کے نزدیک ہے، بعض کے مطابق حرام صرف جماع ہے، کیونکہ مس جماع سے کنایہ ہے؛

دوسرا اثر یہ ہوگا کہ عود پر (بھی جس کا ذکر اس آیت میں ہوا: ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ کفارہ واجب ہے، عود سے کیا مراد؟ اس بارے اختلافِ آراء ہے، تو امام قتادہ، سعید بن جبیر، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے کہا: یہ جماع کا ارادہ ہے، جب بوجہِ ظہار وہ اس کے لیے حرام ہوگئی ہے، کیونکہ اگر اس نے یہ ارادہ کیا تو وہ قریب نہ جانے کے عزم سے قریب جانے کے عزم کی طرف عائد ہوا، پھر چاہے فعل کیا یا نہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: بلکہ عود سے مراد ظہار کے بعد اس کا اسے روک لینا ہے، اتنا وقت کہ (اگر چاہے تو) طلاق دے لے، مگر طلاق نہ دی، کیونکہ والدہ سے اسے مشابہ قرار دینا اس کی علیحدگی کا تقاضا کرتا ہے اور روکے رکھنا اس کے الٹ ہے، تو اگر روکے رکھا تو گویا وہ اپنے قول کی طرف عائد ہوا، کیونکہ قول کے لیے عوذ (گویا) اس کی مخالفت کرنا ہے، امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: بلکہ یہ صرف جماع کرنے کا عزم ہے، اگرچہ بالفعل نہ کرے، امام داؤد، امام شعبہ رحمہ اللہ اور اہلِ ظاہر نے کہا: عود سے مراد لفظِ ظہار کا اعادہ کرنا ہے (یعنی دوبارہ ظہار کرنا) تو ان کے ہاں کفارہ پہلے ظہار پر نہیں، بلکہ دوبارہ کرنے پر واجب ہوتا ہے۔

کفارہ ادا کرنے سے قبل چھونا (جماع کرنا)

اگر ادائیگی کفارہ سے قبل بیوی سے قربت کر لی تو یہ تو حرام ہے، جیسا کہ اس کا بیان گزرا، مگر کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور نہ دوگنا ہو جائے گا، بلکہ وہی ایک کفارہ رہے گا، صلت بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے دس فقہاء سے پوچھا کہ اگر ظہار کرنے والے نے کفارہ دینے سے قبل جماع کر لیا تو؟ سب کا جواب تھا کہ ایک ہی کفارہ اس کے ذمہ ہے۔

کفارہ کیا ہے؟

ظہار کا کفارہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرانا، اگر یہ نہ پائے (اس کی سکت نہیں) تو دو ماہ کے بلا ناغہ روزے رکھے، اگر اس کی بھی سکت نہیں تو ساٹھ مساکین کو کھانا دے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ (المجادلة: ٣۔٤)

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اس سے رجوع کر لیتے ہیں، جو انہوں نے کہا، تو ایک گردن آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اس کے ساتھ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے خبردار ہے، جسے غلام نہ ملے وہ چھونے سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے اور جسے اس کی بھی قدرت نہیں وہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے۔''

ظہار کے کفارے میں تشدید کی گئی ہے، تاکہ لوگ ازدواجی تعلق اور بندھن میں محتاط رہیں، تاکہ عورت زیادتی سے محفوظ ہو، جب آدمی دیکھے گا اس کا کفارہ اتنا سخت ہے، تو وہ احتیاط سے کام لے گا اور آسانی کے ساتھ منہ سے ایسی بات نہ نکالے گا۔

فسخ

فسخِ عقد کا مطلب ہے، اسے توڑ دینا، عقدِ نکاح کا فسخ میاں بیوی کے اس باہمی بندھن و تعلق کو ختم کر دینا، جس کے سبب وہ آپس میں میاں بیوی تھے، کبھی یہ فسخ عقد میں واقع کسی خلل کی وجہ سے ہوگا یا کسی ایسے سبب سے جو (عقدِ صحیح ہو جانے کے بعد اب) اس کی بقاء کے لیے مانع ہے، اول کی مثال:

① عقدِ نکاح ہوا پھر ظاہر ہوا کہ اس کی منکوحہ تو اس رضاعی بہن ہے، تو یوں عقد کا فسخ ہو جائے گا۔

② والد اور دادا کے سوا کسی اور (ولی) نے نابالغ یا نا بالغہ کا نکاح کیا، تو بالغ ہونے کے بعد دونوں کو حق ہوگا کہ وہ چاہیں تو اس نکاح کو برقرار رکھیں یا چاہیں تو ختم کر دیں، اسے (فقہی اصطلاح میں) خیارِ بلوغت کہا جاتا ہے، اگر وہ بندھن ختم کرنے کو اختیار کریں تو یہ اس عقد کا فسخ ہے۔

دوم کی مثال یہ کہ مثلاً دونوں میں سے ایک اسلام سے مرتد ہو گیا، تو اس وجہ سے (خود بخود) ان کا نکاح فسخ ہوا، یا شوہر مسلمان ہو گیا، مگر اس کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کیا اور وہ مشرکہ ہے، تو بھی عقد فسخ ہو جائے گا، لیکن اگر بیوی کتابیہ ہے، تب عقد باقی رہے گا، کیونکہ کتابیہ سے مسلمان کی شادی ہونا صحیح ہے، تو یہ جدائی جو اِن مذکورہ بالا صورتوں میں ہوئی فسخِ نکاح کا نتیجہ ہے اور یہ اس جدائی و علیحدگی سے علاوہ ہے، جو بوجہِ طلاق حاصل ہوتی ہے، کیونکہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: رجعی اور بائن، رجعی طلاق سے فی الفور ازدواجی بندھن نہیں ٹوٹ جاتا، جبکہ بائنہ سے فوراً ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ فسخ چاہے وہ

پہلی صورت کا ہو یا دوسری کا، وہ فوری طور پر شادی کا بندھن ختم کر دے گا، ایک اور جہت سے دیکھیں، تو طلاق کے ساتھ علیحدگی، طلاق دینے کی مشروع تعداد میں کمی کر دے گی، مثلاً کسی نے رجعی طلاق دی اور پھر رجوع کر لیا اور وہ ابھی عدت میں تھی یا عدت ختم ہو جانے کے بعد عقدِ جدید سے دوبارہ بندھن قائم ہوا، تو وہ طلاق اس کے حساب میں درج ہوگی اور وہ اس کے بعد تین طلاقوں کی بجائے دو طلاقوں کا مالک رہ جائے گا اور اگر خیارِ بلوغت کے سبب فسخِ نکاح عمل میں آتا ہے، پھر بعد ازاں دونوں باہم شادی کر لیتے ہیں، تو شوہر کے پاس تین طلاقوں کا حق محفوظ ہے، فقہائے احناف نے چاہا کہ طلاق کے سبب علیحدگی کی فسخ کے سبب علیحدگی سے تمیز کے لیے کوئی عام ضابطہ وضع کریں، تو کہا: جو علیحدگی شوہر کی طرف سے ہو اور اس کا بیوی کی طرف سے ہونا متصور نہ ہو، وہ طلاق ہے اور جو بیوی کی طرف سے ہو نہ کہ شوہر کے سبب، یا ہو تو شوہر کی طرف سے مگر بیوی سے بھی اس کا ہونا متصور ہے، وہ فسخ ہے۔

عدالتی فیصلے کی رو سے فسخِ نکاح

فسخ کا سبب کئی دفعہ اتنا واضح ہوتا ہے کہ فسخِ نکاح کے لیے عدالت جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مثلاً ظاہر ہوا کہ وہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں، تب فوری طور پر خود ہی الگ ہو جائیں گے، لیکن کئی دفعہ اس کا سبب خفی اور غیر واضح ہوتا ہے، تو اس صورت میں عدالتی کارروائی کی ضرورت ہوگی اور فسخ اسی پر متوقف ہوگا، جیسے مشرکہ بیوی مسلمان ہونے سے انکار کرے، اگر اس کا شوہر اسلام قبول کر چکا ہے، کیونکہ تب ممکن ہے وہ علیحدہ نہ ہونا چاہے اور خود سے فسخ عمل میں نہ آئے، (لہٰذا عدالتی کارروائی کی ضرورت ہوگی)۔

لِعان

لِعان کی تعریف

یہ لعن سے مأخوذ ہے، کیونکہ لعان کرنے والا پانچویں باری میں اپنے آپ کو لعنت کا حقدار بنائے گا، اگر اس کا دعوی جھوٹا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (النور: ٧)

"اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پہ اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔"

بعض نے کہا لعن کا (لغوی) معنی اِبعاد ہے (دور کرنا) ہے تو چونکہ اس کے نتیجے میں دونوں ایک دوسرے سے دور (اور جدا) ہو جائیں گے، تو دونوں میں سے ہر ایک کو متلاعن کا نام دیا گیا، یا اس لیے کہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، لہٰذا ملعون یعنی گناہگار اور (اللہ کی رحمت سے) دور ہے، لعان کا ماحصل اور نتیجہ دونوں کی ایک دوسرے کے لیے ابدی حرمت ہے (اب کبھی میاں بیوی نہیں بن سکتے)۔

لعان کی حقیقت

شوہر جب اپنی بیوی پر تہمتِ زنا لگائے تو چار مرتبہ قسم اٹھائے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (النور:٦-٧)

"اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں، تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی

قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتو اس پر اللہ کی لعنت۔''

اسی طرح بیوی بھی کہے گی کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ میں شوہر کہے گا: مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹا ہوں، جبکہ بیوی کہے گی مجھ پر اللہ کا غضب اگر وہ سچا ہے۔

لعان کی مشروعیت

اگر شوہر نے بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور وہ اس کا اعتراف نہیں کرتی اور شوہر اپنے الزام کو واپس نہیں لیتا، تو اللہ نے اس صورتحال میں لعان کر لینا مشروع کیا ہے۔ بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر الزام لگایا کہ ان کی بیوی شریک بن سحماء کے ساتھ ملوث ہے۔[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''ثابت کرو یا پھر حدِ قذف کھانے کو تیار ہو جاؤ۔'' وہ بولے حضور کیا جب کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو دیکھے تو وہ اب گواہ ڈھونڈنے نکل کھڑا ہو؟ لیکن آپ یہی فرماتے رہے کہ ثبوت پیش کرو یا حدِ قذف کے لیے تیار رہو۔ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں سچا ہوں اور (مجھے امید ہے کہ) اللہ ضرور نازل کرے گا، جس سے میری پشت حد سے محفوظ رہے، تو یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (النور:٦-٩)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ

---

[1] بقول محشی یہ رمضان ۹ھ کا واقعہ ہے، بعض نے کہا: وفات کے سال۔

چار شہادتیں ہیں یہ ہے کہ پہلے تو چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو، اور اس (عورت) سے سزا کو یہ بات ہٹائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً وہ (مرد) جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو، اگر (مرد) سچوں میں سے ہو۔"

تو آپ نے دونوں کو طلب کیا اور لعان کا علی الاعلان اجرا کرایا اور آغاز میں فرمایا: "اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، تو کیا وہ (لعان کی بجائے) توبہ کرنے پر تیار ہے؟" جب خاموش رہے تو باری باری دونوں سے حلف اٹھوایا، خاتون جب پانچویں مرتبہ مطلوبہ الفاظ کہنے کے لیے تیار ہوئی، تو لوگوں نے کہا: سوچ لو! یہ واجب کرنے والی ہے، تو وہ تھوڑا ہچکچائی حتی کہ خیال کیا گیا وہ اعتراف کر لے گی، مگر پھر آگے بڑھی اور کہا: میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کر سکتی اور کلمات کہہ دیے، نبی کریم ﷺ نے بعد ازاں کہا: دیکھنا اگر بچہ شریک سے مشابہت رکھنے والا پیدا ہوا تو وہ اسی کا ہوگا۔" تو ایسا ہی پیدا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ کو اس سے آگاہ کیا گیا تو فرمایا: "اگر کتاب اللہ کے حکم کی رو سے لعان عمل میں نہ آچکا ہوتا، تو میرا اس سے معاملہ دیگر ہوتا۔" (یعنی چونکہ لعان کی وجہ سے اب حد نافذ نہیں کی جاسکتی، لہٰذا حدِ زنا نافذ نہیں کی جائے گی اور معاملہ اس پر ختم ہوا کہ دونوں کی علیحدگی ہوئی) [1]

مؤلف بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں: من حیث المعنی چونکہ فراش (شوہر کے گھر اس کی پیدائش) اس کے (والد کے) نسب کے ساتھ الحاق کا موجب تھی، تو ایک ایسے راستے کی ضرورت تھی کہ اگر کسی شوہر کو شبہ ہو تو وہ اپنے سے بچے کی نفی کر سکے اور یہ راستہ لعان کا ہے، جو کتاب اللہ، سنت، قیاس اور اجماع کی رو سے ثابت حکم ہے، اس کے بارے عمومی لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔

[1] صحیح البخاري: ٤٧٤٧؛ سنن أبي داود: ٢٢٥٤؛ سنن ترمذي: ٢١٧٩۔

لعان کب ہوگا؟

یہ دو صورتوں میں ہوگا:

① کہ شوہر بیوی پر زنا کا الزام لگائے، لیکن اس کے پاس چار گواہ موجود نہیں۔

② کہ وہ اس کے حمل کی اپنے سے نفی اور انکار کرے، پہلی صورت میں لعان کا تبھی جواز ہوگا، جب وہ اسے زنا کرتا دیکھے یا وہ خود اقرار کرے اور اس کا دل اسے سچا جانے، اس حال میں اولیٰ یہ ہے کہ بجائے لعان کرنے کے طلاق دیدے، حمل کی نفی تبھی کرے گا، اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس نے تو عقدِ نکاح کے بعد ابھی تک اس سے جماع ہی نہ کیا تھا، یا دعویٰ کرے کہ نکاح اور جماع کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہے (چونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے) یا آخری مرتبہ جب جماع کیا تھا، اس سے ایک سال سے زیادہ مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو۔

لعان کا اجرا حاکم کے روبرو ہوگا، وہ اولاً دونوں کو وہ حدیث یاد دلائے، جو ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کی اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی عورت نے حرام کا بچہ جنا، اس کا اللہ سے کوئی ناطہ نہیں اور اللہ ہرگز اسے جنت میں داخل نہ کرے گا اور جس شخص نے جھوٹا الزام لگاتے ہوئے اپنے نطفے کا انکار کیا، اللہ اول و آخر سب مخلوق کے سامنے اسے رسوا کرے گا۔''① حاکم کی موجودگی کے علاوہ اس میں فریقین کے عاقل و بالغ ہونے کی شرط بھی ہے اور اس پر اجماع ہے۔

گواہ پیش کرنے کے بعد لعان

اگر شوہر نے زنا پر گواہ پیش کر دیے تو کیا اب وہ لعان کر سکتا ہے؟ امام ابوحنیفہ اور امام داود رحمہ اللہ نے کہا: نہیں کر سکتا، کیونکہ لعان در اصل گواہوں کی متبادل شکل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ﴾ (النور:٦) ''اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں، مگر وہ خود ہی، تو ان میں سے ہر ایک کی

① ضعیف، سنن أبی داود: ٢٢٦٣؛ سنن ابن ماجہ: ٢٧٤٣۔

شہادت۔'' امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق کر سکتا ہے، کیونکہ گواہ دفعِ فراش میں مؤثر نہیں ہوتے۔

کیا لعان یمین (قسم) ہے یا گواہی؟

امام مالک، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علماء کے خیال میں لعان یمین ہے، اگرچہ شہادت کے لفظ سے (قرآن میں) موسوم ہوا ہے، کیونکہ کوئی اپنے آپ کے حق میں تو گواہی نہیں دیتا، پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی لعان کے قصے میں روایت کے بعض طرق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مذکور ہیں: ((لَوْلَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ)) ① ''اگر ایمان (یمین کی جمع، گویا قسم کا لفظ استعمال کیا) نہ ہوتیں، تو میرا اس کی نسبت ایک دیگر معاملہ ہوتا۔'' جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے اسے گواہی قرار دیا ہے، ان کا استدلال اس آیت سے ہوا: ﴿فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ﴾ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سابق الذکر روایت سے جس میں ہے کہ ہلال آئے (فَشَهِدَ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ) ''پہلے شوہر نے گواہی دی پھر عورت کھڑی ہوئی اور گواہی دی۔'' ② جو حضرات اسے یمین قرار دیتے ہیں، وہ قائل ہیں کہ لعان ہر قسم کے میاں بیوی کے مابین صحیح ہے، چاہے وہ آزاد ہوں یا غلام یا ایک آزاد اور دوسرا غلام/لونڈی اور چاہیں فاسق و فاجر ہوں یا ایسے نہ ہوں، جو اسے شہادت کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ انہی میاں بیوی کے مابین ہوگا، جو گواہی دینے کے اہل ہوں، یعنی آزاد (جو غلام و لونڈی نہیں) اور مسلمان۔ جہاں تک غلام یا وہ جنہیں حدِ قذف لگ چکی ہو، ان کے مابین لعان کرانا جائز نہیں، اسی طرح تب بھی اگر ایک گواہی کا اہل ہو اور دوسرا نہیں، امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ لعان میں دونوں وصف جمع ہیں، یہ یمین بھی ہے اور گواہی بھی اور یہ ایسی گواہی ہے جو قسم اور تکرار کے ساتھ مؤکد ہے اور ایسی جو بلفظِ شہادت اور تکرار مؤکد و مغلظ ہے، کیونکہ صورتحال اس تاکید و تشدید کی متقاضی تھی، لہٰذا اس میں تاکید کی دس انواع ملحوظ رکھی گئی ہیں:

---

① ضعیف، سنن أبی داود: ٢٢٥٦۔ ② صحیح، سنن أبی داود: ٢٢٥٤۔

① شہادت کے لفظ کا ذکر

② قسم کا ذکر، اسمائے حسنی میں سے سب سے جامع اور شامل اسمِ جلالت کے ساتھ یعنی لفظِ اللہ عز وجل ہے۔

③ جواب کی تاکید اس اداۃ کے ساتھ جس کے ساتھ مقسم علیہ مؤکد کی جاتی ہے، مثلاً (أن) اور لام اور اسم فاعل کا استعمال۔

④ چار مرتبہ اس کا تکرار

⑤ پانچویں بار میں اپنے آپ کو لعنت کی بد دعا اگر وہ جھوٹا ہے۔

⑥ پانچویں بار سے قبل اسے آگاہ کیا جانا کہ اس معاملے کو بڑا سمجھو، جھوٹ بولنا اللہ کے عذاب کا موجب ہوگا اور یہ کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔

⑦ شوہر کے لعان کو عورت کے لیے حصولِ عذاب کا مقتضی بتلانا اور وہ یا تو حد اور یا قید (اگر عورت مقابلہ میں اپنی باری سے پیچھے ہٹے) جبکہ عورت کے لعان کو اس سے حد اور سزا دور کرنے والا بنایا۔

⑧ یہ لعان دونوں میں سے ایک کے لیے موجب عذاب ہے، یا تو دنیا میں یا پھر آخرت میں۔

⑨ لعان کرنے والے میاں بیوی کے مابین علیحدگی ہو جانا۔

⑩ اس علیحدگی کا دائمی ہونا (یہ نہیں کہ دوبارہ عقد کر سکیں)

تو جب لعان کا معاملہ اس شدت و اہمیت کا ہے، تو اسے مقرون بالشہادت قسم اور مقرون بالیمین شہادت بنا دیا اور لعان کرنے والے کے قول کو قبول کرنا گواہی کے مترادف تو اگر بیوی لعان کرنے سے ہچکچائے اور پیچھے ہٹے، تو گویا شوہر کی بات اس کے خلاف گواہی سمجھی گئی اور اس کی بنا پر وہ حد لگائے جانے کی سزا وار ٹھہری، اس کی گواہی اور قسم نے دو اشیا کا افادہ دیا: خود اس سے حد کا سقوط (کہ اگر لعان نہ کرے تو حدِ قذف کا سزاوار ٹھہرے) اور عورت پر اس کا وجوب (اگر وہ لعان سے پیچھے ہٹے) اگر عورت بھی لعان کرے اور اس کا لعان اس کے شوہر کے لعان کے معارض اور

برخلاف ہوا، تو دونوں سے حد ساقط ہوئی، تو اس لحاظ سے لعان یمین بھی ہے اور شہادت (یعنی گواہی) بھی، کیونکہ مجرد قسم سے تو کسی پر حد کا نفاذ نہیں ہوسکتا، اسی طرح یہ مجرد گواہی بھی نہیں، کیونکہ ایک گواہی سے تو حد کا نفاذ نہیں ہوتا، اگر اس کے ساتھ عورت کا پیچھے ہٹ جانا منضم کیا جائے، تو شوہر کے حق میں شہادت اور قسم کی جانب قوی ہوئی اور یہ اس کے تأکد اور عورت کے پیچھے ہٹ جانے کے مدِ نظر، کیونکہ یہ شوہر کے سچا ہونے کی ظاہر دلیل بنی، تو اس سے حد ساقط ہوئی، جبکہ بیوی پر حد واجب ہوگئی، اس سے ظاہر ہوا کہ لعان یمین ہے، جس میں معنائے شہادت بھی ہے اور شہادت بھی جس میں معنائے یمین بھی ہے۔

اندھے اور گونگے کا لعان

اندھے کے لعان کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں، لیکن گونگے کے بارے میں اختلاف موجود ہے، تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اگر وہ اشاروں سے سمجھا سکے تو لعان کا جواز ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: وہ لعان کا مجاز نہیں، کیونکہ وہ اہلِ شہادت میں سے نہیں۔

لعان کا آغاز کس سے ہو؟

بالاتفاق سنت یہ ہے کہ شوہر پہل کرے (کیونکہ وہ مدعی ہے) اس تقدیم کے وجوب میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک یہ واجب ہے، اگر عورت نے اس سے قبل لعان کر لیا، تو وہ شمار نہ ہوگا، ان کی حجت یہ ہے کہ لعان کی مشروعیت شوہر سے دفعِ حد کے لیے ہوئی تو اگر بیوی نے آغاز کیا تب یہ دفع ایسے امر کے لیے ہوا جو ثابت نہیں ہوا، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر عورت کے لعان سے آغاز ہو تو یہ بھی درست ہے اور اسے شمار کرنا ہوگا، ان کی حجت یہ ہے کہ اللہ نے قرآن میں (دونوں کے لعان کا ذکر کرتے ہوئے) واو عاطفہ استعمال کی ہے، جو ترتیب کی مقتضی نہیں ہوتی، بلکہ یہ مطلق جمع کے لیے ہے۔

لعان سے پیچھے ہٹ جانا

یہ یا تو شوہر کی طرف سے ہوگا یا اس کی بیوی کی جانب سے، اگر شوہر پیچھے ہٹا تو اسے حدِ قذف لگانا ہوگی، کیونکہ اللہ نے فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (النور:٦)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں ہیں کہ یقیناوہ سچوں میں سے ہے۔''

تو جب اس نے ایسا نہ کیا تو وہ ایسے ہی ہے، جیسے کسی اور نے اس خاتون پر جھوٹا الزام لگایا ہو اور نبی کریم ﷺ نے سیدنا ہلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''ثبوت پیش کرو یا پھر حد کھاؤ۔''[1] ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قائل ہیں کہ حد نہیں بلکہ قید کر دیا جائے، حتی کہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے، اگر اپنے آپ کو جھوٹا کہا، تب وہ حدِ قذف کا حقدار بنے گا، اگر بیوی پیچھے ہٹی، تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر حدِ زنا کا اجرا ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: حد نہیں بلکہ قید میں ڈالا جائے، حتی لعان کرے یا زنا کا اقرار کرے، اگر اقرار کیا تب اس پر حدِ زنا کا اجرا ہوگا (جو رجم ہے، کیونکہ شادی شدہ ہے) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہے:

((لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدٰی ثَلَاثٍ زِنًی بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ كُفْرٌ بَعْدَ إِیْمَانٍ أَوْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ))[2]

''کسی مسلمان کا خون بجز تین وجوہ کے حلال نہیں: شادی شدہ ہو کر زنا کرے، اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے، کسی جان کا ناحق قتل کرے۔''

---

[1] صحیح البخاری: ٤٧٤٧؛ سنن أبی داود: ٢٢٥٤۔

[2] صحیح، سنن ترمذی: ٢١٥٨؛ سنن أبی داود: ٤٥٠٢۔

اور اس لیے کہ فقط پیچھے ہٹ جانے کی وجہ سے خون بہا دینا ایسا حکم ہے، جس کا اصول رد کرتے ہیں، کیونکہ کثیر فقہاء فقط اس وجہ سے مال کی چٹی ڈالنا بھی واجب نہیں سمجھتے تو خون بہانا تو جائز نہ ہوا، بقول امام ابن رشد رحمہ اللہ بالجملہ خون بہانے کے قاعدہ کلیہ کی شرع میں بنیاد یہ ہے کہ یہ یا تو عادلانہ اور ٹھوس ثبوتوں کی بنا پر ہو یا اعتراف کی وجہ سے اور ضروری ہے کہ اس قاعدہ کی اسمِ مشترک کے ساتھ تخصیص نہ کیا جائے، لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس مسئلے میں رائے، ان شاء اللہ زیادہ درست ہے، ابو المعالی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب البرہان میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استدلال کی قوت کا اعتراف کیا ہے، حالانکہ وہ شافعی ہیں۔

لعان کرنے والے میاں بیوی کے مابین علیحدگی

جب وہ لعان کر لیں تو علی سبیل التاکید ان کے درمیان علیحدگی عمل میں آجائے گی اور کسی صورت میں (اور کبھی بھی) دونوں کی ایک دوسرے کے لیے حرمت ختم نہ ہوگی، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لعان کرنے والا جوڑا جب علیحدہ ہو تو کبھی دوبارہ مجتمع نہ ہوں گے۔''[1] سیدنا علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، کہتے ہیں سنتِ جاریہ یہ ہے کہ لعان کرنے والا جوڑا دوبارہ کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔[2] دونوں کو دار قطنی نے تخریج کیا، کیونکہ اتنا بڑا الزام لگانے کے بعد اب اس قدر وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے، جس کا پاٹنا کبھی ممکن اور مناسب نہیں، کیونکہ خوشگوار ازدواجی بندھن کی اساس باہمی اعتماد اور محبت ہے اور یہ اس اساس کو کھو چکا ہے، لہٰذا دونوں کو اس کا خمیازہ دائمی فرقت کی صورت میں بھگتنا ہوگا۔ فقہاء کا اس شخص کے بارے اختلافِ آراء ہے جو اقرار کر لے کہ اس نے جھوٹا الزام لگایا تھا، تو جمہور نے کہا: تب بھی علیحدگی واجب ہے اور وہ بھی اب دائمی طور پر اس سے دور رہے گا، ان کے مدِ نظر سابق الذکر احادیث ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ اگر اپنے جھوٹے ہونے کا اعتراف کر لیا، تو اب لعان کی کارروائی ختم ہوئی، تو جیسے بچے کا بھی اب اس سے الحاق ہوگا، اس

[1] صحیح، سنن دار قطنی: ۳/ ۶۷۲۔ [2] سنن الدار قطنی: ۳/ ۲۷۶، ۲۷۷۔

طرح عورت بھی اس کے دائرۂ نکاح میں برقرار رہے گی، اس لیے کہ تحریم کا موجب سبب دونوں میں سے ایک کے صدق کی تعیین کا نہ ہوسکنا اور اس سے لاعلمی تھا، اب جبکہ قطعیت سے ثابت ہوا کہ ایک جھوٹا ہے، تو تحریم بھی ختم ہوئی۔

علیحدگی کب عمل میں آئے گی؟

لعان کی کارروائی ختم ہوتے ہی دونوں کی علیحدگی عمل میں آجائے گی، یہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے بقول شوہر کے لعان کے مکمل ہوجانے پر ہی، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام ثوری رحمہم اللہ نے کہا: علیحدگی واقع نہ ہوگی، مگر حاکم قاضی کے فیصلہ دینے سے (یعنی لعان مکمل ہوجانے پر وہ علیحدگی کا قانونی فیصلہ دے گا)۔

کیا علیحدگی طلاق ہے یا فسخِ نکاح؟

جمہور کے نزدیک لعان کے نتیجہ میں ہونے والی علیحدگی فسخِ نکاح ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے طلاقِ بائنہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کا سبب شوہر کی جانب سے ہے، بیوی کی جانب سے ہونا متصور نہیں اور ہر علیحدگی جو شوہر کی جانب سے ہو، وہ طلاق ہوتی ہے نہ کہ فسخ، یہاں ہونے والی علیحدگی پاگل سے علیحدگی کی مثل ہے، جب وہ قاضی کے فیصلہ سے ہو، اول رائے والوں کی دلیل (لعان کے بعد اب دونوں کی ایک دوسرے کے لیے) ابدی تحریم ہے، تو یوں وہ محرم کے مشابہ بنے، ان کی رائے ہے کہ بوجہ لعان فسخِ نکاح عدت کے دوران میں عورت کے نان و نفقہ اور رہائش کے استحقاق کا مانع ہے، کیونکہ بیوی عدتِ طلاق میں اس کی مستحق ہوتی ہے نہ کہ عدتِ فسخ میں، اس کی تائید قصہِ لعان کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ خاتون اب طعام و رہائش لینے کی مستحق نہیں اور یہ اس وجہ سے کہ یہ علیحدگی طلاق کی وجہ سے نہ ہوئی اور نہ شوہر کے فوت ہوجانے کی وجہ سے۔[1]
اسے احمد اور ابوداود نے نقل کیا۔

---

[1] ضعیف، مسند أحمد: ١/ ٢٤٥؛ سنن أبی داود: ٢٢٥٦۔

بچے کا والدہ سے الحاق

اگر شوہر نے اپنا نطفہ ہونے کی نفی کی اور لعان کی کارروائی سے یہ نفی تام ہو چکی تو اب بچے کو اس کی طرف منسوب نہ کیا جائے گا اور اس سے اس کا نفقہ بھی ساقط ہوا، اسی طرح توارث بھی، اب وہ اپنی والدہ سے ملحق ہو گا، وہ اس کی اور وہ اس کا وارث بنے گا، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لعان کرنے والے جوڑے کے بچہ کی بابت فیصلہ دیا کہ وہ اپنی والدہ کے ترکے کا وارث ہوگا اور اس کی والدہ اس کے ترکے کی اور جس نے اس پر تہمت لگائی، اسے ۸۰ کوڑے مارے جائیں گے۔[1] اسے احمد نے نقل کیا، اس حدیث کی تائید اس امر پر دلالت کرنے والی وہ روایات بھی کرتی ہیں، جن میں ہے کہ ''بچہ صاحبِ فراش (یہ شوہر سے کنایہ ہے) کا ہوتا ہے۔'' اور یہاں تو فراش موجود ہی نہیں، کیونکہ شوہر نے اس کی نفی کر دی اور جو اب اس خاتون پر الزام تراشی کرے وہ قاذف (بہتان لگانے والا) باور کیا جائے گا اور اسے اسی ضربیں بطور حدِ قذف کے ماری جائیں گی، کیونکہ یہ ملاعنہ خاتون محصنات میں داخل ہے اور اس کا برخلاف ثابت نہیں ہو سکا، لہٰذا جو الزام تراشی کرے وہ حدِ قذف کا سزاوار ہوگا، اسی طرح جو اس بچہ کو حرام کا جنا کہے، تو گویا اس نے اس کی والدہ پر الزام لگایا، لہٰذا وہ بھی حدِ قذف کا مستحق بنے گا، یہ ان احکام کی نسبت سے جو لعان کی کارروائی ہونے پر اسے لازم آئے، لیکن ان احکام کی نسبت سے جو اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے مشروع کیے ہیں، اس بچہ کے ساتھ معاملہ یہ کیا جائے گا کہ اسی کا بیٹا ہے (شوہر جس نے لعان کیا) یہ بربنائے احتیاط تو وہ اسے اپنے مال کی زکاۃ نہیں دے سکتا اور اگر اسے قتل کر دے تو اس پر قصاص عائد نہ ہوگا اور اس کے اور اس کی اولاد کے درمیان حرمت ثابت رہے گی اور دونوں کی ایک دوسرے کے لیے گواہی جائز نہ ہوگی اور وہ مجہول النسب شمار نہ کیا جائے گا، تو کسی اور کے لیے صحیح نہ ہوگا کہ اس کے اپنا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے، اگر شوہر نے (اپنا الزام واپس لے لیا اور) اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے لیا، تو بچے کا نسب اسی کے لیے ثابت ہوا، اور بچہ کی نسبت لعان کا ہر اثر زائل ہوا۔

---

[1] مسند أحمد: ١/ ٢٤٥۔

عدت

عدت کی تعریف:

یہ عدّ اور اِحصاء سے ماخوذ ہے (گنتی کرنا اور شمار کرنا) یعنی خاتون جو ایام اور قروء کا شمار و حساب رکھے، یہ اس مدت کا اسم ہے، جس میں خاتون حالتِ انتظار میں ہے اور (نئی) شادی کرنے سے رکے ہوئے ہے، اپنے شوہر کی وفات کے بعد یا اس سے علیحدگی کے بعد۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہ معروف تھی اور عورتیں عدت گزارا کرتی تھیں، اسلام نے اسے اس میں موجود مصالح کے پیشِ نظر برقرار رکھا، علماء کا اس کے وجوب پر اجماع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرة:٢٢٨)

''اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ روکے رہیں۔''

اور نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: ''تم ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزار لو۔''[1]

عدت کی مشروعیت کی حکمت

① رحم کی صورتحال جاننے کے لیے تاکہ یہ نہ ہو کہ نسب ایک دوسرے سے خلط ملط ہو جائے۔

② میاں بیوی کو سوچنے کا موقع دینا، تاکہ اس دوران میں خوب سوچ بچار کرلیں کہ علیحدہ ہونا ہے یا ملنے کی گنجائش ہے۔

---

[1] صحيح مسلم: ١٤٨٠؛ سنن أبي داود: ٢٢٩٠۔

③ نکاح کے معاملے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے اور یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ معاملہ مردوں کے اجتماع میں ہوتا ہے اور علیحدگی اتنی آسان نہیں بلکہ طویل انتظار کی محتاج ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو یہ بچوں کا کھیل بن جائے کہ ایک لحظہ میں نکاح ہو اور ایک لحظہ میں یہ نکاح ٹوٹ جائے۔

④ نکاح کی مصالح پوری نہ ہوں گی، حتی کہ دونوں فریق ظاہراً اس عقد کے دوام پر اپنے آپ کو آمادہ کریں، اگر اس نظام کو ختم کرنے کا کوئی موجب پیدا ہو تو فی الجملہ اس امر کی ضرورت ہوگی کہ اسے برقرار رکھنے بارے سوچ و بچار کا موقع اور مہلت ہو اور فریقین اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب سوچ لیں کہ کیا کرنا ہے اور کیا علیحدگی حتمی امر ہے یا جڑنے کی کوئی گنجائش موجود ہے۔

عدت کی انواع

① اس خاتون کی عدت جسے حیض آتا ہے، تین حیض ہے۔

② اور جسے نہیں آتا اس کی عدت تین ماہ ہے۔

③ بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے اگر وہ حاملہ نہیں۔[1]

④ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے، اب ذیل میں یہ سب تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے:

بیوی یا تو مدخول بہا ہوگی (یعنی جس سے ہمبستری ہو چکی تھی) یا نہیں! تو غیر مدخول بہا کو اگر طلاق ہوگئی تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں، کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحْتُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ (الأحزاب:٤٩)

[1] بقول محشی بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن کی تحدید میں حکمت یہ ہے کہ رحم میں موجود بچے کی خلقت تام ہونے کے لیے ایک سو بیس ایام درکار ہوتے ہیں، جن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور یہ مدت چاند کے مہینوں کی کمی و بیشی کے مدنظر چار ماہ سے زیادہ بنتے ہیں تو کسر کو بطورِ احتیاط عقد کی طرف جبر کر لیا گیا اور عشر کو مؤنث لیالی کے ارادے سے کیا اور جمہور کے نزدیک یہ مع اپنے ایام کے مراد ہیں تو یہ حلال نہ ہوگی حتی کہ گیارھویں رات شروع ہو۔

''مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے جماع کرنے سے پہلے اگر طلاق دے دو، تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔''

اور اگر بیوی غیر مدخول بہا ہے اور اس کا شوہر فوت ہو گیا تو اس کے لیے وہی عدت ہے جو مدخولہ بیوی کی ہوتی ہے، کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرة: ٢٣٤)

''اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں، تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔''

اگرچہ ابھی دخول نہ ہوا تھا، لیکن مرحوم شوہر کے ساتھ وفا کے تقاضے کے طور سے یہ عدت واجب کی گئی۔

مدخول بہا کی عدت[1]

یہ یا تو ان خواتین میں سے ہوگی جنہیں ابھی حیض آتا ہے یا پھر منقطع ہو چکا ہے، اگر حائضہ ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے، قرآن میں ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرة: ٢٢٨)

''اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رہیں۔''

یہ قرء کی جمع ہے جو حیض ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسے راجح قرار دیتے ہوئے لکھا: شارع کی کلام میں قرء کا لفظ ہمیشہ حیض کے معنی میں ہی مستعمل ہوا ہے، کسی ایک جگہ بھی یہ طہر کے لیے استعمال نہیں ہوا، لہٰذا آیتِ ہذا میں بھی حیض کے معنی پر ہی محمول کرنا ہوگا، بلکہ یہی متعین ہے، کیونکہ آپ نے مستحاضہ خاتون سے کہا تھا: ((دَعِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَاءِكِ))[2] ''اپنے حیض کے ایام میں نماز چھوڑے رکھو۔'' اور آپ اللہ کی جانب

---

[1] بقول محشی احناف، حنابلہ اور خلفائے راشدین کے نزدیک دخول سے مراد حقیقۃً دخول یا حکماً یعنی خلوتِ صحیحہ اگر ہو چکی تھی تو وہ بھی دخول شمار ہوگی، امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول یہ ہے کہ صرف خلوت کی صورت میں عدت واجب نہ ہوگی۔ [2] صحیح البخاری: ٣٢٥۔

سے تعبیر بیان کرنے والے (یعنی توضیح کرنے والے) تھے اور آپ کی قوم کی لغت میں قرآن نازل ہوا، اگر آپ کی کلام میں کوئی ایسا لفظ وارد ہو جو دو معانی میں مشترک ہے، تو اسے آپ کی ساری کلام میں اسی معنی پر محمول کرنا ہوگا جو سب مقامات میں مراد ہے، اگرچہ آپ کے غیر کی کلام میں وہ دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہو، لہٰذا قرء کے لفظ کا آپ کی کلام میں جب حیض کا معنی ثابت ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ آپ کی لغت ہے، لہٰذا اسی پر اس کا حمل کرنا متعین ہوا، آیت کا سیاق بھی اسی معنی پر دلالت کرتا ہے، جب فرمایا: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾ (البقرة:۲۲۸) ''اور ان کے لیے حلال نہیں کہ اللہ نے جو ان کے رحم میں تخلیق کیا ہے، اسے چھپائیں۔'' اور عام مفسرین کے نزدیک یہاں کتمان سے مراد حیض اور حمل کا کتمان ہے اور حیض بھی تو رحم کے اندر کی ایک وجودی مخلوق ہے (یعنی حیض رحم سے نکلتا ہے) سلف اور خلف نے یہی کہا ہے، ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ یہ طہر ہے! نیز اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿وَالّٰٓـِٔىْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق:٤)

''اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔''

اس کا معنی ہے: (لِاسْتِقْبَالِ عِدَّتِهِنَّ) (یعنی عدت شروع کرنے کے وقت) نہ کہ اس کے اندر، اگر عدت جس کے لیے عورتوں کو طلاق دی جائے شروع ہونے والی ہو، طلاق کے بعد تو یہ شروع ہونے والی شے حیض ہے، کیونکہ طاہر (خاتون) طہر کی مستقبلہ نہ ہوئی، کیونکہ طہر کی حالت میں تو وہ ہے تو اس حالتِ طہر کے (جس میں طلاق دینے کا حکم ہے اگر دینی ہو) بعد والی حالت (یعنی برعکس حالت) حیض کی حالت ہی ہے۔

حیض کو عدت شمار کرتے ہوئے ممکنہ کم از کم عدت

شافعیہ کہتے ہیں: آزاد خاتون جس کے ذمہ تین حیض کی عدت ہے، تو اس کی یہ عدت کم از کم بتیس دن اور ایک گھنٹہ میں پوری ہوسکتی ہے اور یہ اس طرح کہ طہر میں اسے طلاق دی اور طلاق کے بعد طہر کا صرف ایک گھنٹہ گزرا تو یہ گھنٹہ قرء ہوا پھر ایک دن کا اسے حیض آیا، جس کے بعد پندرہ دن طہر کے گزرے اور یہ دوسرا قرء ہوا، پھر ایک دن کا حیض ہوا، جس کے بعد طہر کے پندرہ دن گزرے اور یہ تیسرا قرء بنا، تو اس کے گزرتے ہی اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی عدت کی کم از کم مدت ساٹھ ایام بنیں گے، ان کے صاحبین کے نزدیک انتالیس ایام، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عدت کی ابتدا حیض آنے سے ہوگی، جو دس دن ہیں اور یہ ایامِ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے، پھر طہر کے پندرہ دن پھر حیض کے دس دن پھر طہر کے پندرہ دن، جس کے بعد تیسرے حیض کے دس دن تو ان کا مجموع ساٹھ بنا، تو یہ مدت گزر جانے کے بعد اس نے دعویٰ کر دیا کہ اس کی عدت ختم ہوگئی ہے، تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اب وہ نئی شادی کرسکتی ہے! جہاں تک صاحبین تو انہوں نے ہر حیض کے تین ایام شمار کیے ہیں اور یہ اس کی کم از کم مدت ہے اور وہ تین حیضات کے درمیانی دو طہروں میں سے ہر طہر کے لیے پندرہ دن شمار کرتے ہیں، تو یوں ان کے حساب میں مدت کل انتالیس دن ہے۔

غیر حائضہ کی عدت

یہ تین ماہ ہے، نابالغہ خاتون جسے ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا کی بھی یہی مدت ہے اور اس بڑی کی بھی جسے حیض آیا ہی نہیں، یا آکر اب منقطع ہو چکا ہو، کیونکہ ارشاد ہوا: ﴿ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ ﴾ الخ (الطلاق:٤) ''اور جو حیض سے اب مایوس ہیں تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔'' ابن ابو ہاشم نے اپنی تفسیر میں عمرو بن سالم عن ابی بن کعب سے نقل کیا کہتے ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مدینہ کے کچھ لوگ اس ضمن میں نابالغہ،

بالغہ اور حاملہ خواتین کی تفریق کرتے ہیں، حالانکہ قرآن نے یہ تفریق نہیں کی تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ﴾ الخ (الطلاق: ٤) جریر نے اس کے یہ الفاظ ذکر کیے کہ عرض کی: یا رسول اللہ! سورۂ بقرہ کی عدت والی آیت کے نزول کے بعد مدینہ کے بعض لوگ کہتے ہیں: ابھی شادی شدہ خواتین کی بعض انواع باقی ہیں، جن کا ابھی قرآن نے ذکر نہیں کیا مثلاً حاملہ، جن کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور نابالغہ تو یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی، سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے آیتِ ہذا کی تفسیر میں مروی ہے کہ آئسہ سے مراد وہ بوڑھی جسے اب حیض نہیں آتا یا وہ غیر بوڑھی بھی جسے ابھی حیض نہیں آیا، تو ان جیسی خواتین کے لیے بطورِ عدت قروء کی قید نہیں، بلکہ ان کی عدت تین ماہ ہے! امام مجاہد رحمہ اللہ سے ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اگر تمہیں ان عورتوں کا حکم معلوم نہیں، جنہیں حیض نہیں آتا یا منقطع ہو چکا تو جان لو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

حائضہ عورت کے بارے حکم جو حیض نہ دیکھے

اگر عورت کو طلاق ہوئی اور وہ ذات الحیض ہے، لیکن اس دفعہ اسے معمول کا حیض نہیں آیا اور اس کا سبب بھی نہیں جانتی (اسی طرح اگلے اور اگلے ماہ بھی حیض نہیں آیا بلکہ اب گویا منقطع ہو گیا ہے) تو وہ ایک سال عدت گزارے گی، نو ماہ انتظار کرے تاکہ رحم کی صورتحال کا علم ہو، کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت نو ماہ ہے، جب اس مدت کے بعد حمل کا عدم ظاہر ہوا تو ثابت ہو گیا کہ اس کا رحم حمل سے خالی ہے، پھر اس کے بعد وہ آیسات خواتین والی عدت گزارے گی، یعنی تین ماہ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا تھا، بقول امام شافعی رحمہ اللہ ان کا یہ فیصلہ مہاجرین و انصار کی موجودگی میں تھا اور کسی نے انکار نہ کیا (لیکن یہ قابلِ بحث ہے کیونکہ اب ایسے وسائل موجود ہیں، جو رحم کی صورتحال فوری طور پر بتلا دیتے ہیں، لہٰذا راقم کی رائے میں چونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مذکورہ فیصلہ اس زمانہ کے اسباب و وسائل ملحوظ رکھتے ہوئے ایک اجتہادی فیصلہ تھا، لہٰذا تازہ صورتحال اور وسائل کے مدِ نظر اب جداگانہ رائے دی جا سکتی ہے اور فتویٰ دیا جا سکتا ہے کہ ایسی خاتون عصری وسائل کے ذریعے حمل کی صورتحال جاننے کے بعد تین ماہ عدت گزارے گی)۔

عورت کس عمر میں آیسہ ہوتی ہے؟

علماء کا اس بابت اختلاف ہے، بعض نے کہا: جب پچاس سال کی ہو، دوسروں نے ساٹھ کہا، حق یہ ہے کہ خواتین کا اپنا اپنا ذاتی تجربہ ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی ، اگر عورت (کسی بھی عمر میں) حیض سے اب مایوس ہے اور اس کے دوبارہ شروع ہونے کی کوئی امید نہیں، تو اسے آیسہ قرار دیا جا سکتا ہے، چاہے وہ چالیس سال کی ہو۔

حاملہ کی عدت

حاملہ کی عدت وضعِ حمل کے ساتھ ختم ہوگی، چاہے وہ مطلقہ ہے یا وہ جس کا شوہر فوت ہو چکا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ﴾ الخ امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس آیت سے دلالت ملی کہ اگر کوئی خاتون دو (یا زائد) بچوں کے ساتھ حاملہ ہے، تو اس کی بھی یہی عدت ہے کہ سب بچوں کو جنے اور یہ دلالت بھی ملی کہ جس پر استبرائے رحم (رحم کی صورتحال جاننا) عائد ہے، اس کی عدت بھی وضعِ حمل ہے اور یہ بھی کہ کسی بھی صفت پر وضعِ حمل ہو، زندہ پیدا ہو یا مردہ، تام الخلقت ہو یا معذور، روح پھونکی جا چکی تھی یا نہیں (اگر کسی وجہ سے حمل ساقط ہوگیا تو بھی اس کی عدت ختم ہوئی، اصل مقصود رحم خالی ہو جانا ہے) سیدہ سُبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ سیدہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہما کے گھر والی تھیں، یہ بدری تھے، حجۃ الوداع کے دوران میں ان کا انتقال ہوگیا اور وہ تب حاملہ تھیں، وفات کے کچھ ہی روز بعد وضعِ حمل ہوگیا ، نفاس سے جب فارغ ہوئیں تو اب نئی شادی کے لیے تیاری شروع کی، بنی عبد الدار کے ایک صاحب سیدنا ابوالسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم چار ماہ دس دن گزارنے سے قبل شادی نہیں کر سکتی، کہتی ہیں: یہ سن کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور یہ مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا: ''تم وضعِ حمل کے ساتھ ہی (نئی شادی کے لیے) حلال ہو چکی ہو!'' زہری کہتے ہیں: میری رائے ہے کہ وضعِ حمل کے ساتھ ہی وہ شادی کر سکتی ہے، چاہے ابھی نفاس جاری ہو، لیکن

جب تک نفاس ہے، شوہر اس کے قریب نہ آئے۔[1] علماء آیت:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرة: ٢٣٤)

''اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو وہ چار مہینے اور دس دن عدت گزاریں۔''

کو حوائل (غیر حاملہ) خواتین کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، جبکہ سورۂ طلاق کی آیت: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ﴾ الخ حاملہ خواتین کی عدت کے بارے میں ہے، لہٰذا یہ پہلی کے معارض نہیں۔

اس خاتون کی عدت جس کا شوہر فوت ہوا

یہ چار ماہ دس دن ہے اگر وہ حاملہ نہیں، کیونکہ ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ اگر کسی نے رجعی طلاق دی ہوئی تھی اور وہ انتقال کر گیا اور وہ ابھی (طلاق کی) عدت میں تھی تو اب وہ وفات والی (چار ماہ دس دن) عدت گزارے گی، کیونکہ ابھی زوجیت کا رشتہ قائم تھا۔

مستحاضہ کی عدت

یہ عدت گزارنے کے لیے حیض کے ایام کا حساب رکھے گی، اگر اس کے لیے معلوم ایامِ طہر و حیض ہیں، تو تین حیض گزرنے پر اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اگر وہ آئسہ ہے تب اس کی عدت تین ماہ ہے۔

نکاحِ صحیح میں بھی وجوبِ عدت

جو کسی شبہ میں وطی کی گئی، اس پر بھی عدت گزارنا لازم ہے، کیونکہ وطیِ شبہ بھی نسب میں صحیح نکاح کی صورت میں وطی کے مثل ہے، لہٰذا ایجابِ عدت میں بھی اسی کے مثل

---

[1] صحيح البخاري: ٥٣١٨؛ صحيح مسلم: ١٤٨٥؛ سنن ترمذی: ١١٩٤۔

ہے، اسی طرح نکاحِ فاسد میں بھی عدت واجب ہے، اگر دخول ہو چکا ہو (ظاہریہ کے نزدیک نکاح فاسد میں عدت واجب نہیں، چاہے دخول بھی ہو چکا ہو، کیونکہ کتاب وسنت میں اس کے ایجاب پر کوئی دلیل نہیں)۔

جس نے کسی عورت سے زنا کیا، تو اس عورت پر عدت واجب نہیں، کیونکہ عدت، حفاظت نسب کے لیے ہوتی ہے۔ اور زنا کے لیے کوئی نسب نہیں ہوتا، یہ رائے احناف، شافعیہ اور امام ثوری رحمہ اللہ کی ہے، اور یہی رائے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

اور امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے عدت ہے، اور اس کی عدت تین حیض ہوں یا ایک جس سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو؟ تو امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں دونوں قول ہیں۔"

حیض والی عدت کا مہینوں والی عدت میں بدل جانا

اگر کسی نے بیوی کو طلاق دی اور وہ حیض والیوں میں سے تھی، پھر وہ عدت میں فوت ہو گیا، تو اگر طلاق رجعی تھی، تو اس کے ذمہ اب عدتِ وفات ہے، جو چار ماہ دس دن ہے، کیونکہ ابھی تک وہ اس کی زوجہ کی حیثیت میں تھی کیونکہ رجعی طلاق سے ازدواجی رشتہ کلیۃً زائل نہیں ہو جاتا اور وہ اس کے ترکے سے اپنا حصہ بھی پائے گی اور اگر وہ دورانِ عدت فوت ہوئی تو شوہر کو اس کا حصہِ میراث ملے گا، لیکن اگر یہ طلاق بائنہ تھی، تب وہ عدت بالحیض گزارے گی اور یہ عدت وفات والی عدت میں تبدیل نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں اس کا رشتۂ زوجیت منقطع ہو چکا ہے، لہٰذا بوقتِ وفات وہ اس کا شوہر نہیں لگتا اور دونوں دورانِ عدت میں ایک دوسرے کے وارث بھی نہ بنیں گے، اِلّا یہ کہ شوہر فارّ (یعنی وراثت سے حصہ نہ دینے کا خواہاں) قرار دیا جائے۔

فارّ کی طلاق

فار کی طلاق یہ کہ کوئی مرض الموت میں اپنی بیوی کو اس کے نہ چاہتے ہوئے طلاقِ بائنہ دے دے، پھر ابھی وہ عدت میں ہو کہ اس کا انتقال ہو جائے تو اسے میراث میں

اس کا حصہ دینے سے فرار کا طالب تصور کیا جائے گا، اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: وہ اس کے ترکے سے اپنا حصہ پائے گی، چاہے اس کا انتقال عدت گزرنے کے بعد ہوا ہو اور چاہے کسی اور سے اس کی شادی بھی ہو گئی ہو اور معاملہ اس کے ارادے کے برخلاف کیا جائے گا، امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کی رائے ہے کہ اس صورت حال میں حکم تبدیل ہو جائے گا، تو اب اس کی عدت وہ ہو گی جو ان دونوں میں سے اطول ہے: ایک طلاق کی عدت اور دوم عدتِ وفات! تو اگر عدتِ طلاق اطول ہے تب وہ وہی گزارے گی اور اگر وفات کی عدت اطول ہے تب وہ، یعنی اگر اس کے تین حیض چار ماہ دس دن سے زائد میں پورے ہوں، تب یہی اس کی عدت ہے اور اگر چار ماہ دس دن اطول ہیں، تب یہ اس کی عدت ہے اور یہ اس لیے کہ تاکہ وہ ترکے کے اپنے حق سے محروم نہ ہو، جس سے بچنے کے لیے شوہر نے اسے طلاق دی تھی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس حالت میں مطلقہ طلاق کی عدت ہی گزارے گی، اگرچہ یہ چار ماہ دس دن سے قبل پورے ہو جائیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے دو میں سے اظہر قول یہ ہے کہ وہ وارث نہ بنے گی اور اس کا معاملہ اس بائنہ مطلقہ کا سا ہے، جسے اس کے شوہر نے حالتِ صحت میں طلاق دی ہو، اس کی حجت یہ ہے کہ زوجیت کا رشتہ موت سے قبل طلاق دینے سے ختم ہو چکا، لہٰذا میراث سے حصہ پانے کا سبب زائل ہوا اور فرار کے بارے ظن کرنے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ شرعی احکام کی بنیاد ظاہری اسباب ہیں، نہ کہ خفیہ ارادے اور نیتیں، اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر اپنی مرض میں اسے طلاقِ بائنہ دی اور وہ عورت فوت ہو گئی، تو شوہر اس کے ترکے سے حصہ نہ پائے گا، اسی طرح عدتِ حیض کی بجائے مہینوں کی طرف وہ متحول ہو جائے گی۔ وہ عورت جسے ایک یا دو حیض آئے، پھر وہ آیسہ بن گئی (یعنی جو حیض آنے سے اب مایوس ہوئی) تین ماہ عدت گزارے گی، کیونکہ اب حیض کے ساتھ عدت کی تکمیل ممکن نہیں، کیونکہ وہ تو منقطع ہو چکا، لہٰذا اب نئے سرے سے تین ماہ کی عدت شروع ہو گی اور بجائے حیض کے مہینوں کا حساب ہو گا۔

اگر کسی خاتون نے مہینوں کے ساتھ عدت شروع کی کیونکہ وہ ابھی صغیرہ تھی (حیض

آنے کا ابھی آغاز نہ ہوا تھا) یا اس طور کہ وہ آیسہ کی عمر میں پہنچ چکی تھی، لیکن پھر حیض آنا شروع ہوا تو اب لازم ہے کہ اس کی عدت حیض کی طرف منتقل ہو جائے، کیونکہ مہینے حیض کا بدل تھے، اب اصل موجود ہے تو بدل کی ضرورت نہیں، اگر شہور کے ساتھ عدت پوری ہو گئی تھی، تب حیض کی آمد ہوئی، تو اب نئے سرے سے عدت کی ضرورت نہیں، اگر حیض یا شہور کے ساتھ عدت شروع کی پھر حمل ظاہر ہو گیا، تو اب عدت وضعِ حمل کی طرف متحول ہو گی۔

عدت پوری ہونا

اگر خاتون حمل سے ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل سے پوری ہو گی، اگر مہینے کی عدت ہے تو اس کا حساب علیحدگی یا (شوہر کی) وفات کے وقت سے شروع ہو گا، حتی کہ وہ تین ماہ یا چار ماہ اور دس دن مکمل کرے اور اگر حیض کی عدت ہے، تو تین حیض پورے کرے۔[1]

عدت والی خاتون شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی

یہ اس پر لازم ہے حتی کہ عدت پوری ہو، وہاں سے نکلنا اس کے لیے حلال نہیں اور نہ شوہر کے لیے حلال ہے کہ اسے نکالے، اگر جب طلاق یا علیحدگی ہوئی، تو وہ شوہر کے گھر میں نہ تھی، تو علم ہوتے ہی لازم ہے کہ شوہر کے گھر واپس آئے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ (الطلاق:۱)

”اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ

[1] بقول محشی امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر طلاق مہینے کے درمیان میں واقع ہوئی، تو عورت اس کے بقیہ ایام عدت گزارے گی، پھر دو قمری مہینے پھر تیسرے ماہ کے تیس ایام۔

سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے، نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ نکلیں مگر یہ کہ کوئی کھلی بے حیائی (عمل میں) لائیں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔''

سیدہ فُریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا جو سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اجازت مانگی کہ عدت اپنے میکے بنی خدرہ میں گزاریں، دراصل ان کا شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کے تعاقب میں تھا اور (مدینہ سے چھ میل دور ایک موضع) طرفۃ القدوم میں انہیں پالیا، مگر انہوں نے اسے قتل کر دیا تھا، تو انہوں نے عرض کی کہ وہ گھر ان کی ملکیت نہ تھا اور نہ کوئی نفقہ چھوڑا ہے، تو آپ نے اجازت دیدی، کہتی ہیں ابھی حجرہ مبارکہ میں یا مسجد میں تھی کہ مجھے واپس بلایا اور کہا: ''تم نے کیا واقعہ بتلایا تھا؟'' میں نے دوبارہ گوش گزار کیا تو فرمایا: ''وہیں شوہر والے گھر میں رہو، حتی کہ عدت پوری ہو۔'' کہتی ہیں تو میں نے چار ماہ دس دن عدت گزاری، کہتی ہیں، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مجھے بلوا کر اس واقعہ کے بارے میں معلوم کیا اور اس طرح کے امور میں اس کے مطابق فیصلے دیے۔[1] اسے ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا، بقول ترمذی صحیح ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسی بیواؤں کو راستے سے واپس بھیج دیتے تھے اور انہیں حج کرنے جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

اس سے وہ خانہ بدوش عورت مستثنیٰ ہے، اگر خاوند کے فوت ہونے پر اس کے اقارب وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں تو وہ ان کے ساتھ جا سکتی ہے! سیدہ عائشہ، ابن عباس، جابر بن زید رضی اللہ عنہم، حسن اور عطاء رحمہ اللہ کی رائے اس کے برخلاف تھی، سیدنا علی اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیوہ کے اپنے مرحوم شوہر کے گھر سے دورانِ عدت (بوقتِ ضرورت) نکلنے کے جواز کا فتوی دیتی تھیں، اپنی بہن

---

[1] سنن أبی داود: ٢٣٠٠؛ سنن ترمذی: ١٢٠٤؛ سنن ابن ماجہ: ٢٠٣١۔

ام کلثوم کو لے کر مکہ عمرہ کی طرف نکلیں، جب وہ اپنے شوہر سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر اپنی عدت میں تھیں (یہ جنگ جمل میں شہید ہوئے)۔ ① عبدالرزاق نے ابن جریج عن عطاء سے نقل کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فقط یہ کہا ہے کہ بیوہ چار ماہ دس دن عدت گزارے، یہ نہیں کہا کہ اسی گھر میں، لہٰذا جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ ② ابوداؤد نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ اس آیت نے اس کی اپنے اہل کے ہاں عدت گزارنے کو منسوخ کیا، اب وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ (البقرة:٢٤٠) ''عدت کے دوران انہیں گھر سے نکالا نہ جائے۔'' بقول امام عطاء رحمہ اللہ اگر چاہے تو شوہر کے گھر والوں کے ہاں عدت گزارے اور چاہے تو نکل آئے، کیونکہ قرآن نے کہا:

﴿فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنْفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ﴾ (البقرة:٢٤٠)

''ہاں، اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (نکاح) کرلیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔''

امام عطاء رحمہ اللہ نے کہا: پھر میراث کے احکام نازل ہوئے تو رہائش شوہر کے ذمہ ہونا منسوخ ہوا، لہٰذا جہاں چاہے عدت گزارے۔ ③

دورانِ عدت عورت کا (شوہر کے) گھر سے نکلنا اور اس کے جواز میں فقہاء کی آراء

احناف کے نزدیک رجعی اور بائن طلاق یافتہ خاتون کے لیے مطلقاً ہی گھر سے نکلنا جائز نہیں، نہ رات کو اور نہ دن میں، البتہ اپنے مرحوم شوہر کی عدت گزار رہی خاتون دن کے وقت نکل سکتی ہے اور رات کے بعض حصہ میں، لیکن رات وہ اپنے گھر میں ہی

① المصنف عبدالرزاق: ١٢٠٥٤، ١٢٠٥٣۔ ② المصنف عبدالرزاق: ١٢٠٥١۔
③ صحيح، سنن أبي داود: ٢٣٠١؛ سنن نسائي: ٦/ ٢٠٠۔

گزارے گی، کہتے ہیں دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ مطلقہ کو اس کی عدت کے دوران میں خرچ اسی شوہر کے مال سے ملتا ہے، لہٰذا اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے بخلاف اس کے جس کا شوہر فوت ہوا اور وہ اس کی عدت میں ہے کیونکہ اس کے لیے (شوہر کے مال سے) نفقہ نہیں تو اپنے اصلاحِ حال (کسبِ معاش وغیرہ کی غرض سے) ضروری ہے کہ دن کو نکلے، کہتے ہیں اگر کسی کا حصہِ میراث اسے کافی نہ ہو یا دیگر ورثاء نے نکال دیا۔ تو اب وہ نکلنے اور کہیں اور منتقل ہو جانے میں معذور ہے، کیونکہ اس گھر میں عدت گزارنا عبادت تھا (کیونکہ قرآنی حکم تھا) اور عبادت بوجہ عذر ساقط ہو جاتی ہے، نیز اس صورت میں بھی کہ وہ گھر کرایہ کا تھا اور وہ کرایہ دے نہیں سکتی، لہٰذا کم کرائے والے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے۔ بقول مؤلف ان کی اس کلام سے مترشح ہے کہ گھر کا کرایہ اس کے ذمہ ہے اور وہیں رہائش رکھنا اس کے کرایہ کی ادائیگی سے اس کے عجز کی صورت میں ساقط ہو جائے گا، اسی لیے فقہائے احناف نے تصریح کی ہے کہ اگر ترکے سے ملا اس کا حصہ اتنا ہے کہ کرایہ ادا کر سکے (مع دیگر اخراجات کے) تو وہیں رہے، وگرنہ اسے مرحوم شوہر کی طرف سے رہائش کی سہولت حاصل نہیں، چاہے وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ (حنابلہ کے نزدیک اگر غیر حاملہ ہے، تب تو رہائش کی سہولت اسے حاصل نہیں، اور اگر حاملہ ہے تو اس بارے ان سے دو اقوال منقول ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی دو قول منقول ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کی رائے میں اس کی رہائش مرحوم کے ذمہ ہے) حنابلہ کے ہاں دن کے وقت نکل سکتی ہے، چاہے وہ مطلقہ ہے یا بیوہ، امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مطلقہ اور بیوہ ضرورت کے تحت گھر سے نکل سکتی ہے، چاہے رات ہو یا دن۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی خالہ کو تین طلاقیں ہو گئیں، تو وہ کھجور پکنے کے موسم میں ان کی کٹائی کے لیے نکلیں، ایک شخص نے انہیں منع کیا، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا، تو آپ نے فرمایا: ”بالکل نکلو اور کھجوروں کی کٹائی کرو کہ اس میں سے صدقہ کرو یا کوئی اور فعلِ خیر۔“ [1] اسے نسائی اور ابوداود نے نقل کیا، امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: کئی

---

[1] صحیح مسلم: ١٤٨٣؛ سنن أبي داود: ٢٢٩٧۔

شہدائے احد کی بیوائیں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں رات کو ڈر لگتا ہے، کیا ہم اپنے میں سے کسی ایک کے پاس گزار سکتی ہیں، تو صبح دم گھر واپس چلی جایا کریں؟ فرمایا: ''یوں کیا کرو کہ کسی ایک کے پاس جمع ہو کر باتیں کرتی رہو اور جب سونے کا ارادہ ہو تو ہر کوئی اپنے (مرحوم شوہر والے) گھر چلی جایا کرے۔''[1]
مطلقہ اور بیوہ رات اسی گھر میں گزارے گی اور رات کو اشد ضرورت کے تحت ہی نکلے گی، کیونکہ رات مظنۂ فساد ہے، بخلاف دن کے، کہ اس میں معاش وغیرہ کی ضروریات اور خریدنے کی غرض سے نکلنا پڑتا ہے۔

بیوہ کا سوگ منانا

بیوہ عدت کی پوری مدت سوگ کے تقاضے پورے کرے گی، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، اس عورت کے بارے اختلاف ہے، جسے بائنہ طلاق مل چکی ہے، تو احناف نے کہا: اس پر بھی سوگ منانا واجب ہے، ان کے غیر کا موقف ہے کہ اس کے ذمہ یہ نہیں، الجنائز میں اس پر بحث گزری ہے۔

دورانِ عدت خاتون کا نفقہ

فقہاء کا اتفاق ہے کہ رجعی طلاق والی خاتون نفقہ اور رہائش کی حقدار ہے، مبتوتہ (جس کی حتمی علیحدگی ہو چکی) میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قائل ہیں کہ اس کے لیے نفقہ بھی ہے اور رہائش بھی رجعی طلاقہ یافتہ کی مانند کیونکہ وہ اپنی عدت وہیں شوہر کے گھر گزارنے کی پابند ہے، لہٰذا حقدار ہے اور یہ نفقہ و رہائش طلاق کے وقت سے شوہر کے ذمہ قرض کے بطور ہے، جو یا تو ادا کرنا ہوگا یا پھر ابراء (شوہر اس سے معاف کر والے) امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے لیے نفقہ و رہائش نہیں، ان کے پیشِ نظر سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، جس میں ہے کہ ان کے شوہر نے انہیں طلاقِ البتہ

[1] ضعیف، الشافعی فی الأم: ٥/ ٢٥١؛ مصنف عبدالرزاق: ١٢٠٧٧۔

دے دی، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: ''تمہارے لیے نفقہ نہیں ہے۔''[1] امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے رہائش کی سہولت تو ہر حال میں ملے گی، لیکن نفقہ تب اگر وہ حاملہ ہو، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی اس حدیث کا انکار کیا تھا، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: مبتوتہ حلال ہونے تک اس گھر سے نہ نکلے گی اور اس کے لیے نفقہ نہیں (یعنی شوہر کے ذمہ) اِلّا یہ کہ وہ حمل سے ہو، تب وضعِ حمل تک اس کا خرچ سابقہ شوہر کے ذمہ ہے، پھر کہا: ہمارا مؤقف یہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

[1] صحيح مسلم: ١٤٨٠؛ سنن أبي داود: ٢٢٨٨؛ سنن ترمذي: ١١٨٠۔

حضانت (نگہداشت)

یہ حِضن سے ماخوذ ہے، جو بغل تا نیچے پہلو والے حصہ کو کہتے ہیں: (حِضْنَا الشَّيْءِ يَعْنِيْ جَانِبَاهُ) ''اس کی دونوں جوانب۔'' اور (حَضَنَ الطَّائِرُ بَيْضَتَهُ) ''اپنے انڈے کو اپنے پر کے نیچے جسم کے ساتھ ملا کر رکھا تاکہ اسے سینچے۔'' اسی طرح عورت جب اپنے بچہ کو سینے سے چمٹائے۔ فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی کہ مراد نابالغ بچہ یا بچی کی نگہداشت کرنا یا اس (بالغ) معتوہ (آفت رسیدہ اور معذور) مجنون کی جسے شعور وتمیز نہیں اور وہ اپنے معاملے کا خود مختار نہیں تو خاتون اس کی مصالح کو دیکھے اور اس کی مکمل حفاظت اور نگہداشت کرے اور جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی تربیت کرے اور اسے اس قابل بنائے کہ زندگی کی ذمہ داریاں اٹھا سکے، نابالغ بچہ اور بچی کی حضانت واجب ہے، کیونکہ اس ضمن میں کوتاہی سے کام لینا بچے کے ضیاع اور ہلاک ہونے کے مترادف ہوگا۔

حضانت (والدین کا) مشترکہ حق ہے

نابالغ اولاد کی حضانت والدین پر واجب حق ہے، کیونکہ انہیں نگران اور محافظ کی ضرورت واحتیاج ہے، جو ان کی تربیت کرے اور ضروریات کا خیال رکھے، ان کی والدہ کو بھی یہ ذمہ داری اپنے سر لینے کا حق ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک والدہ سے کہا تھا: ''تم ہی اس کی زیادہ حقدار ہو۔''[1] تو جب حضانت بچوں کا حق ہے، تو اگر والدہ کے سوا کوئی اور اس کا اہل نہیں، تو اسے اس پر مجبور بھی کیا جا سکتا ہے، تاکہ تربیت وتادیب

[1] حسن، سنن أبی داود: ۲۲۷٦؛ سنن الکبری للبیهقی: ۸/۵۔

میں وہ اپنا حصہ ڈالے، اگر صرف والدہ ہی یہ ذمہ داری کو متعین نہیں، بایں طور کہ بچے کی دادی موجود ہے اور وہ (مطلقہ) والدہ کے ممتنع ہونے پر اسے اپنی حضانت میں لینے کو تیار ہے، تب والدہ کا حقِ حضانت خود اس کے ساقط کرنے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔

والدہ بنسبت والد کے اولاد کی زیادہ حقدار ہے

اولاد کی مثالی تربیت تو تبھی ہو سکتی ہے، جب بچے کے سر پر والدین کا سایہ عاطفت قائم ہو اور دونوں کی نظر کے سامنے ان کی نشوونما ہو اور وہ صحت مند جسمانی اور ذہنی زندگی گزارنے کی اہلیت سے متصف بنیں، لیکن اگر بدقسمتی سے ان کے والدین کی علیحدگی ہو چکی ہے اور بچہ ہے جو ابھی کم سن ہے، تو والدہ اسے اپنے پاس رکھنے کی زیادہ حقدار ہے، جب تک کوئی اس سے مانع عذر درپیش نہ ہو (مثلاً والدہ ان صفات وشروط سے متصف نہیں، جن کا حضانت کے لیے ہونا ضروری ہے) یا بچے میں ایسا وصف ہے، جو اسے اختیار دینے کو مقتضی ہے (کہ خود بتلائے کہ کس کے پاس رہنا ہے) والدہ کی تقدیم کا سبب یہ ہے کہ اسے حضانت اور رضاعت کی ولایت (شرعی ذمہ داری اور سرپرستی) حاصل ہے، کیونکہ مائیں ہی تربیت کرنے کا زیادہ تجربہ رکھتی ہیں اور زیادہ قوتِ برداشت کی حامل ہیں جو اس کام کے لیے ازحد لازمی ہے، پھر اس کے پاس وافر وقت ہے، جو مردوں کے پاس نہیں ہوتا، لہٰذا بچے کی مصلحت کے مدِنظر والدہ کو اس سلسلے میں مقدم کیا گیا، سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میرا یہ بیٹا کہ میرا بطن اس کے لیے ظرف تھا (یعنی دوران حمل میں) اور میری گود اس کی پناہ گاہ تھی، اور میرے پستان اسے سیراب کرنے کا آلہ ووسیلہ تھے، اب اس کا والد اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، فرمایا: ”تمھی اسے پاس رکھنے کی زیادہ حقدار ہو، جب تک نئی شادی نہیں کرتی۔“[1] اسے أحمد، ابو داود، بیہقی اور حاکم نے نقل کیا اور صحیح قرار دیا۔

[1] حسن، سنن أبی داود: ٢٢٧٦؛ مسند أحمد: ١٨٢۔

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے منقول ہے، کہتے ہیں: میں نے امام قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی عاصم بن عمر کی والدہ کو طلاق دے دی تھی، جو ایک انصاری خاتون تھیں، ایک دفعہ وہ مسجدِ قباء آئے، تو اس کے صحن میں عاصم کو کھیلتے پایا، تو اسے پکڑ کر اپنے آگے سواری پر بٹھلا لیا اور مدینہ آنے لگے، اس اثنا بچے کی نانی آ گئی اور اسے لے جانے کے بارے منازعت شروع کی آخر دونوں اپنا مقدمہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا بیٹا ہے! خاتون نے کہا میرا بیٹا ہے! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: بچہ خاتون کے حوالے کر دو، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی اعتراض یا اختلاف کیے بغیر یہی کیا، اسے مالک نے مؤطا میں نقل کیا، بقول ابن عبد البر رحمہ اللہ یہ روایت کئی اسانید سے مشہور ہے، بعض منقطع اور بعض متصل ہیں، اہلِ علم کے ہاں اسے قبولیت حاصل ہے، بعض روایات میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: والدہ (باپ کی نسبت) زیادہ مہربان، شفقت والی اور ترس کھانے والی ہوتی ہے، لہٰذا وہی اپنے بچے کی زیادہ حقدار ہے، جب تک شادی نہ کرے۔[1] اور یہی چھوٹے بچوں کے والدہ کے پاس رہنے دیے جانے کی علت ہے۔

حضانت کے ضمن میں اصحابِ حقوق کی ترتیب

جب حضانت ابتداءً والدہ کے لیے ہے، تو فقہاء کا ملحوظہ یہ ہے کہ والدہ کے قرابتدار والد کے قرابتداروں پر مقدم ہیں (اگر والدین حادثہ وغیرہ میں چل بسے تو کمسن اولاد کی حضانت کے لیے والدہ کے رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں) حضانت کے بارے اصحابِ حق کی ترتیب یہ ہوگی کہ سب سے قبل والدہ کا حق ہے، اگر بچہ کو اس کی حضانت میں دینے سے کوئی امر مانع ہو (کہ مثلاً حضانت کی شروط جو آگے مذکور ہوں گی، میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے) تو حضانت بچہ کی نانی یا اوپر کے اس رشتہ کی طرف منتقل ہو جائے گی، عدم کی صورت میں سگی بہن، ماں جائی بہن پھر والد جائی بہن پھر سگی بھانجی

[1] مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۰۰۔

پھر ماں جائی بہن کی بیٹی، پھر سگی خالہ، پھر والدہ جائی بہن کی خالہ، پھر والد جائی بہن کی خالہ، پھر والد جائی بہن کی بیٹی، پھر سگی بہن کی بھتیجی، پھر ماں جائی بھائی کی بیٹی، پھر والد جائی بہن کی بیٹی، پھر سگی پھوپھی، پھر والدہ جائی بہن کی پھوپھی، پھر والد کی پھوپھی، پھر والد کی خالہ، پھر والدہ کی پھوپھی، پھر والد کی پھوپھی، ان میں سے ہر سگے رشتہ کی تقدیم کے ساتھ۔

اگر ان محارم میں سے بچے کے یہ سب رشتہ دار موجود نہیں یا موجود تو ہیں مگر حضانت کے اہل نہیں، تو حضانت مردوں میں سے محارم رشتہ داروں کی طرف منتقل ہوجائے گی اور اس ضمن میں تقسیمِ میراث کے حسبِ ترتیب یہ ذمہ داری سونپی جائے گی، تو حضانت اولاً والد کی طرف منتقل ہوگی، پھر بچے کے دادا کو اور اوپر کے یہ رشتے، پھر سگے بھائی کی طرف، پھر والد جایا بھائی، پھر سگا بھتیجا، پھر والد جائے بھائی کا بھتیجا، پھر سگا چچا، پھر والد جائے کا چچا، پھر دادے کا بھائی، پھر دادے کے والد جائے کا بھائی، اگر یہ سب رشتے موجود نہیں یا موجود تو ہیں مگر اہلیت نہیں تو حضانت کا یہ حق غیر عصبہ مرد محارم کی طرف منتقل ہو جائے گا، تو ان میں سرفہرست والدہ جائے کا دادا، پھر والدہ جایا بھائی، پھر والدہ جائے کا بیٹا پھر والدہ جائے کا چچا، پھر سگا ماموں پھر والد جائے کا ماموں۔

اگر دنیا میں اس کا کوئی رشتہ دار نہیں، تو قاضی اس کے لیے کوئی حاضن متعین کرے گا، یہ مذکورہ ترتیب اس لیے کہ آخر بچہ کو حضانت کی ضرورت ہے اور یہ ضروری معاملہ ہے، لہٰذا اس کے سب سے بڑھ کر حقدار اس کے اقارب ہیں اور اقارب رشتہ وتعلق کے لحاظ سے متفاوت ہوتے ہیں، بعض کا رشتہ بعض سے اولی ہوتا ہے، تو اولیاء مقدم کیے گئے، کیونکہ شروع سے بچے کے امور و معاملات کی دیکھ بھال کا انہی کو حق حاصل ہے، اگر یہ موجود نہ ہوں یا معاملہ انہیں سونپنے سے کوئی امر مانع ہو، تو حضانت اقرب فالاقرب کے ضابطہ کے تحت منتقل ہوگی، اگر کوئی رشتہ دار بھی موجود (یا اہل) نہیں تب حاکم مناسب اقدام کرنے کا مسئول ہے۔

حضانت کی شروط

سب سے اول یہ کہ اس کے پاس یہ ذمہ داری نباہنے کی مہارت اور قدرت موجود ہو اور یہ اہلیت وقدرت کئی شروط وصفات کی مرہونِ مِنت ہے، جو حسب ذیل ہیں:

① عقل: تو معتوہ اور مجنون کو حضانت کا حق نہیں، کیونکہ وہ یہ ذمہ داری نباہنے کی سکت نہیں رکھتے۔

② بلوغت: غیر بالغ تو خود اپنے لیے حاضن ہونے کا محتاج ہے، وہ کسی اور کا حاضن کیا بنے گا؟

③ تربیت ونگہداشت پر قدرت: تو معذور مثلاً اندھے اور کسی ایسی مرض میں مبتلا جو متعدی ہے یا جو اسے صاحب فراش کیے ہوئے ہے یا بہت بوڑھا جو خود اوروں کا محتاج ہے یا ایسا مشغول شخص جو اکثر گھر سے غائب رہتا ہے، حضانت کے اہل نہیں اور بچہ ان سب میں سے کسی کی بھی تحویل میں نہیں دیا جا سکتا، تا کہ وہ ضائع نہ ہو یا اسے ضرر لاحق نہ ہو، اسی طرح ایسا جو اس سے (طبعی یا نسبی) بغض رکھتا ہے، چاہے بچے سے اس کا نہایت قریبی رشتہ ہے یا ایسا کہ اس کے گھر کا ماحول یا مالی حالت ایسی نہیں کہ وہاں بچے کی مناسب تربیت ہو سکے۔

④ امانت اور خلق: کیونکہ ذی فسق پر بچے کے سلسلے میں بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ اپنی لائن پر اسے لگا سکتی/سکتا ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس شرط کا مناقشہ کیا، تو لکھا صائب یہ ہے کہ حاضن/ حاضنہ کے بارے میں عادل (یعنی صالح اور غیر فاسق) ہونا قطعاً شرط نہیں، اگرچہ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے اصحاب وغیرہم نے یہ شرط عائد کی ہے، لیکن یہ غایت بُعد میں ہے، اگر یہ شرط ملحوظ رکھی جائے تو دنیا کے بچے ضائع ہو جائیں اور امت پر بہت مشقت ہو اور ایک بحران اٹھ کھڑا ہو، اس لیے کہ آغاز سے لے کر قیامت ہونے تک اس دنیا میں فساق کے گھروں میں بچے پلتے رہیں ہیں اور رہیں گے اور انھی کی تو دنیا میں اکثریت ہے اور اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی والدین سے ان کے فسق کی وجہ سے ان کے بچے

سرکاری تحویل میں لیے گئے ہوں، ایسا کرنے میں تو بہت حرج اور تنگی ہوگی، یہ ایسے ہی جیسے نکاح کی ولایت (اور گواہ بننے) میں عادل ہونے کی شرط تو رکھی گئی ہے، لیکن امصار واعصار میں ہوتا اس کے برخلاف ہے کہ اکثر نکاحوں میں یہ ذمہ داری فساق ہی نباہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور کسی صحابی نے کسی فاسق کو اس کی اولاد کی حضانت سے منع نہیں کیا اور نہ اس امر سے کہ وہ اپنی مولیہ کا ولیِ نکاح بنے اور عموماً ملحوظ کیا جاتا ہے کہ اگر والد (مثلاً) فاسق و فاجر ہے، تو وہ اپنی بیٹی کی نسبت نہایت محتاط ہوتا ہے اور اپنے طرزِ زندگی اور ڈھب سے اسے دور رکھنے اور بچانے کی کوشش بھی کرتا ہے اور اس کا خواہاں بھی ہوتا ہے، اگرچہ مقدر میں اس کے برخلاف لکھا ہو (کئی نیکوں کی اولاد بھی تو خراب و فاسق ہو جاتی ہے) لہٰذا اسلام میں ایسی کوئی قدغن نہیں کہ فاسق اور فاسقہ حاضن اور مربی نہ بن سکیں، اگر اسلام میں کوئی ایسا ضابطہ ہوتا تو ضرور امت کو اس کا بیان کیا جاتا اور آگاہی دی ہوتی اور وہ محفوظ ہوتی، اگر فسق حضانت کے منافی ہوتا، تو زانی، شرابی اور کبائر کے مرتکب افراد سے ان کی اولا دجدا کر دی جاتی اور ان کے لیے متبادل بندوبست کیا جاتا۔

⑤ اسلام: مسلمان بچہ/ بچی کے لیے کافر حاضن مقرر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ حضانت ولایت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومن پر کافر کو حقِ ولایت عطا نہیں کیا، قرآن میں ہے: ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ (النساء: ١٤١) ''اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔'' یہ زواج و مال کی ولایت کی مانند ہے اور اس لیے کہ خدشہ ہے کافر حاضن اسے اپنے دین پر لگالے گا اور اسی کی تربیت دے گا اور بچپن کے نقوش پختہ ہو جانے کے بعد ان سے اسے پھرانا بہت دشوار ہوگا، کافر کی حضانت کا بچے کو سب سے بڑا نقصان یہی ہے، حدیث میں ہے: ''ہر نو مولود دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہ اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی وغیرہ بناتے ہیں۔''[1] احناف اور مالکیہ کے ابن قاسم اور

---

[1] صحيح البخاري: ١٣٨٥؛ سنن أبي داود: ٤٧١٤، ٤٧١٦۔

ابو ثور رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ قرابت کے اعتبار سے حقدار حاضن یا حاضنہ اگر کافر بھی ہے، تو یہ اس کے لیے ثابت حق ہے، کیونکہ حضانت بچہ کی رضاعت اور اس کی خدمت سے متجاوز نہیں اور یہ دونوں امور کا فرکو انجام دینا جائز ہیں ، ابو داود اورنسائی نے روایت نقل کی کہ سیدنا رافع بن سنان رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے، مگر ان کی اہلیہ نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا ، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی: میری بیٹی ! جو ابھی شیر خوار ہے، سیدنا رافع رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میری (بھی) بیٹی ہے، آپ نے فیصلہ دیا کہ دونوں میں سے جس کی طرف اس نے بازو پھیلا دیے اسی کے پاس رہے گی اور ساتھ ہی دعا کی: اے اللہ! اسے ہدایت دے! تو اس نے سیدنا رافع رضی اللہ عنہ کی جانب بازو پھیلا دیے تو آپ نے اسے ان کی تحویل میں دے دیا۔[1] احناف اگرچہ کافر کی حضانت کے استحقاق کے قائل ہیں، مگر شرط یہ رکھی کہ وہ مرتد/مرتدہ نہ ہو، کیونکہ یہ ان کے نزدیک قید کیے جانے کا مستحق ہے، اگر توبہ کر لے اور اسلام کی طرف پلٹ آئے، تب حضانت کا حق بھی اس کے لیے لوٹ آئے گا۔[2]

⑥ والدہ نے جو (طلاق کی صورت میں اپنے بچے کی) حاضنہ بنی ہے، نئی شادی نہ کی ہو، اگر کر لی تو اس کا حقِ حضانت ساقط ہو جائے گا، کیونکہ سیدنا ابن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کو شکایت کی کہ میرا (سابقہ) شوہر بچے کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، تو فرمایا: ''تمہی اس کی زیادہ حقدار ہو، جب تک شادی نہیں کرتی۔''[3] یہ حکم اس خاتون کی نسبت جو کسی قریبی سے شادی نہ کرے، لیکن اگر وہ کسی ایسے شخص سے شادی کرتی ہے، جو بچے کا قریبی محرم ہے، مثلاً اس کا چچا، تب یہ حق ساقط نہ ہوگا، کیونکہ وہ بھی (باری آنے پر) اس بچے کا حاضن بن سکنے کا اہل ہے، لہٰذا اس سے شادی کرنے کی صورت میں بچے کی تربیت اور کفالت

---

[1] صحيح، سنن أبي داود: ٢٢٤٤؛ سنن نسائي: ٦/ ١٨٥۔
[2] بقول محشی اسی طرح ہر وہ سبب جس کی وجہ سے حقِ حضانت ساقط ہوا اس کے زائل ہونے سے یہ حق لوٹ آئے گا۔ [3] حسن، سنن أبي داود: ٢٢٧٦؛ مسند أحمد: ٢/ ١٨٢۔

میں کوئی فرق نہ پڑے گا، بخلاف کسی اجنبی سے شادی کرنے کے کہ اس کے بچے کی نسبت وہ جذبات نہ ہوں گے جو اس کے رشتہ دار کے ہوں گے، لہٰذا بچہ محرومیت کا شکار رہے گا اور اسے ساز گار اور مناسب ماحول میسر نہ ہوگا، حسن اور ابن حزم ﷭ کی رائے میں خاتون کے شادی کر لینے کی صورت میں حقِ حضانت ساقط نہیں ہوتا، چاہے کسی اجنبی سے کرے۔

⑦ حریت: کیونکہ مملوک تو اپنے آقا کی خدمت اور اس کے امور کے ساتھ مشغول ہے، تو بچے کی نگہداشت اور تربیت کے لیے وہ وقت نہیں نکال سکتا، امام ابن قیم ﷫ کہتے ہیں: جہاں تک حریت کی شرط تو اس پر کوئی دل کو لگنے والی دلیل موجود نہیں، ائمہ ثلاثہ کے اصحاب نے یہ شرط عائد کی ہے، امام مالک ﷫ اس آزاد کے بارے میں جس کے لیے لونڈی سے بچہ ہے، کہتے ہیں اس کی والدہ حضانت کی زیادہ حقدار ہے، یہ کہ اسے فروخت کر دیا جائے، تب یہ حق منتقل ہو جائے گا اور اب والد زیادہ حقدار ہے، اور یہی صحیح ہے۔

حضانت کی اجرت

اس کی اجرت کا معاملہ رضاعت کی مانند ہے کہ والدہ اس کی حقدار نہیں، جب تک وہ بیوی ہے یا عدت میں ہے، کیونکہ اس دوران میں وہ نفقۂ زوجیت کی حقدار ہے اور نفقۂ عدت کی بھی قرآن میں ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُھُنَّ وَكِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَھَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْھُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ: ۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے، جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور لباس حسبِ دستور باپ کے ذمہ ہوگا، کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور اسی طرح (نان ونفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورہ سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو عرف کے مطابق ان کی اجرت جو تم نے دینا طے کی تھی دے دو۔''

عدت پوری ہونے کے بعد وہ اجرت طلب کرنے کا استحقاق رکھتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ﴾ (الطلاق:٦)

''اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو۔ پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور باہمی رضامندی سے اس معاملہ کو چلاؤ اور اگر باہم ضد (اور نااتفاقی) کرو گے تو (بچے کو) اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے۔''

غیرِ والدہ حاضنہ شروع ہی سے اجرت کی مستحق ہے، اس دایہ کی مثل جو بچے کو دودھ پلانے کے لیے مستعار رکھی جائے، جس طرح والد کے ذمہ رضاعت اور حضانت کی اجرت واجب ہے، اسی طرح اس کے ذمہ گھر کا کرایہ یا اس کی فراہمی بھی ہے، اگر والدہ (یا حاضنہ) کے پاس اس کا ذاتی گھر نہیں، اسی طرح نوکر کی اجرت یا اسے مہیا کرنا بھی

اگراس کی ضرورت ہو اور والد اگر تنگدست نہیں، یہ بچہ کے ذاتی اخراجات مثلاً اس کے طعام ولباس اور بستر (اور علاج معالجہ) کے برخلاف کہ یہ تو اسے بہر صورت شروع ہی سے دینا ہیں اور والد کے ذمہ یہ بطورِ قرض ہیں جو ادا کر کے یا پھر ابرا (معاف کروا لینے) سے ہی ختم ہوگا۔

تبرعاً (فی سبیل اللہ، بغیر کوئی معاوضہ لیے) حضانت کی پیشکش

اگر بچے کے اقرباء میں حضانت کا اہل موجود ہے (یعنی جس کا حق ہے کہ حاضن بنے) اور وہ اپنا حق تبرُّع کر دیتا ہے یا اس کی والدہ بغیر اجرت حضانت کی ذمہ داری انجام دینے سے انکار کرتی ہے، تو اگر والد تنگدست نہیں، تو اسے والدہ کو یہ معاوضہ اور اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا، کسی کے تبرع کرنے کی صورت میں بچہ اسے نہ دیا جائے، بلکہ وہ اپنی والدہ کے پاس رہے، کیونکہ اس کی بھی بچے کو ضرورت ہے، والد کے تنگدست ہونے کی شکل میں حکم مختلف ہوجائے گا، تو اس حالت میں اگر اقرباء میں سے کوئی حضانت کا اہل بطورِ تبرع یہ ذمہ داری لینے کو تیار ہے، تو بچہ اس کے حوالے کر دیا جائے، یہ تب اگر بچے کا خرچہ والد کے ذمہ واجب ہے، لیکن اگر بچے کے لیے کوئی مال موجود ہے، تو اسی سے اس کے اخراجات پورے کیے جائیں، اگر والد تنگدست ہے اور بچے کے لیے کوئی مال نہیں اور اس کی والدہ بغیر اجرت حضانت سے انکاری ہے اور محارم میں کوئی ایسا نہیں جو تبرعاً یہ ذمہ داری اپنے سر لے تو والد کو حکماً حضانت سونپی جائے اور اجرت والد کے ذمہ قرض رہے گی، جو وہ (حالت اچھی ہونے پر) ادا کرے، یا پھر معاف کروا لے۔

حضانت کب تک ہو؟

اس عمر تک کہ بچہ/بچی کو اس کی ضرورت نہ رہے اور وہ سنِ شعور و استقلال (خود مختاری کی عمر) تک پہنچ جائے اور اب خود اپنے سارے کام کاج کر سکتا ہو، اس کی کوئی خاص حد نہیں، بلکہ اعتبار اس کے خود کفیل ہونے کا ہے (جو مختلف بچوں کا مختلف عمر میں

ہوسکتا ہے) اگر بچہ اور بچی سنِ تمیز و شعور کو پہنچ گیا اور حضانت سے مستغنی ہوا اور خود اپنے کام کاج کرنے لگا، تو اب یہ ذمہ داری ختم ہوئی! حنفی مذہب میں مفتیٰ بہ یہ ہے کہ سات برس کا جب ہو جائے تو حضانت ختم ہو جائے گی، اگر بچی کی نسبت ابھی مزید کی ضرورت محسوس کی جائے، تو حضانت جاری رہے، تاکہ وہ اچھی طرح سلیقہ شعاری اور عورتوں کے معمولات سیکھ لے، حنفیہ کے مذہب میں مفتیٰ بہ امر یہ ہے کہ حضانت ختم ہونے پر اولاد والد کے حوالے کی جائے گی، اس ضمن میں لڑکا جب عورتوں کی خدمت اور نگہداشت سے مستغنی ہو اور لڑکی جب بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے، فقہاء کا اس تقدیرِ سن کے بارے اختلاف ہے، جسے میں پہنچ کر سمجھا جائے کہ اب وہ مستغنی ہے، تو بعض نے سات برس، بعض نے نو اور بعض نے حدِ شہوت تک پہنچنا قرار دیا، جبکہ بعض نے اس کی تقدیر گیارہ برس رکھی مصری قانون کے تحت یہ معاملہ قاضی کو سونپا گیا ہے کہ وہ اس معاملے کو دیکھے اور اگر مصلحت سمجھے کہ حضانت ابھی جاری رکھنے کی ضرورت ہے، تو لڑکے کی بابت نو اور لڑکی کی بابت گیارہ برس کی عمر کی حد مقرر کر سکتا ہے۔

حضانت ختم ہونے پر بچے یا بچی کو اختیار دینا کہ وہ والدین میں سے جس کے پاس چاہیں رہنا پسند کریں

اگر وہ اس بابت باہم تنازع نہ کریں اور اتفاق رائے سے کسی ایک کے پاس رکھنا طے کر لیں تب تو ٹھیک، لیکن اگر ہر ایک چاہے کہ اس کے پاس رہے، تب انہیں اختیار دیا جائے گا کہ جس کے پاس چاہیں رہنا پسند کر لیں، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک خاتون نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا (طلاق دینے والا) شوہر مجھ سے بچہ چھین لینا چاہتا ہے، جبکہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ وہ میرے کام کاج کرتا ہے۔ آپ نے لڑکے سے کہا: ”یہ تمہارا باپ اور یہ تمہاری والدہ ہے، جس کے پاس رہنا چاہتے ہو اس کا ہاتھ پکڑ لو تو اس نے والدہ کا ہاتھ تھام لیا۔[1] اسے ابو داود نے نقل کیا، یہی فیصلہ

---

[1] صحیح، سنن أبی داود: ۲۲۷۷۔

سیدنا عمر، سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح دیتے رہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، اگر کہے کہ دونوں کے پاس رہنا چاہتا ہوں یا کسی کا ہاتھ نہ تھامے، تو قرعہ اندازی کر لی جائے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ والد زیادہ حقدار ہے اور اختیار دینے کا فیصلہ صحیح نہیں، کیونکہ وہ (بوجہ کم عمری) مناسب فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ممکن ہے دیکھے کس کے پاس کھیلنے کودنے کے مواقع اور آزادی ہے، تو اس طرح اس کی تعلیم و تربیت کا حرج ہوگا اور وہ شتر بے مہار بن جائے گا، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک والدہ اس کی زیادہ حقدار ہے، حتی کہ اس کے دانت نکل آئیں (یعنی وہ کھانا کھانے کے قابل ہو جائے) یہ لڑکے کی نسبت! جہاں تک لڑکی کا معاملہ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق اسے بھی یہ اختیار دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: لڑکی کی زیادہ حقدار اس کی والدہ ہے، حتی کہ اس کی شادی ہو یا پھر وہ بالغ ہو جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: والدہ زیادہ حقدار ہے، حتی کہ شادی ہو اور شوہر دخول کر لے، حنابلہ نے کہا: والد زیادہ حق رکھتا ہے، جب وہ نو برس کی ہو جائے، اس سے قبل والدہ کا حق فائق ہے اور شرع میں اس بارے کوئی عمومی نص نہیں کہ والدین میں سے مطلقاً کون مقدم ہے اور نہ مطلقاً اولاد کو والدین میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا موقع فراہم کرنا مذکور ہے۔

علماء متفق ہیں کہ دونوں میں سے مطلقاً کوئی ایک متعین نہیں، بلکہ ایک اگر ظالم متشدد اور اکیلا ہے، تو اسے اس کے برعکس پر مقدم نہ کیا جائے گا، اس ضمن میں اعتبار حفظ و صیانت کا ہے، اگر والد اس جہت سے لا پروا یا عاجز ہے، تب والدہ حضانت کی زیادہ حقدار ہے، اگر وہ ایسی نہیں جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے افادہ دیا، لکھتے ہیں: ہم نے تخییر اور قرعہ اندازی وغیرہ کے ذریعے جسے مقدم کیا، وہ تب جب اس کے ساتھ اولاد کی مصلحت پوری ہوتی ہو، اگر والد کی نسبت والدہ یہ ذمہ داری بطریقِ احسن انجام دینے کی اہل ہے، تب کوئی تخییر اور قرعہ اندازی نہیں بلکہ اس کے ہی سپرد کیا جائے، شریعت کا یہی تقاضا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی تربیت کا بہت اہتمام کیا اور ہدایت فرمائی کہ "بچہ یا بچی جب سات برس کا ہو، تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس سال کا ہونے پر بھی

اگر نماز کے قریب نہیں جاتا تو سرزنش کرو اور اس عمر میں انہیں جدا جدا سلاؤ۔"[1] اور قرآن میں ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ﴾ (التحريم:٦)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

حسن نے کہا: اولاد کو علم دو، انہیں آداب سکھلاؤ اور دین کی فقہ وفہم کی تعلیم دو، تو اگر والدہ اسے مکتب میں داخل کراتی اور اسے قرآن سکھلاتی ہے، جبکہ بچہ کھیل کود اور دوستوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے کو ترجیح دیتا ہے اور والد کے پاس اسے آسانی رہتی ہے، تب والدہ اسے اپنے کے پاس رکھنے کی زیادہ حقدار ہے، اب تخییر یا قرعہ اندازی نہ کی جائے گی، اِسی طرح اس کا برعکس بھی اور اگر اللہ ورسول سے آشنا کرانے میں ایک زیادہ دلچسپی لیتا ہے اور دوسرا نہیں، تو وہی اسے اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حقدار اور اولیٰ ہے (خواہ والد ہو یا والدہ) کہتے ہیں: میں نے اپنے شیخ (یعنی ابن تیمیہ رحمہ اللہ) سے سنا: بتلاتے تھے کہ ایک حاکم کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا، جس میں والد اور والدہ اپنے بچے بارے باہم جھگڑ رہے تھے، ہر ایک اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا، تو حاکم نے بچے سے کہا: کس کے پاس رہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: والد کے پاس، والدہ بولی ذرا اس سے پوچھیے کس وجہ سے اس نے والد کو اختیار کیا ہے: اس نے پوچھا: تو بچہ کہنے لگا: اس لیے کہ امی مجھے روزانہ مکتب بھیجتی ہے، جہاں مجھے مار پڑتی ہے، جبکہ والد مجھے مدرسے نہیں بھیجتے، بلکہ دوستوں کے ساتھ کھیلنے کودنے دیتے ہیں، حاکم نے یہ سن کر اسے والدہ کے پاس رہنے کا پابند بنایا، اور کہا: تمہی اس کی زیادہ حقدار ہو۔ کہتے ہیں: شیخ نے تبصرہ کیا کہ اگر والدین میں سے کوئی بچے کی تعلیم وتربیت اور دین کی تعلیم دینے میں کوتاہی کرتا ہے، تب اس کے لیے حقِ ولایت نہیں، کیونکہ وہ عاصی ہے۔ بلکہ ہر صاحبِ

[1] صحيح، مسند أحمد: ٢/ ١٨٠؛ سنن أبي داود: ٤٩٥؛ سنن ترمذي: ٤٠٧۔

ولایت (کوئی سی بھی ذمہ داری والا) اگر اپنا فرضِ منصبی باحسن وخوبی انجام نہیں دیتا، تو اسے اس منصب پہ رہنے کا حق حاصل نہیں، اسے یا تو اس منصب سے سبکدوش کر دیا جائے، اور اہل کو وہ منصب دیا جائے یا پھر کوئی اہل شخص اس کے ساتھ لگایا جائے جو ذمہ داریاں انجام دینے میں اس کی مدد کرے، کیونکہ اصل مقصود ومطلوب اللہ ورسول کی حتی الامکان اطاعت ہے۔

امام شافعیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر لڑکے نے والدہ کے پاس رہنا اختیار کیا ہے، تو وہ رات کو اس کے پاس رہے گا جبکہ دن کو والد اسے اپنے ساتھ رکھے، اسے مکتب بھیجے (اگر پڑھنے کی عمر ہے) یا کسی صنعت میں کام پر لگائے، کیونکہ اصل مقصد بچے کی تربیت اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا ہے اور اس کا یہ حق اسی طرح ادا ہوگا، اور اگر اس نے والد کے پاس رہنا اختیار کیا، تو وہ رات و دن اسی کے ہاں رہے گا، لیکن والدہ سے ملنے ملانے سے وہ اسے منع نہ کرے، کیونکہ منع کرنے میں اسے عقوق (نافرمانی) پر اکسانا اور قطع رحمی ہے، اگر بیمار پڑ جائے، تو اس کی تیمار داری کی زیادہ حقدار اس کی والدہ ہے، کیونکہ اس حالت میں وہ اب کم سن بچے کی مانند ہے، جسے نگہداشت اور دیکھ بھال کرنے والے کی ضرورت ہے (جو والدہ بہتر طریقہ سے انجام دے سکتی ہے) اگر لڑکی ہے اور اس نے دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا، تو وہ رات و دن اس کے پاس رہے گی، لیکن وہ دوسرے سے ملنے ملانے سے اسے نہ روکا جائے، البتہ یہ ملاقات طویل اور زیادہ کُھل کُھلا کر نہ ہو، کیونکہ میاں بیوی کی علیحدگی کے بعد ایک کا دوسرے کے گھر میں طویل قیام اور بے تکلفی مناسب نہیں، اگر لڑکی بیمار ہو جائے تو والدہ اسے اپنے گھر لا کر تیمار داری اور دیکھ بھال کرنے کی زیادہ حقدار ہے (اگر وہ والد کے ہاں مستقل قیام پذیر ہے) اگر والدین میں سے ایک بیمار پڑا اور لڑکا دوسرے کے ہاں رہتا ہے، تو وہ اسے اس کی عیادت کو جانے سے نہ روکے، اسی طرح وفات کے وقت حاضر ہونے سے، اگر کسی ایک کو اختیار کیا جو اسے دے دیا گیا، پھر اس نے رائے بدل لی اور دوسرے کو

اختیار کیا تو اب اس کے پاس بھیج دیا جائے، اگر دوبارہ پہلے کو اختیار کرلیا تو کوئی حرج نہیں، اس کے پاس پھر بھیج دیا جائے کیونکہ اصل اہمیت اس کے اختیار کرنے اور اس کی خواہش کی ہے، کبھی وہ ایک کے پاس رہنا چاہے گا اور کبھی دوسرے کے پاس، تو اسے اس کا موقع دیا جائے اور اس کے لیے تنگی نہ پیدا کی جائے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر کسی کو سفر در پیش ہوا (اور بچہ اس کے ہاں رہتا ہے) تو اب دوسرا اس کا زیادہ حقدار ہے، کیونکہ بچہ اگر بہت کم سن ہے، تو سفر میں ساتھ لے جانا اس کے لیے از حد مشقت کا باعث ہے (یہ اس زمانے کے تناظر میں ہے، اب شاید اس ضابطے کی ضرورت نہیں، اگر سفر مختصر ہے) فقہاء نے اسی طرح مطلقاً کہا اور سفرِ حج کا دیگر اَسفار سے استثناء نہیں کیا، اگر کوئی اس شہر کو چھوڑ کر مستقل طور پر دوسرے شہر آباد ہونا چاہتا ہے اور وہ شہر اور راستہ، دونوں یا ایک پر خطر ہے، تو اب وہیں مقیم فریق اسے اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حقدار ہے، اگر وہ شہر اور راستہ دونوں پُر امن ہیں، تو اس کے بارے دو اقوال ہیں، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو قول منقول ہیں: ایک یہ کہ والد زیادہ حق رکھتا ہے، تاکہ اس کی مناسب تعلیم و تربیت ہو سکے، یہی امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مؤقف ہے اور یہی قاضی شریح رحمہ اللہ نے فیصلہ دیا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس صورت میں والدہ کا حق فائق ہے، اس ضمن میں ایک تیسری رائے بھی ہے، وہ یہ کہ اگر منتقل ہونے والا والد ہے، تب والدہ اور اگر والدہ جانا چاہتی ہے تب والد زیادہ حقدار ہے، یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف تھا، ان سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا کہ اگر وہ شہر چھوڑ کر گاؤں جا رہی ہے، تب والد زیادہ حقدار ہوگا اور اگر وہ بھی شہر ہے، تب والدہ زیادہ حقدار ہوگی، یہ سب اقوال جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ذاتی آرا ہیں، کوئی شرعی دلیل ان پر قائم نہیں جو دل کو لگے، تو درست یہ ہے کہ جس معاملے میں بچے کی زیادہ مصلحت ہو، اسے پیشِ نظر رکھا جائے۔ یہ سب تب اگر کوئی دوسرے کو ضرر پہنچانے (کہ اولاد سے دوری ہو) کی غرض سے نہیں جا رہا، لیکن اگر غرض یہی ہے، تب اولاد کو اس کے ساتھ نہ جانے دیا جائے۔

علمی تحقیقی و اصلاحی مطبوعات — مکتبہ اسلامیہ MAKTABA ISLAMIA — دل کش و اعلیٰ معیار کے ساتھ

اب سیرت کے پھولوں سے مہکے زمانہ
مکتبہ اسلامیہ کی اہم اور منفرد کاوشیں

سیرۃ النبی ﷺ پر ایک بہترین اور جامع کتاب
رحمۃ للعالمین ﷺ
شائقین سیرت نبوی ﷺ کے لیے رحمۃ للعالمین امتیازی خوبیوں کے ساتھ پیش خدمت ہے
تالیف قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری — تخریج و تصحیح پروفیسر حافظ محمد اصغر

سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر لکھے گئے مضامین و مقالات کا بہترین مجموعہ
سیرت رحمۃ للعالمین کے درخشاں پہلو
- مختصر مگر جامع تحریر
- آسان فہم انداز
- اس موضوع پر مستند کاوش
تالیف محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

محسن انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی حامل ایک جامع کتاب
سیرۃ النبی ﷺ
تالیف علامہ شبلی نعمانی — علامہ سید سلیمان ندوی
4 جلدوں میں

خطیبانہ انداز میں منفرد تذکرہ رسول ﷺ
خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ
جلد اول
تالیف پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

مقالات سیرت (2 جلد)
ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی کے سیرت پر لکھے گئے مقالات کا مجموعہ
مرتب ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

رحمت عالم ﷺ
سیرۃ النبی ﷺ پر ایک بہترین کتاب
تالیف علامہ سید سلیمان ندوی

نبی اکرم ﷺ کے شب و روز
تالیف خالد بن محمد عطیہ — مترجم عبداللہ یوسف

معلم اخلاق ﷺ
ادارہ مصنفین پاکستان کی جانب سے سیرۃ النبی پر اول انعام یافتہ کتاب
تالیف حافظ ثناء اللہ ضیاء

40 خصوصیات محمد رسول اللہ ﷺ
تالیف الشیخ محمد عظیم حاصلپوری — نظر ثانی الشیخ ابو تراب

قرآن مجید، تفاسیر، احادیث، سیرۃ النبی، تاریخ اسلام، فقہ و فتاویٰ، وفاق المدارس، عربی کتب اور دیگر ادبی و اصلاحی کتب خریدنے کے لیے تشریف لائیں

ملنے کا پتا
مکتبہ اسلامیہ
لاہور: بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور — 042-37244973 - 37232369
فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پیٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد — 041-2631204 - 2641204
Ph 0300-8661763 maktabaislamiapk@gmail.com /maktabaIslamia1

www.KitaboSunnat.com

كتاب الزواج

المعروف

خاندانی نظام

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

/maktabaislamia1 maktabaislamiapk.com maktabaislamiapk@gmail.com